اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاً وَّخُفْيَةً (القرآن)

تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو

خير الذكر الخفي (الحدیث)

حکم الذکر بالجہر

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ

ناشر

مکتبہ صفدریہ

نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (قرآن کریم)

تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو،

خیر الذکر الخفی (حدیث شریف)

حکم الذکر بالجہر

جس میں قرآن کریم صحیح احادیث کتب تفسیر و فقہ اور مستند حضرات صوفیاء کرام کے ٹھوس حوالوں سے یہ امر ثابت کیا گیا ہے کہ جن جن مواقع میں بلند آواز سے ذکر اور دعا ثابت ہے وہاں بلند آواز ہی سے ذکر اور دعا کرنے سے شریعت کی منشا پوری ہوگی اور جہاں آواز بلند سے شرعاً دعا اور ذکر ثابت نہیں وہاں آہستہ دعا اور ذکر ہی بہتر اور افضل ہے بلکہ بعض صریح عبادات کے پیش نظر ایسے مواقع میں خصوصاً جب کہ لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہو ذکر بالجہر حرام، بدعت اور مکروہ ہے اور حضرات صحابہؓ اور تابعینؒ کا عمل بھی عمومی طور پر ذکر بالسر ہی کا رہا ہے اور یہی مسلک حضرات ائمہ اربعہ کا ہے۔ مساجد میں بلند آواز سے ذکر اور بلند آواز سے درود شریف کا حکم بھی اس میں واضح حوالوں سے بیان کر دیا گیا ہے اور دیگر کئی مسائل ضمناً اس میں آگئے ہیں اور مجوزین ذکر بالجہر کے دلائل کا خالص علمی اور تحقیقی طور پر مسکت جواب بھی دیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں مختلف پہلو یا حوالہ اس کتاب میں آگئے ہیں۔

وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ ۔

۴ رجب ۱۳۹۴ھ — ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ

۲۵ جولائی ۱۹۷۴ء — وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

﴿جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ محفوظ ہیں﴾

نام کتاب..... حکم الذکر بالجہر

تالیف..... شیخ الحدیث حضرت مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدرؒ

مطبع..... مکی مدنی پرنٹرز لاہور

تعداد..... ایک ہزار

طبع ششم..... اگست ۲۰۱۰ء

قیمت..... ۱۱۰/- (ایک سو دس روپے)

ناشر..... مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ بنوری ٹاؤن کراچی
☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
☆ کتب خانہ مجیدیہ ملتان
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ الاظہر یانو بازار رحیم یار خان
☆ مکتبہ الحسن حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ مکتبہ عثمانیہ میاں والی روڈ تلہ گنگ
☆ مکتبہ حلیمیہ درہ پیزو لکی مروت
☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور
☆ مکتبہ حنفیہ فاروقیہ اردو بازار گوجرانوالہ
☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

☆ مکتبہ فاروقیہ ہزارہ روڈ حسن ابدال
☆ ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ اقبال بک سنٹر نزد صالح مسجد صدر کراچی
☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
☆ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد
☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد
☆ مکتبہ صفدریہ چوہڑ چوک راولپنڈی
☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
☆ ظفر اسلامی کتب خانہ گکھڑ
☆ مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک

☆ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ
☆ کتب خانہ صفدریہ، حق سٹریٹ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

مضمون	
وجہ تالیف	۱۱
باب اول	۱۵
قرآن کریم سے آہستہ ذکر کا ثبوت	//
پہلی آیت کریمہ اُدْعُوا رَبَّكُمْ الآیۃ	//
اس کی تفسیر حضرت ابن مسعودؓ سے	۱۶
حضرت ابن مسعودؓ کا درجہ	//
حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اس کی تفسیر	۱۷
اصل اذکار میں اخفاء ہے	//
امام سرخسیؒ سے	//
امام بابرتیؒ سے حافظ ابن الہمامؒ سے	۱۸
امام کاسانیؒ سے	//
مولانا عبدالحی لکھنویؒ سے	۱۹
قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ سے اس کی تفسیر	//
ذکر خفی کے بارے میں ان کے مزید حوالے	۲۰
حضرات صوفیاء کرامؒ کے ہاں یہ ذکر رائج ہے خواجہ چراغ دہلوی رح	۲۲ //
امام حسن بصریؒ سے اس کی تفسیر	//
تفسیر خازن، روح المعانی، ابن کثیر اور کبیر کے حوالے	۲۳
امام رازیؒ سے اس کی تفسیر	//
قاضی شوکانیؒ سے اس کی تفسیر	۲۴
حافظ ابن القیمؒ نے آہستہ دعا کرنے کی دس حکمتیں بیان کی ہیں	۲۵
ایک اعتراض اور اس کا جواب	۲۵
مؤلف ذکر بالجہر کی بوکھلاہٹ	۲۷
دوسری آیت کریمہ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ الآیۃ	//
حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اس کی تفسیر	۲۸
حضرت امام نسفیؒ سے اس کی تفسیر	//
حضرت امام ابن جریرؒ سے اس کی تفسیر	۲۹
علامہ خازنؒ سے اس کی تفسیر	//
امام بغویؒ سے اس کی تفسیر	۳۰
امام رازیؒ سے اس کی تفسیر	//
امام عمادیؒ سے اس کی تفسیر	۳۱
قاضی ثناء اللہ صاحبؒ سے اس کی تفسیر	//
علامہ آلوسیؒ سے اس کی تفسیر	۳۲
حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ سے اس کی تفسیر	//
حضرت ملا جیونؒ سے اس کی تفسیر	۳۴
باب دوم احادیث سے استدلال	۳۷
پہلی حدیث اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ الحدیث	//
بخاری اور مسلم وغیرہ	//
حضرت امام نوویؒ سے اس کی تشریح	۳۸
حضرت علامہ عینیؒ سے اس کی تشریح	//
حضرت حافظ ابن حجرؒ سے اس کی تشریح	۳۹

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

مؤلف ذکر بالجہر کی راہ فرار	۳۹
فتاوٰی رشیدیہ کی مکمل عبارت جو مؤلف مذکور نے نقل نہیں کی	۴۰
امام کرخیؒ سے ادنی الجہر کا معنیٰ؟	//
امام قہستانیؒ سے ادنی الجہر کا معنیٰ؟	۴۱
بخاری شریف سے اس حدیث کے الفاظ	۴۲
دوسری حدیث خیر الذکر الخفی	۴۴
اس کی تصحیح امام سیوطیؒ اور علامہ عزیزیؒ سے	//
تیسری حدیث ذکر اور تلاوت قرآن کریم کے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے	//
باب سوم	۴۷
جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کا حکم	//
امام قاضیخانؒ اور سراج الدین اوشیؒ سے	//
فتاوٰی عالمگیری اور امام کردریؒ اور علامہ حلبیؒ سے	۴۸
حضرت ملا علی القاریؒ سے	۴۹
علامہ شرنبلالیؒ اور ابن نجیمؒ اور علامہ طحطاویؒ سے حوالہ	//
بعض حضرات تابعینؒ اور حضرت شاہ محمد اسحاقؒ صاحبؒ کا حوالہ	۵۰
در مختار، شامی اور فتاوٰی دار العلوم دیوبند کا حوالہ	//
مفتی احمد یار خان صاحب کا فتوٰی	۵۱
مسند فردوس کی حدیث	//
مسند فردوس کا مقام	//
علامہ عزیزیؒ سے اس حدیث کا معنیٰ؟	۵۲
بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے کا حکم؟	//
حضرت البیاضیؓ کی حدیث	//
حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث	۵۳
فتاوٰی قاضی خان	//
عالمگیری اور مختصر الفتاوٰی المصریۃ	۵۴
تفسیر مظہری	//
مجموعۂ فتاوٰی مولانا عبد الحیؒ	۵۵
باب چہارم (تکبیرات عیدین)	۵۷
امام قاضی خانؒ	//
صاحب ہدایہ ایک اعتراض اور اس کا جواب	//
جب کوئی چیز سنت اور بدعت میں متردد ہو تو اس کو ترک کیا جائیگا۔ عالمگیری شامی	۵۸
عید الفطر کے موقع پر بلند آواز سے تکبیر	۵۹
علامہ حصکفیؒ اور شامیؒ سے	//
علامہ عینیؒ اور کاسانیؒ سے	۶۰
علامہ سرخسیؒ اور ابن نجیمؒ سے	۶۲
ان کی عبارات میں فوائد	۶۳
جہر دعاء تعلیم کی حد تک جائز ہے تعلیم کے بعد جہر بدعت ہے	۶۷
امام کردریؒ اور عالمگیری سے	//
علامہ ابن الحاجؒ سے بقیہ فوائد	//
تکبیر عید الفطر کے بارے میں علامہ شامیؒ کی تحقیق	۶۹

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

علامہ ابوبکر الجصاصؒ کا حوالہ ۶۹

علامہ شرنبلالیؒ اور علامہ سید احمد طحطاویؒ کا حوالہ ۷۱

کبیری کا حوالہ ۷۳

امام ابوجعفر الہندوانیؒ کے قول کی تشریح ۷۷

مؤلف ذکر بالجہر کی بد حواسی ۷۸

علامہ حلبیؒ کا ایک اور حوالہ ۷۹

ذکر بالجہر کے بعض اور مقامات ملا علی القاریؒ سے ۸۰

علامہ حصکفیؒ اور شامیؒ سے ۸۱

خلاصہ الفتاوی کی عبارت ۸۲

امام قہستانیؒ کا حوالہ ۸۴

مؤلف محیط کون بزرگ ہیں؟ ۸۶

تکبیرات تشریق، صاحب ہدایہ سے //

فتوی حضرات صاحبینؒ کے قول پر ہے عالمگیری و مختار //

تکبیرات تشریق میں عورتوں اور مسافروں کا حکم صاحب ہدایہ سے ۸۷

حضرت ملا علی القاریؒ سے //

تیئیس ۲۳ نمازوں تک تکبیر تشریق ہے امام حدادیؒ ۸۸

ایک طفلانہ سوال اور اس کا جواب //

علامہ حلبیؒ کی ایک اور عبارت ۸۹

باب نجم (جہر اور اخفاء کی تعیین) ۹۱

طلاق دل میں نہیں ہوتی (حضرت قتادہؒ) تکلم اور کتابت سے ہوتی ہے ہدایہ اور قاضی خان //

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے //

نماز وغیرہ میں اذکار کا حکم؟ کتاب الاذکار اور شرح مسلم سے ۹۱

ملا علی القاریؒ اور امام غزالیؒ سے ۹۵

دعا کی قبولیت کے لیئے یقین ضروری ہے حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث //

امام ابن حجر مکیؒ کی عبارت کا مطلب اور علامہ آلوسیؒ کا حوالہ ۹۶

حضرت تھانویؒ، امام ابن الجزریؒ اور شوکانیؒ کا حوالہ //

نماز میں آہستہ قرأت اور جہر کا حکم؛ صاحب ہدایہ اور ابن نجیمؒ سے ۹۸

ادنی جہر کا معنی حضرت تھانویؒ سے ۹۹

ضرورت سے زیادہ امام کے لیئے جہر درست نہیں امام حصکفیؒ طحطاویؒ فتاوی عالمگیری اور مغنی المحتاج سے ۱۰۰

اقامت میں جہر بقدر ضرورت ہو الجوہر شرح المہذب ۱۰۱

تکبیرات تشریق میں بھی اعتدال ہو امام ابن الحاجؒ ۱۰۲

مؤلف ذکر بالجہر کا اعتراض اور اس کا جواب ۱۰۴

وعظ میں آواز بلند کرنا درست ہے صحیح مسلم کی حدیث //

امام نوویؒ سے اسکی تشریح //

اذان میں آواز بلند کرنا مطلوب ہے ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ ۱۰۵

فرضی نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت حضرت ابوامامہؓ کی حدیث ۱۰۶

تارک دعا قابل تعزیر ہے مولانا گنگوہیؒ //

حضرت امام بخاریؒ اور غیر مقلدین حضرات سے اس دعا کا ثبوت //

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت حضرت ابن الزبیرؓ اور اسود عامریؒ کی حدیث ۱۰۷

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

اور یہ دعا دیر تک ہوتی تھی حضرت عائشہؓ ۱۰۷

مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ سے //

نوافل اور سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کا ثبوت نہیں ۱۰۸

نمازوں کے بعد جماعتی صورت میں بلند آواز سے دعا کا حکم؟ امام شاطبیؒ //

امام نوویؒ اور سراج الدین ابن ملقن القاریؒ ۱۰۹

غیر مستند قصے بیان کرنا اور انکے لئے اجتماع بدعت ہے ۱۱۰

ایسے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ نظر شفقت نہیں کریگا حضرت علیؓ کی حدیث۔ امام بلخیؒ //

دعا میں اخفا سنت ہے قاضی ثناء اللہ صاحبؒ حضرت تھانویؒ ۱۱۱

حضرت مفتی محمد کفایت اللہؒ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ ۱۱۲

دعا میں تجاوز ناپسندیدہ امر ہے عبداللہؓ بن مغفل کی حدیث ۱۱۳

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی حدیث۔ //

وضو میں بھی اسراف درست نہیں ہے ۱۱۴

نماز میں بلند آواز سے نیت کرنا بھی جائز نہیں ۱۱۵

حافظ ابن تیمیہؒ //

باب ششم (درود شریف) اسمیں اخفاء افضل ہے عالمگیری ۱۱۷

فتح القدیر ۱۱۸

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا بدعت ہے علامہ بدرالدین عینیؒ ۱۱۹

مفتی احمد یار خان صاحب کی علمی خیانت امام نوویؒ کی عبارت //

اذان سے قبل اور بعد جہراً درود شریف پڑھنے کا حکم حافظ ابن حجرؒ سے ۱۲۲

ملا علی القاریؒ سے ۱۲۲

اذان کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھنا افضیلت کی ایجاد ہے امام شعرانیؒ ۱۲۳

یہ بدعت ۹۱۰ھ میں مصر کے اندر ایجاد ہوئی //

یہ بدعت ایک ظالم حاکم نے رائج کی تھی //

علامہ مقریزیؒ اور امام ابن حجر مکیؒ //

قاوی ذخیرۃ السالکین کا حوالہ //

مجالس الابرار کا حوالہ ۱۲۴

امام ابن امیر الحاجؒ کا حوالہ //

ذکر بالجہر بھی مشروط ہے شامیؒ ۱۲۵

فتاوی برازیہ کی عبارت کا مطلب؟ ۱۲۷

بلند آواز رفع الصوت مطلوب ہے ترمذی وغیرہ کی حدیث ۱۲۸

علامہ آلوسیؒ سے ذکر بالجہر کی کچھ شرائط ۱۲۹

مفتی احمد یار خاں صاحب ۱۳۰

تنہائی میں مسجد کے اندر بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا //

حضرت عائشہؓ کی حدیث امام نوویؒ سے اسکی شرح //

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ایک حوالہ //

علامہ ابن الحاجؒ کا حوالہ ۱۳۱

ذکر بالجہر کے بارے حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کا فتوی ۱۳۲

علامہ ابن الحاجؒ کی ایک عبارت ۱۳۴

امام شاطبیؒ کا حوالہ ۱۳۵

باب ہفتم (مساجد میں رفع الصوت) بخاری شریف کی روایت ۱۳۷

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

مسلم شریف کی روایت ۱۳۸
امام نوویؒ سے اس کی شرح //
حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ۱۳۹
حضرت ملا علی القاریؒ سے اس کی شرح //
امام حصکفیؒ کا حوالہ //
مسجدوں میں گم شدہ اشیاء کا اعلان کرنا درست نہیں ہے مسلم وغیرہ //
حضرت معاذؓ بن جبل کی روایت ۱۴۰
مسجد میں آواز بلند کرنا بدعت ہے علامہ آلوسیؒ حافظ ابن تیمیہؒ اور امام شاطبیؒ //
جمع ہو کر مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا ۱۴۲
فتاوی بزازیہ سے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت //
جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت ابن مسعودؓ پر اعتماد //
حضرت ابن مسعودؓ کی امت کو ایک دردیں نصیحت //
مولوی عبد السمیع صاحب بریلوی کا حوالہ ۱۴۳
حضرت مولانا رشید انور شاہ صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی دام مجدہم کا حوالہ ۱۴۴
کتاب الزہد کی روایت کا جواب //
حضرت ملا علی القاریؒ کا حوالہ //
مطلق کراہت سے تحریم مراد ہوتی ہے صاحب ہدایہ حضرت مجدد الف ثانیؒ ۱۴۵
مساجد میں دنیوی باتیں اور شور وغل درست نہیں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث ۱۴۶
بازاروں میں بھی آواز بلند کرنا درست نہیں ۱۴۷
بخاری شریف اور لیسعیاہ کا حوالہ //
موارد الظمآن کا حوالہ //
آخر زمانہ میں لوگوں کی باتیں مسجد میں ہوں گی موارد الظمآن وتنبیہ الغافلین ومستدرک //
مسجدوں میں جمع ہوں گے مگر ان میں ایمان مفقود ہوگا، مستدرک ۱۴۸
السلک المتقسط کا حوالہ ۱۴۹
ارشاد الساری کا حوالہ سے عالمگیری کا حوالہ ۱۵۰
علامہ ابن حزمؒ کا حوالہ مسجد میں تعلیم کی خاطر آواز بلند کرنا جائز ہے۔ ۱۵۱
ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث ۱۵۲
حضرت ملا علی القاریؒ سے اس کی شرح //
حضرت امام نوویؒ کا حوالہ ۱۵۳
بخاری شریف کی ایک حدیث //
باب ہشتم (ذکر بالجہر کے جواز کے دلائل) ۱۵۵
قرآن کریم سے استدلال //
پہلی آیت کریمہ اذکروا اللہ ذکرا کثیرا کم آیا کم آیت سے استدلال //

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

الجواب مؤلف ذکر بالجہر کی ایک غلطی پر تنبیہ	۱۵۶
اس آیت سے کثرت ذکر مراد ہے جہر مراد نہیں حافظ ابن کثیرؒ اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ سے	۱۵۷
حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کی عبارت کی خود ان کی اپنی عبارت سے تشریح	۱۵۸
دوسری آیت کریمہ فاذکروا اللہ الآیۃ سے استدلال اس کا جواب	۱۵۹
حضرت تھانویؒ کی ایک عبارت کی خود ان کی اپنی عبارات سے تشریح	۱۶۱
طحطاوی اور فتاوی امدادیہ کا حوالہ	۱۶۲
تیسری آیت کریمہ فاذکرونی الآیۃ سے استدلال اور اس کا جواب	۱۶۳
باب نہم (ذکر بالجہر) پر احادیث سے استدلال پہلی حدیث ابن عباسؓ سے	۱۶۵
اس کا جواب حضرت امام شافعیؒ سے	//
اس کا جواب حضرت امام بیہقیؒ اور حضرت امام نوویؒ سے	۱۶۶
اس کا جواب حضرت امام کرمانیؒ سے اور حضرت امام ابن حجر عسقلانیؒ سے	۱۶۸
دلائل الاذکار کا حوالہ اور اس کا مطلب	۱۷۰
علامہ عینیؒ سے سابق حدیث کا مطلب	//
علامہ ابن حزمؒ کا حوالہ	۱۷۱
علامہ ابن الحاج کا حوالہ	//
علامہ قسطلانیؒ اور علامہ الساعاتی کا حوالہ	۱۷۲
مولانا ابو عبدالرحمٰنؒ غیر مقلد کا حوالہ	۱۷۳
محدث ابن بطال کون تھے؟	//
سابق حدیث کی شرح شیخ عبدالحق صاحبؒ سے	//
// // مولانا سہارنپوری سے	۱۷۴
// // محمد انور شاہ صاحبؒ سے	//
دوسری حدیث (حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی روایت)	۱۷۵
اس کا پہلا جواب کہ اصل روایت میں بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود ہی نہیں ہیں	//
اس پر کتب حدیث کے متعدد حوالے	۱۷۶
یہ صاحب مشکوٰۃ کا دیگر ائمہ کی طرح ایک وہم ہے	//
جواب دوم کتاب الام میں یہ لفظ موجود ہیں مگر سند میں ابراہیم بن محمد کذاب ہے	۱۷۷
جواب سوم بر تقدیر صحت جہر تعلیم کیلئے تھا ذکر دائمی	۱۷۸
حضرت ملا علی القاریؒ اور شیخ عبدالحق صاحبؒ سے	//
تیسری حدیث اور اس کا جواب	۱۸۰
چوتھی حدیث اور اس کا جواب	۱۸۱
حاشیہ مشکوٰۃ کا حوالہ	۱۸۲
پانچویں حدیث	۱۸۳
امام غزالیؒ اور حضرت تھانویؒ کا حوالہ	۱۸۴
چھٹی حدیث اور اس کا جواب	۱۸۵
حضرت ملا علی القاریؒ کا حوالہ	۱۸۶

فہرست مضامین حکم الذکر بالجہر

آخر زمانہ میں جاہل عابد اور فاسق قاری ہونگے ۱۸۶
ساتویں حدیث اور اس کا جواب ۱۸۷
مطلق روایات کو مقید پر حمل کیا جائے گا / حضرت مجدد الف ثانیؒ ۱۸۸
ایک اعتراض اور اس کا جواب ۱۹۰
باب دہم، آخری حربہ حضرت / شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا حوالہ ۱۹۱
اس میں چند امور قابل توجہ ہیں پہلا امر ۱۹۳
دوسرا ۱۹۵ تیسرا اور چوتھا ۱۹۶ ۱۹۷
حضرات صوفیاء کرامؒ کے بارے میں / تین باتیں قابل غور ہیں۔ "
پہلی بات "
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی چند عبارات / پہلی عبارت ۱۹۸
دوسری عبارت ۱۹۹ تیسری عبارت ۲۰۰
چوتھی عبارت ۲۰۰
کمالات ولایت فقہ شافعی کے اور کمالات نبوت فقہ / حنفی کے موافق ہیں (مجدد الف ثانیؒ) ۲۰۳
حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول کے بعد فقہ حنفی کے مطابق عمل کریں گے ۲۰۴
بدعت کی تردید حضرت مجدد صاحبؒ سے "
تقابل حضرات فقہاء کرامؒ و حضرات صوفیاء عظامؒ ۲۰۵
دوسری بات کہ یہ جہر تعلیم کے لئے تھا ۲۰۷
حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ "
تیسری بات ذکر بالجہر کی مجوزین کے ہاں بھی شرائط ہیں ۲۰۸
ابن عمرؓ اور چند دیگر بزرگوں سے ۲۰۹
ایذاء المسلمین حرام ہے حضرت ابن عمرؓ سے ۲۱۰
اسی لئے حجر اسود کا بوسہ ترک کیا جائیگا / بسوط و ہدایہ ۲۱۱
طواف کے وقت ذکر اور قرأۃ قرآن اور دعا آہستہ ہونی چاہیے ۲۱۲
درس و تقریر پر اعتراض اور اس کا جواب ۲۱۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَقُوْلُ بِلِسَانِیْ وَاَکْتُبُ بِقَلَمِیْ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ۔

وجہ تالیف :۔

(۱) راقم نے محض اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی تائید سے آج سے کئی سال پہلے ردِ بدعت کے سلسلہ میں ایک کتاب راہِ سنت لکھی تھی جس پر پاک و ہند کے بعض مستند اور بین الاقوامی شہرت رکھنے والے بزرگوں کی گراں قدر تصدیقات بھی طبع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کتاب کو تھوڑے ہی عرصہ میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی اور عوام سے لے کر جید علماء تک نے اس کے طرزِ تحریر اور ٹھوس دلائل اور واضح براہین کو خوب سراہا اور قلیل مدت میں اس کے کئی ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے حتیٰ کہ ادارہ نصرۃ العلوم (جس نے یہ کتاب طبع کروائی ہے) کی اجازت کے بغیر ہی اس کتاب کی جامعیت اور مقبولیت کے پیشِ نظر یہ کتاب ہندوستان وغیرہ میں طبع ہو کر فروخت ہوتی رہی اور سندھی، بنگالی اور پشتو وغیرہ زبانوں میں اس کے تراجم کی اجازت بھی بعض حضرات نے طلب کی لیکن اس خطرہ کے پیشِ نظر ادارہ نے اجازت نہ دی کہ کہیں غیر ذمہ دار مترجمین حضرات ترجمہ میں اصل کتاب کا مقصد ہی غلطی سے نہ بدل ڈالیں اور کتاب کا صحیح مقصد ہی نہ فوت ہو جائے۔ راقم اثیم کی دوسری کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی دیگر ممالک میں طلب کی گئی اور اہلِ حق نے اس سے ایمانی تسکین حاصل کی اور بہت سے حضرات نے یہ کتاب پڑھ کر بدعات سے صدقِ دل سے توبہ کی اور راقم کو مبارک باد کے خطوط لکھے اور درازیٔ عمر اور حسنِ خاتمہ کی دعائیں کیں اللہ تعالیٰ ان دعاؤں کو قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

(۲) جہاں اس کتاب کی وجہ سے اہلِ حق کو بہت فائدہ پہنچا اور صحیح مسلک کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی وہاں اہلِ بدعت کے ہاں صفِ ماتم بچھ گئی اور ان کے بارونق چہرے غمگین اور اداس ہو گئے اور قدرتی طور پر ایسا ہونا بھی چاہیئے تھا چنانچہ اس کتاب کی تردید میں ان کے مفتی اعظم احمد یار خاں صاحب

بدایونی ثم گجراتی (المتوفی ۳ر رمضان ۱۳۹۱ھ) نے ایک کتاب لکھی جس کا نام انہوں نے راہِ جنت رکھا جس کا تر کی بتر کی جواب راقم نے بابِ جنت سے دیا اور اس کے بعد مفتی صاحب بالکل چُپ سادھ لی اور دل میں کڑھتے ہی کڑھتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

(۳) راہِ سنت میں نہایت اختصار کے ساتھ ذکر بالجہر کے بارے میں بھی باحوالہ اصولی بحث کی گئی ہے۔ اور حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا تحقیق قول اس میں باحوالہ درج ہے کہ جہاں سِرّاً بلند آواز سے ذکر ثابت نہیں وہاں ذکر بالجہر مکروہ اور بدعت ہے خصوصاً جب کہ نمازیوں، بیماروں، مطالعہ کرنے والوں اور سونے والوں اور اسی طرح کے دیگر مشاغل میں مصروف حضرات کے امن وسکون میں خلل واقع ہوتا ہو اور اس سے ان کے ذہن پریشان ہوتے ہوں ایسے حالات میں سب کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے مگر اتنی صاف اور واضح باحوالہ بات بھی اہل بدعت کو کانٹے کی طرح کھٹکی اور راقم کے رد اور ذکر بالجہر کے جواز میں ان کی جماعت کے ایک صاحب نے ذکر بالجہر کے نام سے ایک رسالہ لکھ مارا ان صاحب کو ان کی جماعت نے رئیس المحققین، محقق بالکمال اور مدقق بے مثال کا خسروانہ خطاب بھی دیا ہے اس رسالہ کو پڑھ کر یہ محسوس ہوا کہ مؤلف مذکور کو اصل مسئلہ کی نوعیت اور اس کی تفصیل اور حضرات فقہاء کرام حتی کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے صحیح مسلک سے بالکل بے خبری ہے اور وہ بیچارے اس مسئلہ کے سلسلہ میں قرآن کریم، حدیث شریف اور فقہ حنفی سے سراسر ناواقف ہیں انہوں نے اپنی کم فہمی کی وجہ سے عمومی طور پر ذکر بالجہر کو حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا مسلک سمجھ رکھا ہے اور اس کو وہ قرآن کریم، حدیث شریف فقہ اور شروح حدیث سے بزور ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ مزید براں انہوں نے بعض حضرات صوفیاء کرامؒ کی عبارتوں سے بھی اس کو حل کرنے کی ناتمام سعی کی ہے۔ اور عبارات میں بھی بے انتہا قطع وبرید کی ہے اور کم فہمی کا ثبوت کہیں بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے محاورہ کے مطابق جگہ جگہ انہوں نے بلاوجہ راقم اثیم کو خائن ثابت کرنے کی غیر سود مند کاوش کی ہے اس رسالہ میں انہوں نے اپنے ناخواندہ اور بدعت پسند حواریوں کو یہ باور کرانے کی بے جا کوشش کی ہے کہ سرفراز وہابی ہے اور مسلک احناف کے بالکل خلاف ہے (معاذ اللہ تعالیٰ) اس پیش نظر کتاب کو ٹھنڈے دل سے پڑھنے والے حضرات انشاء اللہ تعالیٰ بخوبی خود اندازہ لگائیں گے کہ سرفراز کا مسلک کیا ہے؟ اور اس کی بنیاد کن ٹھوس دلائل پر قائم ہے؟ اور وہ کن کن بزرگوں کے دامن سے وابستہ ہے؟ اور سرفراز کے اس مسلک پر طعن کرنے والا کس پر طعن کر رہا ہے؟ سچ ہے ؏

جو تھوکے چاند پر کوئی اُسی کے منہ پہ پڑتا ہے

(۴) ٹھوس علمی اور تحقیقی مواد سے یکسر خالی ہونے کی وجہ سے مؤلف مذکور کے رسالہ کی تردید کی مطلقاً ضرورت نہ تھی لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ اکثر عوام الناس بڑے سطحی اور دین کی صحیح سمجھ سے بالکل ناواقف ہوتے ہیں کہیں وہ اس محقق باکمال اور مدقق بے مثال کے رسالہ سے دھوکہ کھا کر نقل کو اصل اور بدعت اور فعل مکروہ کو کار ثواب ہی نہ سمجھ لیں اور قرآن وحدیث کے منشا کے خلاف اور فقہ حنفی کی صریح مخالفت ہی پر کمربستہ نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں وہ اس ذکر بالجہر کی وجہ سے کہیں لوگوں کے امن وسکون اور چین کو مزید برباد نہ کردیں۔ کیونکہ آجکل اکثر مساجد میں لاؤڈ سپیکر موجود ہیں اور جب بھی کسی کا جی چاہتا ہے گلا سنوار سنوار کر جو چاہتا ہے پڑھتا رہتا ہے اور لوگوں کی نماز تلاوت حتیٰ کہ لوگوں کی نیند اور آرام میں خلل ڈالتا رہتا ہے نہ رات دیکھتا ہے اور نہ دن نہ بیماروں کا خیال ہوتا ہے اور نہ کسی کے سکون کا بس اپنی سُرتال ہی کی فکر رہتی ہے اور آئے دن اخبارات میں دفتری لوگوں طالب علموں بیماروں اور اہل محلہ کی فریاد چھپتی رہتی ہے کہ ہمیں اس بے آرامی سے نجات دلائی جائے مگر کوئی شنوائی نہیں ہوتی حالانکہ ملک میں لاؤڈ سپیکر کا مستقل آرڈیننس موجود ہے مگر حکام کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور ان کو پبلک کی کوئی آواز اور فریاد سنائی نہیں دیتی گویا وہ کچھ سنتے ہی نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی جو قیامت کی بعض نشانیوں سے متعلق تھا بالکل پورا ہو گیا ہے۔

واذا رأیت الحفاۃ العراۃ الصم البکم ملوک الارض الحدیث (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۴۱ وقال متفق علیہ)	کہ جب تم ننگے پاؤں ننگے بدن والوں حق سننے سے بہروں حق بولنے سے گونگوں کو زمین پر برسر اقتدار دیکھو (تو جان لو قیامت آگئی)

یعنی وہ لوگ جو کسی وقت غربت کی وجہ سے ننگے پاؤں چلتے اور ننگے بدن رہتے تھے عوامی دور میں جب برسر اقتدار آجائیں گے تو حق سننے سے بالکل بہرے اور حق بولنے سے بالکل گونگے ہو جائیں گے۔

حضرت ملا علی القاری الحنفی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں، کہ وہ لوگ حق سننے اور قبول کرنے سے بہرے اور سچ بولنے سے گونگے ہوں گے ویسے ان کے کان اور ان کی زبانیں بالکل صحیح ہوں گی (مصنوعہ مرقات ج ۱ ص ۶۵ طبع ملتان)

(۵) یہ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا محض عبادت ہی نہیں بلکہ عبادت کا سست نچوڑ اور خلاصہ (مُخّ العبادۃ) ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس سے دعا کے بارے میں قرآن کریم اور احادیث میں اس قدر

وافر ذخیرہ موجود ہے جو شمار کرنے میں نہیں آسکتا۔ ہمارے اکابر نے فضائل ذکر پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور بحمداللہ تعالیٰ بقدر ہمت و وسعت ہم بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف و مشغول رہتے ہیں اور اس کو اپنی اُخروی نجات اور نیز دنیوی فلاح کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں اور حتی الوسع اس پر پابندی اور مداومت سے کاربند ہیں اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنے کو ہم اور ہمارے جملہ اکابر افضل ترین عبادت میں شمار کرتے ہیں اور بقدر توفیق پڑھتے رہتے ہیں اور اس طریقہ سے ہم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا گہرا لگاؤ قائم رکھتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عند القبر آپ بنفس نفیس خود صلوٰۃ و سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں اور دُور سے فرشتے آپ کو صلوٰۃ و سلام پہنچاتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے لیکن ذکر اور درود شریف پڑھنے کا ہم وہی طریقہ اپناتے ہیں جو قرآن کریم حدیث شریف کے مطابق اور فقہ حنفی کے عین موافق ہے جس کی بقدر ضرورت تفصیل اس پیش نظر کتاب میں باحوالہ درج ہے اور منصف مزاج آدمی کیلئے یہ بالکل کافی ہے۔

(۶) حضرات صوفیاء کرامؒ کے بعض سلاسل (مثلاً قادریہ اور اُویسیہ وغیرہ) میں مبتدی کے لئے ذکر بالجہر کا طریقہ رائج ہے اپنی شرائط کے ساتھ وہ بھی صحیح ہے بنیادی شرطیں یہ ہیں کہ جہر مفرط نہ ہو صرف تعلیم کی حد تک ہو کسی نمازی، تلاوت کرنے والے وغیرہ کو اس سے اذیت اور تشویش نہ ہو اگر یہ شرطیں کلاً یا بعضاً مفقود ہوں۔ تو پھر اس کی اجازت نہیں ہے اور اس زیر نظر کتاب میں باحوالہ اس کی بحث آرہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ لہٰذا غلط مبحث علماء اور جویانِ حق کی شان کے ہرگز مناسب نہیں ہے۔

(۷) مؤلف مذکور نے راقم کی کتاب تنقید متین بر تفسیر نعیم الدین کے رد میں بھی ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام انہوں نے توضیح البیان علی خزائن العرفان رکھا ہے اس میں بھی انہوں نے وہی طریق اختیار کیا ہے۔ جو ذکر بالجہر میں اختیار کیا ہے فضول ہیرا پھیری اس میں بھی کافی ہے اور مغالطہ دینے کے لئے حجم اس کا خاصا نظر آتا ہے مگر علم تحقیق اور کام کی باتیں اس میں بہت کم ہیں ذکر بالجہر کے سلسلہ میں ان کے پیش کردہ دلائل کا تانا بانا تو آپ اس پر زیر نظر کتاب میں دیکھ لیں اور توضیح البیان کی مغالطہ آفرینی کا حشر انشاء اللہ تعالیٰ تنقید متین طبع سوم میں ملاحظہ کر لینا۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو صراط مستقیم اور توحید و سنت کی شاہراہ پر چلنے کی توفیق اور شرک و بدعت اور مکروہات کے غلط راستہ پر چلنے سے اجتناب و گریز کی ہمت مرحمت فرمائے آمین ثم آمین وصلی اللہ تعالیٰ علی رسولہ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہ الی یوم الدین۔

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب جامع مسجد گکھڑ و مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔

۵ رجمادی الاخریٰ ۱۳۹۵ھ ——— ۱۵ رجون ۱۹۷۵ء

باب اوّل

قرآن کریم سے آہستہ ذکر کا ثبوت

ہر مسلمان اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ جس مسئلہ پر قرآن کریم سے صریح ثبوت ملتا ہو وہ مسئلہ نہایت ہی قوی اور بہت ہی مدلل ہوتا ہے زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس سلسلہ میں قرآن کریم سے اس کا ثبوت عرض کردیں تاکہ کسی کو علمی اور تحقیقی طور پر کوئی الجھن باقی نہ رہے۔

پہلی آیت کریمہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ (پ۹: اعراف، ۷)

تم پکارو اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے بیشک وہ پسند نہیں کرتا حد سے بڑھنے والوں کو۔

اس آیت کریمہ میں دو امر صراحت سے بیان ہوئے ہیں ایک تَضَرُّعًا اور دوسرا خُفْيَةً اور اس میں اللہ تعالیٰ نے دعا کرنے کا طریقہ یہ بتایا ہے کہ عاجزی، زاری اور انکساری کے ساتھ دعا ہو اور اس کے ساتھ آہستہ آہستہ اور چپکے چپکے ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور تجاوز کی مد میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو عادتاً یا شرعاً محال ہوں جن کو کوئی مانگے یا معاصی اور لغو چیزیں طلب کرے یا ایسا سوال کرے جو اس کی حیثیت اور شان کے مناسب ہی نہ ہو اور ایسے مقام پر جہاں شرعاً ثابت نہیں بلند آواز سے ذکر اور دعا کرے، یہ سب امور اعتداء فی الدعاء میں داخل ہیں، باقی امور تو واضح ہیں ان میں کس کو اختلاف ہو سکتا ہے؟ اگر کچھ شک و شبہ اور اختلاف ہو سکتا ہے تو بلند آواز سے دعا اور ذکر بالجہر میں ہو سکتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق چند ضروری حوالے ہم یہاں عرض کردیں تاکہ حقیقت بالکل بے نقاب اور معاملہ بالکل صاف ہو جائے۔

(الف) حضرت عبداللہ بن مسعود (المتوفی ۳۲ھ) اس آیت کریمہ سے ذکر بالجہر کی ممانعت سمجھتے تھے چنانچہ بریلوی حضرات کے مشہور محقق عالم مولوی عبدالسمیع صاحب حضرت ابن مسعودؓ سے اس سلسلہ کی مروی روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

دوسری روایت اس طرح پر ہے کہ وہ لوگ ذکر اللہ جہراً کرتے تھے اس لئے ان کو (حضرت عبداللہ رضؓ بن مسعود نے مسجد سے (جیسا کہ آگے آرہا ہے انشاء اللہ العزیز، صفدر) نکال دیا سو اس کی وجہ وہی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، ذکر جہر کو مخالف شرع سمجھتے تھے جیسا کہ کتب فقہ سے روایت آتی ہے اور مانعین جہر قرآن کی آیت سند گذارتے ہیں اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اور حدیث کتاب الجہاد بخاری (ج ۱ ص ۴۲۰) کی جو ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے پیش کرتے ہیں کہ وہاں بلند آواز سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللّٰهُ اَكْبَرُ کہتے تھے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِرْبَعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّهٗ مَعَكُمْ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ یعنی نرمی کرو اپنی جانوں پر تم کسی غائب اور بہرے کو نہیں پکارتے وہ تمہارے ساتھ ہے وہ سنتا ہے پاس ہے، اس سے بعض صحابہؓ سمجھ گئے کہ ذکر جہر منع ہے اسی بنا پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ان لوگوں کو منع فرمایا اھ (انوار ساطعہ ص ۳۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے اس آیت اور اس حدیث شریف سے ذکر بالجہر کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھ کر اس سے منع فرمایا ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے بڑھ کر قرآن کریم کی تفسیر کو زیادہ جاننے والا اور کوئی نہ تھا، چنانچہ حضرت عقبہؓ بن عمرو فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ کا ابن مسعود سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا، حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ فرماتے ہیں کیوں نہ ہو وہ ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتے تھے اور آپ ان سے کسی وقت حجاب نہیں کرتے تھے (مسلم ج ۲ ص ۲۹۳) خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ علیٰ رؤس الاشہاد فرمایا کرتے تھے اس پروردگار کی قسم جس کے بغیر کوئی دوسرا معبود نہیں قرآن کریم کی کوئی سورت اور کوئی آیت ایسی نہیں جس کا شان نزول مجھے معلوم نہ ہو کہ کس موقع اور کس حالت میں نازل ہوئی ہے اور میں اپنے سے بڑا کتاب اللہ کا عالم کسی کو نہیں جانتا (بخاری ج ۲ ص ۷۴۸ و مسلم ج ۲ ص ۲۹۳) حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کتاب اللہ کے حضرات خلفاء راشدینؓ سے بھی بڑے عالم تھے (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۹۳) یہ یاد رہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کا مدار ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم و فقہ پر ہے اور تفسیر و فقہ میں ان کا مقام بہت ہی بلند اور ارفع تھا۔

(ب) فقیہ الامت سراج الائمہ حضرت امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (المتوفی ۱۵۰ھ) ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ علامہ الشیخ ابراہیم الحلبی الحنفی (المتوفی ۹۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

قال ابو حنیفۃ لیس کلامنا فی مطلق الذکر فانہ امر مرغوب فیہ فی کل الاحیان بل فی الجھر بہ وھو بدعۃ لقولہ تعالٰی اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً اِلَّا ما استثناہ الشرع فاذا تعارضت الادلۃ فی مقدار المستثنٰی نأخذ بالاقل والعمل فیما وراءہٗ بالاصل ھو الاحتیاط اذ فیہ الجمع بین الادلۃ وبھذا ظھر انہ لا وجہ لمن جعل الفتوٰی علی قولھما اھ (غنیۃ المستملی ص۵۳۱ و ص۵۳۲ طبع رحیمیہ دیوبند)

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ ہماری گفتگو مطلق ذکر میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو تمام اوقات میں ایک پسندیدہ امر ہے بلکہ ہماری گفتگو جہر کے بارے ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے رب کو پکارو عاجزی سے اور چپکے چپکے مگر وہاں جہاں شرع نے مستثنیٰ کیا ہے پس جب مستثنیٰ کی مقدار میں دلائل متعارض ہیں تو اقل لیا جائے گا اور اس کے علاوہ اصل پر عمل کیا جائے گا احتیاط بھی یہی ہے اور اسی سے دلائل بھی آپس میں جمع ہوتے ہیں اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ جن حضرات نے حضرات صاحبینؒ کے قول پر فتویٰ کی بنیاد رکھی ہے اس کی کوئی (معقول) وجہ نہیں ہے۔

تکبیر تشریق کی بحث اور حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف نیز کبیری کی ایک اور مفصل عبارت اپنے مقام پر آگے آرہی ہے انشاء اللہ العزیز اس مقام پر جو بات عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے بھی اُدْعُوْا رَبَّکُمْ الآیۃ سے ذکر بالجہر کی ممانعت ہی سمجھی ہے اور وہ اس کو بدعت فرماتے ہیں کہ اصل اذکار میں اخفاء ہے ہاں صرف اس مقام میں جہاں شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے وہاں جہر ہوگا ورنہ عمل اصل پر ہوگا حضرت امام صاحبؒ کے اس ضابطہ کو فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، چنانچہ امام محمد بن احمد سرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۴۸۳ھ) حج وعمرہ کے موقع پر بلند آواز سے تلبیہ پڑھنے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

والمستحب عندنا فی الاذکار والدعاء

ہمارے نزدیک اذکار اور دعاء میں مستحب یہ ہے

الخفية إلّا فيما تعلق باعلانه مقصود كالاذان للاعلام والخطبة للوعظ و تكبيرات الصلوٰت لاعلام الملتحوم والانتقال والقراءة لاسماع المؤتم فالتلبية للشروع فيما هو من اعلام الدين فلهذا كان المستحب رفع الصوت به۔ (مبسوط ج ۴ ص ۶ طبع مصر)

کہ آہستہ ہوں مگر جس چیز کا اظہار و اعلان مقصود ہو جیسے اذان اعلان کے لئے اور خطبہ وعظ کے لئے اور نماز کی تکبیریں تحریمہ صلوٰۃ اور انتقال ارکان بتانے کے لئے اور قراءۃ مقتدی کے سنانے کے لئے پس تلبیہ اس چیز کے شروع کے لئے ہے جس کا دین میں اظہار مقصود ہے پس تلبیہ میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء احناف کا یہ ضابطہ ہے کہ جہاں اذکار میں مقصود اعلان و اظہار ہے مثلاً اذان و تلبیہ اور خطبہ وغیرہ تو ایسے مواقع میں بلند آواز سے پڑھنا مقصود ہے ورنہ ذکر اور دعائیں احناف کے ہاں مستحب طریقہ ہی یہ ہے کہ آہستہ ہو اور جہر نہ کیا جائے امام اکمل الدین محمدؒ بن محمود البابرتی الحنفیؒ (المتوفی ۷۸۶ھ) لکھتے ہیں۔

المستحب عندنا فی الدعاء والاذکار الاخفاء الّا اذا تعلق باعلانه مقصود كالاذان والخطبة وغيرهما والتلبية للاعلام بالشروع فيما هو من اعلام الدين فكان رفع الصوت بها مستحب (العنایۃ ج ۱ ص ۱۴۶ برحاشیہ فتح القدیر طبع مصر)

ہمارے نزدیک دعا اور اذکار میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ ہوں مگر وہاں جس کا اظہار مقصود ہو، جیسے اذان اور خطبہ وغیرہ اور تلبیہ اس چیز کے شروع کرنے کی علامت ہے جس کا اظہار دین کی نشانیوں سے ہے سو اس میں آواز بلند کرنا مستحب ہے۔

یہ حوالہ بھی اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔

حافظ ابن الہمام محمدؒ بن عبدالواحد الحنفیؒ (المتوفی ۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

والاصل فی الاذکار الاخفاء والجهر بها بدعة (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۳ طبع مصر) اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا بدعت ہے اور علامہ علاؤالدین ابوبکرؒ بن مسعود الکاسانی الحنفیؒ (۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ولان الاصل فی الاذکار هو الاخفاء الّا

اصل اذکار میں اخفاء ہے مگر اس جگہ جہاں شریعت

فیما ورد التخصیص فیہ اھ (البدائع والصنائع ج ۱ ص ۷۹ طبع مصر) — میں جہر کی تخصیص وارد ہو۔

اور حضرت مولانا عبدالحی اللکھنوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۳۰۴ھ) حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے تکبیر عیدالفطر کے بارے لکھتے ہیں کہ:۔

ولہ ان الاصل فی الذکر الاخفاء کما یدل علیہ قولہ تعالیٰ وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ الآیۃ وقد ورد الشرع بالجھر فی عید الاضحیٰ فیقتصر ذلک علی مورد ہ انتھیٰ وعمدۃ الرعایۃ ج ۱ ص ۲۴۶)

امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ اصل ذکر میں اخفاء ہے جیسا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اور ذکر کر اپنے رب کو اپنے دل میں دلالت کرتا ہے اور شریعت میں جہر عیدالاضحیٰ کے موقع پر وارد ہوا ہے اس لئے جہر اپنے مورد پر ہی بند رہیگا۔

ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ذکر کے لئے اصل قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو اور اس پر وہ قرآن کریم کی نص قطعی سے دلالت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ مقامات اس سے مستثنیٰ ہیں جہاں خود شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے اور لفظ اُدْعُوْا سے امام صاحبؒ اس کا اہم فرد ذکر مراد لے رہے ہیں جس طرح کہ حضرت ابن مسعودؓ نے بھی اس سے ذکر مراد لی ہے جن کم فہموں نے اُدْعُوْا کے لفظ سے صرف دعا سمجھی ہے اور اس سے ذکر مراد لینے والوں کو کوسا ہی نہیں بلکہ معاذ اللہ تعالیٰ محرف قرآن شریف گردانے کی ناتمام سعی کی ہے کیا وہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو بھی محرف قرآن سمجھتے ہیں ہالعیاذ باللہ تعالیٰ) اور کیا وہ دیگر مفسرین کرامؒ کو بھی یہی خطاب دیں گے، مثلاً حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ یعنی اذکروہ واعبدوہ واسئلوا منہ حوائجکم (تفسیر مظہری ج ۴ ص ۴۰۶)

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ کا معنی یہ ہے کہ تم اس کا ذکر کرو اور اس کی عبادت کرو اور اس سے اپنی حاجتیں طلب کرو۔

(ج) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ اس آیت کریمہ کی طویل تفسیر کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں:۔

ثم اجمع العلماء علی ان الذکر سرًا ھو الافضل والجھر بالذکر بدعۃ

پھر اس پر علماء کا اجماع ہے کہ ذکر آہستہ ہی بہتر ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں

الا فی مواضع مخصوصۃ مستثنیٰ
الحاجۃ فیھا الی الجھر بہ کالاذان
والاقامۃ وتکبیرات التشریق و
تکبیرات الانتقال فی الصلوٰۃ
للامام والتسبیح للمقتدی اذا ناب
نائبۃ والتلبیۃ فی الحج ونحو ذٰلک
(تفسیر مظہری ج ۳ ص ۸۴)

ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں
جن میں خصوصیت سے جہر کی حاجت پیش آئے
مثلاً اذان اور اقامت اور تکبیراتِ تشریق اور
امام کے لئے نماز میں انتقال کے لئے تکبیریں اور
جب کوئی ضرورت پیش آئے تو مقتدی کا تسبیح
کہنا اور حج میں تلبیہ اور اسی کی مانند اور مواقع۔

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ علماء اسلام کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ذکر آہستہ ہونا چاہیئے۔ اور یہی افضل ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے، ہاں جن جن مقامات میں شریعت سے ذکر بالجہر ثابت ہے مثلاً اذان وغیرہ تو وہ امور اس سے مستثنیٰ ہیں اور جو امور شرعاً مستثنیٰ نہیں وہ سب اس قاعدہ کی زد میں ہیں، اس عبارت میں جامع العلماء کے الفاظ بصراحت موجود ہیں لیکن یہ تصریح اور تعیین نہیں کی علماء سے کون بزرگ اور کس دور اور کس زمانہ کے حضرات مراد ہیں؟ لیکن حضرت قاضی صاحبؒ نے اس کی بھی تصریح فرمادی ہے اور معاملہ کو مبہم نہیں چھوڑا وہ فرماتے ہیں:۔

والاصل فی الاذکار الاخفاء والجھر بھا
بدعۃ فاذا وقع التعارض فی الجھر
یرجح الاقل ویدل علی کون ذاکر السر
افضل ومجمعا علیہ من الصحابۃؓ و
من تبعھم قول الحسنؒ ان بین دعوۃ
السر و دعوۃ العلانیۃ سبعون ضعفا
ولقد کان المسلمون یجتھدون فی
الدعاء وما یسمع لھم صوت ان کان
الا ھمسا بینھم وبین ربھم و ذٰلک ان
للہ سبحانہٗ وتعالیٰ یقول ادعوا ربکم

اور اصل اذکار میں اخفاء ہے اور جہر سے ذکر کرنا
بدعت ہے پس جب جہر کے سلسلہ میں تعارض
واقع ہو تو اقل کو ترجیح دی جائے گی اور اس پر کہ آہستہ
ذکر افضل ہے اور اس پر کہ حضرات صحابہ
کرامؓ اور تابعینؒ کا اس پر اجماع ہے دلیل حضرت
حسن بصریؒ کا یہ ارشاد ہے کہ بے شک آہستہ
دعائیں اور بلند آواز سے دعائیں ستر گنا فرق ہے
اور بلاشبہ مسلمان دعا میں کوشش کرتے تھے اور
حال یہ تھا کہ ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی ان کی دعاء
ان کے اور ان کے رب کے درمیان نہایت آہستہ

تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً وان اللہ تعالیٰ ذکر عبدًا صالحا رضی فعلہ فقال اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَاءً خَفِیًّا و ایضًا یدل علی افضل الذکر الخفی حدیث سعدؓ بن ابی وقاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیر الذکر الخفی وخیر الرزق مایکفی رواہ احمد وابن حبانؒ والبیہقیؒ فی شعب الایمان (تفسیر مظہری ج ۴ ص ۲۰۹)

ہوتی تھی اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے ایک نیک بندے (حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام) کا ذکر فرمایا جس کے فعل پر وہ راضی ہے کہ جب اس نے اپنے رب کو پکارا تو آہستہ پکارا اور نیز ذکر خفی کے افضل ہونے پر حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت بھی دلالت کرتی ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اس اجماع سے حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعینؒ کا اجماع مراد ہے اور حضرت حسن بصریؒ کے ارشاد سے ثابت ہوا کہ مسلمان نہایت کوشش اور دلجمعی کے ساتھ دعا کیا کرتے تھے لیکن ان کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی ان کی عاجزی وزاری اور مناجات جو کچھ بھی ہوتی تھی وہ صرف اپنے پروردگار کے ساتھ ہوتی تھی اور اس کی صفت عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ہے کہ وہ دلوں کے بھید بھی جانتا ہے اور آہستہ اور آہستہ تر بات کو بھی جانتا ہے تو اس کے سامنے چلانے کی کیا ضرورت ہے؟ اور آہستہ ذکر کے افضل ہونے پر اس عبارت میں علاوہ اُدْعُوْا رَبَّکُمُ الآیۃ کے دو آیتیں اور ایک حدیث اس مضمون کی مزید تاکید اور تائید میں نقل کی گئی ہیں اس حدیث کی کچھ مزید وضاحت آگے آرہی ہے انشاء اللہ العزیز، اس کے بعد آگے فرماتے ہیں:۔

فصل اعلم الذکر علیٰ ثلاث مراتب احدھا الجھر ورفع الصوت بھا وذالک مکروہ اجماعًا اِلّا اذا دعت الیہ داعیۃ واقتضتہ حکمۃ فحینئذٍ قد یکون افضل من الاخفاء کالاذان

فصل، تو جان لے کہ ذکر کے تین مرتبے ہیں پہلا مرتبہ ذکر بالجہر کا ہے اور یہ بالاجماع مکروہ ہے مگر وہاں جہاں جہر کی ضرورت پیش آئے اور حکمت بھی اس کا تقاضا کرے پس اس وقت جہر اخفاء سے بلاشبہ افضل ہے مثلاً اذان اور تلبیہ وغیرہ۔

والتلبیۃ ونحوذلک اھ (مظہری ج۳ ص۴۰۹)

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم اور مطلب کے لحاظ سے بالکل ظاہر ہے مزید تشریح کی محتاج نہیں ہے، اس کے بعد انہوں نے دوسرا مرتبہ الذکر باللسان یعنی زبان کے ساتھ ذکر کا بیان کیا ہے آگے فرماتے ہیں:۔

وثالثھا الذکر بالقلب والروح و النفس و غیرھا الذی لامدخل فیہ للسان وھو الذکر الخفی الذی لایسمعہ الحفظۃ اخرج ابو یعلیٰ عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل الذکر الخفی الذی لایسمعہ الحفظۃ سبعون ضعفًا اذا کان یوم القیمۃ اھ (مظہری ج۳ ص۴۰۹)

اور تیسرا درجہ دل، روح اور نفس وغیرہ کے ساتھ ذکر کرنا ہے کہ زبان کا اس میں کوئی دخل نہ ہو اور وہ ذکر خفی ہے جس کو اعمال لکھنے والے فرشتے بھی نہیں سنتے چنانچہ محدث ابو یعلیٰؒ نے حضرت عائشہؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ آہستہ ذکر جس کو کراماً کاتبین بھی نہیں سنتے قیامت کے دن ستر گنا بڑھا ہوا ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دل اور نفس میں جو ذکر ہوتا ہے جس میں زبان کو حرکت نہیں دی جاتی وہ بھی بتحقیق حضرت قاضی صاحبؒ وغیرہ ذکر ہے اور اس کو کراماً کاتبین بھی نہیں سنتے اس ذکر کا تعلق صرف اس ذات کے ساتھ ہوتا ہے جو علیم وخبیر اور علیم بذات الصدور ہے اور اس سے دل کے وساوس اور خطرات بھی مخفی نہیں، حضرات صوفیاء کرامؒ کے ہاں دل کی صفائی کے لئے یہ ذکر معمول بہ ہے چنانچہ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ (المتوفی فی حدود ۷۵۸ھ) حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ذکر خفی میں دم بند کر کے ذکر کرے جب تنگ ہو آہستہ سے ناک کی راہ سے سانس لے پھر منہ بند ہی رکھے ایسے اشغال سے دل صاف ہو جاتا ہے اھ (مفتاح العاشقین)

بعض کوتاہ فہم لوگوں نے ذکر بالجہر کی آہستہ ذکر پر فضیلت کے سلسلہ میں تیس وجوہ پیش کی ہیں جن میں سے بعض تو علماء کرام سے ماخوذ ہیں اور بعض کے بارے میں ان کا یہ ادعا ہے کہ القائی ہیں جو ان کے دل پر القاء ہوئی ہیں اور ان کی ترکی تیس پر ہی ختم ہو گئی ہے لیکن اس کے برعکس حضرت حسن بصریؒ (جو الامام شیخ الاسلام ثقہ حجت اور مامون تھے المتوفی ۱۱۰ھ تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۶۷) فرماتے ہیں کہ آہستہ ذکر کی ذکر بالجہر پر ستر گنا فضیلت ہے اور اوپر کی حدیث سے بھی یہ ثابت ہے۔ اب کون احمق ہوگا جو حدیث اور حضرت حسن بصریؒ

کے ارشاد کو خود تراشیدہ اور سینہ زاد القائی باتوں کے لئے چھوڑے گا؟ ایسی باتوں کے لئے یہی موزوں ہے کہ ع اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں۔ حضرت امام حسن بصریؒ کے ارشاد کہ مسلمان پوری وسعت اور ہمت سے دعا کیا کرتے تھے لیکن ان کی آواز نہیں سنی جاتی تھی اور قرآن کریم کی دو آیتوں (اُدْعُوْا رَبَّكُمْ الآیۃ اور اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَاءً خَفِيًّا) سے ذکر بالسر پر استدلال کا تذکرہ تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۴۱ طبع مصر تفسیر روح المعانی ج ۸ ص ۱۳۹ طبع مصر تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۲۱ طبع مصر اور تفسیر کبیر ج ۱۳ ص ۱۳۱ طبع مصر میں بھی موجود ہے، اور تفسیر کبیر میں یہ بھی مذکور ہے۔

الحجة الرابعة قوله عليه السلام دعوة فی السر تعدل سبعين دعوة فی العلانية وعنه عليه السلام خير الذكر الخفی وخير الرزق مايكفی اه (ج ۱۳ ص ۱۳۱)	چوتھی حجت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آہستہ ایک دفعہ کی دعا بلند آواز سے ستر مرتبہ دعا کے برابر ہے اور نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ آہستہ دعا کے بلند آواز سے دعا پر ستر گنا ثواب زیادہ ہونے پر صرف حضرت حسن بصریؒ کا قول و ارشاد نہیں بلکہ بقول امام رازیؒ اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث بھی موجود ہے اور یہ وہی حدیث ہے جس کا ذکر تفسیر مظہری کے حوالہ سے پہلے ہو چکا ہے۔

(۵) حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اس آیت کریمہ سے اخفاء دعا پر استدلال اس قدر واضح ہے کہ امام ابو عبداللہ محمد بن عمر فخر الدین الرازی الشافعی (المتوفی ۶۰۶ھ) نے فقہی مسلک کے اختلاف اور منطقی اور فلسفی ہونے کے باوجود امام صاحبؒ کے استدلال کو صرف صحیح اور درست ہی تسلیم نہیں کیا بلکہ سپر ڈال کر ان کے ہمنوا ہو گئے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

قال ابوحنيفة رحمه الله تعالىٰ اخفاء التأمين افضل وقال الشافعی رحمه الله تعالىٰ اعلانه افضل واحتج ابوحنيفة رحمه الله تعالىٰ على صحة قوله قال فی قوله آمين وجهان احدهما انه	امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ آہستہ آمین کہنا افضل ہے اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اظہار کرنا افضل ہے امام ابوحنیفہؒ نے اپنے قول کی صحت پر یوں استدلال کیا ہے کہ آمین میں دو وجہیں ہیں پہلی یہ کہ وہ دعا ہے اور دوسری یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ

دعاء والثانی انه من اسماء اللہ تعالیٰ فان کان دعاءً وجب اخفائه لقوله تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً وان کان اسما من اسماء اللہ تعالیٰ وجب اخفائهٗ لقوله تعالیٰ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً فَاِنْ لم يثبت الوجوب فلا اقل من النُّدْبِيَّة ونحن بهذا القول نقول۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۳۱ طبع مصر)

کے ناموں میں سے ہے پس اگر آمین دعا ہے تو واجب ہے کہ آہستہ پڑھی جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہو تب بھی اس کا اخفاء واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے سو اگر وجوب ثابت نہ ہو تو استحباب سے کیا کم ہوگا؟ اور ہم بھی اسی قول کے قائل ہیں۔

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ امام فخر الدین الرازیؒ کے نزدیک حضرت امام ابوحنیفہؒ کا کا دونوں آیتوں سے اس بات پر استدلال صحیح ہے کہ دعا بھی آہستہ ہو اور ذکر اللہ بھی آہستہ ہو اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ امام رازیؒ آہستہ آمین کہنے کے حق میں ہیں اور اس مسئلہ میں وہ حضرت امام ابوحنیفہ کے مسلک اور دلیل کو ونحن بهذا القول نقول کہتے ہوئے ترجیح دیتے ہیں۔

(۸) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بعد جس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء احناف کثر اللہ جماعتہم حتیٰ کہ حضرت امام رازی الشافعیؒ بھی اس آیت کریمہ سے ذکر جہر اور جہر بالدعاء کو حدود شرع سے متجاوز سمجھتے ہیں، اسی طرح مشہور غیر مقلد عالم قاضی محمد بن علی الشوکانیؒ (المتوفی ۱۲۵۰ھ) بھی بلند آواز سے دعا کرنے کو حدود شرعیہ سے متجاوز سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ اس آیت کریمہ کے آخری حصہ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

ومن الاعتداء فی الدعاء ان یسأل الداعی ما لیس له کالخلود فی الدنیا او ادراك ما هو محال فی نفسه او یطلب الوصول الی منازل الانبیاء فی الآخرة او یرفع صوته بالدعاء

اور دعا میں تجاوز کرنا یہ بھی ہے کہ دعا کرنے والا ایسی چیز کا مطالبہ کرے جو اس کو حاصل نہیں ہو سکتی مثلاً یہ کہ دنیا میں ہمیشہ رہنے کی دعا کرے یا ایسی چیز کے حاصل کرنے کی دعا کرے جو فی نفسہٖ محال ہو یا آخرت میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ

صاحب تفسیر فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۳ طبع مصر) والسلام کے درجہ کو پہنچنے کی دعا کرے یا بلند آواز سے چلا کر دعا کرے۔

آخر کے خط کشیدہ الفاظ اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل صاف اور واضح ہیں۔ غیر مقلدین حضرات کو کو بھی قاضی شوکانیؒ کا یہ حوالہ پیش نظر رکھنا چاہیئے جن کے علم و تحقیق پر وہ اعتماد کرتے ہیں۔ الغرض قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ذکر بالجہر اور بلند آواز سے دعا کرنے کی نفی کرتی ہے اور اس سے ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر استدلال ماو شما کا نہیں تاکہ اس میں کیڑے نکالے جائیں بلکہ حضرت ابن مسعودؓ اور فقیہ اُمت حضرت امام ابو حنیفہؒ اور دیگر اکابر فقہاء احنافؒ کا ہے اب جس کا جو جی چاہے کرے اور جس کی بات چاہے مانے کیونکہ ع نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا۔

حافظ ابن القیم (ابو عبداللہ محمدؒ بن ابی بکرؒ) المتوفی ۷۵۱ھ آہستہ دعا کرنے کے بارے میں دس فوائد اور حکمتیں بیان کرتے ہیں جن کا نہایت مختصر سا خلاصہ یہ ہے (۱) آہستہ دعا کرنا ایمان کی بڑی عظمت ہے (اعظم ایمانا) (۲) اس سے ادب کا بہت بڑا پہلو نمایاں ہوتا ہے (اعظم فی الادب) (۳) عاجزی اور خشوع میں یہ بہت بڑا دخل رکھتا ہے (۴) اخلاص میں اس کا بہت بڑا دخل ہے۔ (۵) اس سے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں جمعیت قلب ہوتی ہے (۶) آہستہ دعا کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کا تعلق نمایاں ہوتا ہے (۷) یہ دوام طلب کی طرف بہت داعی ہے (ادعی الی دوام الطلب) (۸) یہ خشوع کو قطع کرنے والے اسباب اور مشوشات سے بعید تر ہے۔ (۹) حاسد کے مکر سے بعید تر ہے (۱۰) دعا چونکہ ذکر ہے اور اس کا اخفاء اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے ثابت ہے لہٰذا دعا بھی آہستہ ہو۔ (ملخصاً بدائع الفوائد ج ۲ ص ۶ تا ۹)

اعتراض اور اس کا جواب:۔

مفتی احمد یار خاں صاحبؒ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ۔ اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الٰہی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تاکہ اخلاص تام ہو الخ (جاء الحق ص ۳۳۶) اس کے بعد دعا کے خفیہ افضل ہونے پر تفسیر روح البیان اور خازن کی عبارتیں نقل کی ہیں جو کہ ہماری تائید میں ہیں نہ کہ تردید میں لیکن مفتی احمد یار خاں صاحب کا یہ کہنا زی دفع الوقتی ہے، اولاً اس لئے کہ فقیہ امت حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت کریمہ سے ذکر بھی مراد لی ہے کیا ان کے نزدیک

حضرت امام صاحبؒ کا یہ استدلال صحیح ہے یا غلط؟ فیصلہ انہیں پر ہے اور کیا دعا کی طرح ذکر میں اخلاص تام مطلوب نہیں ہے؟ وثانیاً اس لئے کہ جن بعض مفسرین کرامؒ نے اُدْعُوْا کا معنی اُذْکُرُوْا سے کیا ہے مثلاً قاضی ثناء اللہ صاحبؒ وغیرہ تو مفتی صاحب اس کو کہاں لے جائیں گے؟ کیونکہ قرآن کریم کی تفسیریں اور بھی ہیں صرف روح البیان وغیرہ ہی نہیں۔ اور دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ، یا یہ مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الٰہی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی اُدْعُوْا سے مراد ذکر الٰہی ہے اور یہ امر استحبابی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے الخ (بلفظہٖ جاء الحق ص۳۳۳) اس کے بعد انہوں نے تفسیر خازن کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کر کے پھر اس کا ترجمہ کیا ہے لیکن اس کا تعلق عام عبادات اور طاعات سے ہے خصوصی طور پر ذکر سے اس کا مطابقی تعلق نہیں ہے۔ اس عبارت میں مفتی صاحب نے ایک بات تو بجا کہی کہ اُدْعُوْا سے مراد ذکر الٰہی ہے لیکن اس میں بھی انہوں نے حقیقت شناسی سے کام نہیں لیا، اولاً اس لئے کہ اس آیت کریمہ سے صرف ذکر الٰہی ہی کیوں متعین کر لیا گیا؟ اس سے ذکر دعا اور اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی حاجت طلب کرنا وغیرہ کیوں نہ مراد لی جائے کہ یہ سب پر شامل اور محتوی ہو؟ اور اہل علم جانتے ہیں کہ ذکر دعا کے معارض نہیں اور نہ دعا اور ذکر کا تضاد ہے کہ ایک کے مراد لینے سے دوسرا مراد نہ ہو سکے؟ وثانیاً اس لئے کہ امر مطلق وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ حضرت ملا جیون الشیخ احمد الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۳۰ھ) لکھتے ہیں:۔

موجب الامر الوجوب فقط عند العامۃ — کہ امر کا اثر اور حکم جو اس سے ثابت ہے اکثر کے نزدیک وجوب ہے۔ (نور الانوار ص۳۱)

مفتی صاحب کو بغیر کسی قرینہ صارفہ کے اس کو استحباب پر حمل کرنے کی کیا مصیبت پڑی ہے؟ اور پھر حضرت امام ابو حنیفہؒ بلند آواز سے ذکر کرنے کو اس آیت کریمہ کے تحت اللہ تعالیٰ کے امر کے مخالف اور بدعت کہتے ہیں یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس مقام میں امر سے مراد امر وجوب ہے نہ کہ استحباب کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا لازم آنا اور کسی چیز کا بدعت ہونا صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ امر وجوب کا ہو کیونکہ استحباب پر عمل نہ کرنے سے نہ تو اللہ تعالیٰ کی مخالفت لازم آتی ہے اور نہ چیز بدعت ہوتی ہے کما لا یخفیٰ وثالثاً مفتی صاحب نے جو یہ کہا کہ "اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے" تو یہ بھی اصول حنفیہ سے بے خبری کا نتیجہ ہے کیونکہ ان کے نزدیک

اذکار اور دعاؤں میں اصل ہی اخفاء ہے جو چیز اصل پر ہو وہ بعض اوقات کے لحاظ سے نہیں ہوتی وہ ہمہ وقت ہوتی ہے ہاں اس کے مدمقابل ذکر بالجہر میں بعض اوقات کو ملحوظ رکھا جائے گا اور وہ ایسے مقامات ہیں جہاں شرعاً جہر ثابت ہے جس کی بقدر ضرورت تفصیل اسی کتاب میں مذکور ہے۔

مؤلف ذکر بالجہر کی بوکھلاہٹ:۔

اس قطعی الدلالت آیت کریمہ سے گلوخلاصی کے لئے مؤلف مذکور نے جو مخلص تلاش کیا اور انتہائی غضب اور غصہ میں بدحواس ہو کر جو کچھ لکھا وہ بھی قابل دید ہے وہ لکھتے ہیں کہ علماء کی عبارات میں تو آپ کتر بیونت کرتے ہی تھے اب خیر سے قرآن میں بھی تحریف شروع کر دی بتلایئے سرفراز صاحب قرآن کریم کی اس آیت میں وہ کونسا لفظ ہے جس کا ترجمہ آپ نے ذکر کیا ہے، اس آیت میں دعا مانگنے کا طریقہ بتلایا ہے اور اُدْعُوْا کا ترجمہ ہے دعا مانگو آپ نے اس میں ذکر کا چور دروازہ کیسے اور کس قاعدہ کے تحت تلاش کر لیا اور آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ آپ اللہ کے کلام میں اپنی ہوس اور من مانی بدعات کی گنجائش نکال لیں، اس آیت کے تحت لکھتے وقت اگر کچھ میسر نہیں تھا تو اپنے حکیم الامت کا ترجمہ ہی دیکھ لیا ہوتا جو لکھتے ہیں تم اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو تذلل ظاہر کر کے بھی اور چپکے چپکے بھی انتہیٰ ص ۱۹۱ مطبوعہ تاج کمپنی (ذکر بالجہر ص ۵)

الجواب:۔ جناب غصہ تھوک دیجئے علم اور تحقیق کے میدان میں غصے کا کیا کام؟ معاف رکھیئے (معاذ اللہ تعالیٰ) ہم نے اس آیت کریمہ میں اُدْعُوْا کا ترجمہ ذکر کرنے کی کتر بیونت اور تحریف حضرت امام ابوحنیفہؒ بلکہ حضرت عبداللہؓ ابن مسعود فقہاء احنافؒ اور حضرت قاضی ثناء اللہ صاحبؒ سے سیکھی ہے بلکہ مفتی احمد یار خاں صاحب بھی دوسری تفسیر کے لحاظ سے ہمارے ہمنوا ہیں اور ہم نے اس چور دروازہ کو تلاش کر لیا ہے جس کو حضرت ابن مسعودؓ، حضرت امام ابوحنیفہؒ اور فقہاء احنافؒ نے ڈھونڈ نکالا ہے اور مفتی صاحب بھی اسی چور دروازہ سے داخل ہوئے ہیں معاف رکھیئے ہم نے کوئی نیا چور دروازہ نہیں تلاش کیا، اور بحمداللہ تعالیٰ ترجمہ کرتے وقت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) کا ترجمہ بھی پیش نظر تھا اور دیگر تراجم اور تفسیریں بھی جن میں سے بعض کے حوالے آپ کی ضیافت طبع کے لئے پیش کر دیئے جائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری آیت کریمہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (پ۹، الاعراف، ۲۰۴)

اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے جو پکار کر بولنے سے کم ہو صبح اور شام کے اوقات میں اور نہ ہو تو غافلوں میں سے۔

اس آیت کریمہ میں یہ حکم اور سبق دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنے دل میں اور پست آواز سے کیا جائے، حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت کریمہ سے بھی ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر استدلال کیا ہے، چنانچہ ابو حنیفہ ثانی زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم المصری الحنفیؒ (المتوفی ۹۷۰ھ) تحریر فرماتے ہیں:۔

فقال ابو حنيفةؒ رفع الصوت بالذكر بدعة ويخالف الامر من قوله تعالىٰ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ فَيَقْتَصِرُ عَلٰى مورد الشرع الخ

(بحر الرائق ج ۱ ص ۵۹ طبع مصر)

سو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے کہ تو اپنے رب کا اپنے دل میں ذکر کر عاجزی سے ڈرتا ہوا اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو پس جہر وہاں نہ ہوگا جہاں شریعت نے جہر کا حکم دیا ہے۔

پوری عبارت انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آرہی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تحقیق میں بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم اور ارشاد کے مخالف ہے اور اس آیت کریمہ میں صراحت کے ساتھ ذکر کا تذکرہ ہے اور چور دروازہ بھی کوئی نہیں ہے۔ امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفیؒ (المتوفی ۷۱۰ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ هُوَ عام في الاذكار من قراءة القرآن والدعاء والتسبيح والتهليل وغير ذلك۔

(تفسیر مدارک ج ۲ ص ۹۲ طبع مصر)

اور تو ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں کا ارشاد تمام اذکار میں عام ہے قرات قرآن دعا تسبیح اور تہلیل وغیرہ سب کو یہ شامل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کا لفظ کسی مخصوص ذکر اور ورد سے مقید نہیں بلکہ قرآن کریم کی تلاوت

وعلا سبحان اللہ اور لا الٰہ الا اللہ وغیرہ سب کے لئے یہ عام ہے۔ اس کے بعد صاحب مدارک لکھتے ہیں:۔

وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ومتكلما كلاما دون الجهر لان الاخفاء ادخل فى الاخلاص واقرب الى حسن التفكر۔ (تفسیر مدارک ج ۲ ص ۹۳)	اور جہر سے کم قول کا یہ مطلب ہے کہ ایسا کلام ہو جس میں جہر نہ ہو کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور عمدہ طریقہ سے فکر کرنے کے بھی یہ زیادہ قریب ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تلاوت ہو یا دعا، تسبیح و تہلیل ہو یا کوئی اور ذکر سب میں اخفاء مطلوب ہے کیونکہ اخلاص میں بھی اس کا زیادہ دخل ہے اور عمدہ طریقہ سے اس پر غور و فکر کرنے کا موقع بھی زیادہ حاصل ہوتا ہے، بعض مطلب پرستوں نے تفسیر مدارک کا پہلا حوالہ تو ذکر کر دیا ہے اور یہ ساتھ والا دوسرا حوالہ نہیں بیان کیا تاکہ ان کے نفسانی مسلک کی قلعی نہ کھل جائے، کیا یہ بھی کوئی علمی خدمت اور دیانت ہے؟

مشہور مفسر امام محمد بن جریر الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) اس آیت کریمہ کی تفسیر میں طویل تشریح کرتے ہوئے معروف تابعی حضرت مجاہد (بن جبر جو الامام اور الحافظ تھے المتوفی ۱۰۳ھ) کی تفسیر یوں نقل کرتے ہیں:

قال مجاهد امروا ان يذكروا فى الصدور تضرعا وخيفة۔ (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۶۶ طبع مصر)	کہ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ ان کو حکم دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے دلوں میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے ذکر کریں۔

اور الامام الحافظ عبد الملک بن عبد العزیز بن جریج (المتوفی ۱۵۰ھ) سے اس کی یہ تفسیر نقل کرتے ہیں:۔

قال يؤمرون فى الدعاء بالتضرع والاستكانة ويكره رفع الصوت والنداء والصياح بالدعاء (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۱۶۷)	کہ عاجزی اور انکساری کے ساتھ دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دعا میں آواز بلند کرنا اور چیخنا اور چلانا مکروہ ہے۔

علامہ علاؤ الدین علی بن محمد المعروف بالخازن الشافعی (المتوفی ۷۲۵ھ) وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کی تفسیر میں نقل کرتے ہیں:۔

قال مجاهد وابن جريج امروا ان يذكروه فى الصدور بالتضرع والاستكانة	حضرت مجاہد اور حضرت ابن جریج فرماتے ہیں کہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے دلوں میں عاجزی اور انکساری

دُون رفع الصوت بالدعاء (تفسیر خازن ج ۲ ص ۳۳۲ طبع مصر)

کے ساتھ اس کا ذکر کریں نہ یہ کہ دعائیں آواز بلند کی جائے۔

امام ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی الشافعی (المتوفی ۵۱۶ھ) اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ قال ابن عباسؓ یعنی بالذکر القراءۃ فی الصلوٰۃ یرید یقرأ سرًّا فی نفسہ تضرعًا وخیفۃ ای تتضرع إليّ وتخاف منی هذا فی صلوٰۃ السر وقوله ودُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اراد فی صلوٰۃ الجهر لا تجهر جهرًا شدیدًا بل فی خفض وسکون تسمع من خلفك وقال مجاهد وابن جریج امران یذکروہ فی الصدور وبالتضرع الیہ دون رفع الصوت والصیاح بالدعاء۔ (معالم التنزیل ج ۲ ص ۳۳۲ برحاشیہ الخازن)

کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ کا معنیٰ یہ ہے کہ نماز میں قرأت آہستہ کر عاجزی کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یعنی میری طرف عاجزی کرو اور مجھ سے ڈرو اور یہ سِرّی نماز کے بارے میں ہے اور دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا یہ مطلب ہے کہ جہری نماز میں جہر شدید نہ کر بلکہ آہستہ اور سکون کے ساتھ ہو کہ تو اپنے مقتدیوں کو سنا سکے اور حضرت مجاہدؒ اور حضرت ابن جریجؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کی طرف عاجزی کرتے ہوئے اپنے دلوں میں اس کا ذکر کریں نہ یہ کہ دعائیں آواز بلند ہو اور نہ چلائیں۔

اس میں حضرت ابن عباسؓ سے یہ تفسیر بھی آگئی کہ یہ آیت کریمہ نماز میں قراءت کے بارے میں ہے، سِرّی نماز میں عاجزی و زاری کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے قراءت کی جائے، اور جہری نماز میں اس قدر جہر ہو کہ پیچھے مقتدی سن لیں، یعنی ضرورت سے زیادہ جہر نہ ہو، اس سلسلہ میں بعض حضرات فقہاء احنافؒ کی بعض عبارتیں بھی ص ۸۸ میں آرہی ہیں، اور پھر اس کے بعد حضرت مجاہدؒ و حضرت ابن جریجؒ کی وہی تفسیر نقل کی جو اور حضرات مفسرین کرامؒ نقل فرما رہے ہیں۔

امام فخر الدین الرازی الشافعیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ المعنی ان یذکر ربہٗ علی وجہ یسمع نفسہ فان المراد

دُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے رب کو اس طرح یاد کرے کہ اپنے نفس کو سنا سکے

حصول الذکر اللسانی والذکر اللسانی اذا کان بحیث یسمع نفسہ فانہ یتأثر الخیال من ذلک الذکر وتأثر الخیال یوجب قوۃ فی الذکر القلبی الروحانی اھ (تفسیر کبیر ج ۱۵ ص ۱۰۸ طبع مصر)

کیونکہ مراد تو یہ ہے کہ زبانی ذکر حاصل ہو اور زبانی ذکر جب اس طرح ہو کہ اپنے نفس کو سنا سکے تو اس ذکر سے خیال متاثر ہوگا اور خیال کا متاثر ہونا قلبی و روحانی ذکر کی قوت کا موجب ہے۔

اس تفسیر میں امام رازیؒ نے جہر کی ایک نوع یا بالفاظ دیگر ادنیٰ جہر کا تذکرہ فرمایا ہے اور خود ہی اس کی تشریح بھی فرمادی کہ خود ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنا سکے اور یہی ذکر لسانی اور دُوْنَ الْجَهْرِ کا مصداق ہے اور علامہ محمدؒ بن محمد العمادی الحنفیؒ (المتوفی ۹۸۲ھ) لکھتے ہیں:۔

وھو عام فی الاذکار کافۃ فان الاخفاء ادخل فی الاخلاص واقرب من الاجابۃ (تفسیر ابو السعود ج ۲ ص ۲۲۳ طبع مصر)

یہ تمام اذکار میں عام ہے اس لئے کہ آہستہ ذکر کرنے کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

اس تفسیر میں بھی یہ بات واضح طور پر مذکور ہے کہ یہ آیت کریمہ تمام اذکار کے لئے عام ہے اور آہستہ ذکر ہی کا اخلاص اور قبولیت میں زیادہ دخل ہے۔

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں:۔

وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ ای متکلما کلاما فوق السر ودُوْنَ الْجَهْرِ اراد فی صلوٰۃ الجھر ولا تجھر جھرًا شدیدًا بل فی خفض وسکون یسمع من خلفک کذا قال ابن عباسؓ فی تفسیر الآیۃ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۵۰۹ و ص ۵۱۰)

وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا یہ مطلب ہے کہ اس انداز سے کلام کیا جائے جو آہستہ سے اوپر اور جہر سے کم ہو اور اس سے مراد جہری نماز ہے مطلب یہ ہے کہ زیادہ شدت سے جہر نہ کرو بلکہ آہستہ اور سکون سے ہو تاکہ جو تمہارے پیچھے اقتداء میں ہیں وہ سن لیں اسی طرح اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔

غور فرمائیے کہ جہری نماز میں بھی جس میں مطلوب ہی جہر ہے جہر شدید ممنوع اور ناپسندیدہ ہے حالانکہ اس میں مقتدیوں کو سنانا مقصود ہوتا ہے لیکن ایسی حد تک جہر ہو جس حد تک نماز میں شامل

مقتدی سن سکیں ضرورت سے زیادہ درست نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

وَھو عام لکل ذکر فان الاخفاء ادخل فی الاخلاص واقرب من القبول۔	یہ ہر ذکر کے لئے عام ہے کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور وہ قبولیت کے بھی قریب ہے

اور دُوْنَ الْجَھْرِ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

والمراد بالجھر رفع الصوت المفرط وبما دونہ نوع آخر من الجھر قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما ھو ان یسمع نفسہ وقال الامام المراد ان یقع الذکر متوسطا بین الجھر والمخافتۃ اھ (تفسیر روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۴ طبع مصر)	اور مراد جہر سے افراط سے آواز بلند کرنا ہے اور دُوْنَ الْجَھْرِ سے جہر کی ایک اور قسم مراد ہے حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں وہ قسم یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنا سکے اور امام صاحبؒ نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ ذکر جہر اور آہستہ کے درمیان ہو۔

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اذکار میں جہر مفرط (جن مقامات میں ثابت نہیں) مطلوب نہیں بلکہ جہر کی ایک ایسی نوع اور قسم مطلوب ہے جو جہر مفرط اور آہستہ کے درمیان ہو اور حضرت ابن عباسؓ نے اس کی تفسیر یہ بیان فرمائی کہ وہ یوں ہے کہ ذکر کرنے والا اپنے آپ کو سنا سکے الغرض دُوْنَ الْجَھْرِ میں ایسا جہر مراد نہیں کہ دوسرے لوگ سن سکیں اور ان کے مشاغل میں خلل پڑے بلکہ ایسا جہر مراد ہے (ھو ان یسمع نفسہ) کہ اپنے آپ کو سنا سکے اسی کو بعض حضرات نے جہر کے ادنیٰ درجہ سے تعبیر کیا ہے اور اسی کو بعض دیگر حضرات نے بالسر کے ساتھ تعبیر کر دیا ہے، مقصود دونوں قسم کے بزرگوں کا صرف ایک ہے البتہ تعبیر جدا جدا ہے ع

آخر کو ہم دونوں درِ جاناں پہ جا ملے

حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ نواسہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ المتوفی ۱۲۳۹ھ) سوال و جواب کی صورت میں اس مسئلہ کو واضح کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

سوال ہفتاد و پنجم ذکر جہر در شرع جائز است یا گناہ کدام گناہ۔ جواب:۔ ذکر جہر در مذہب حنفیہ بدعت است مگر جائیکہ دراں ذکر جہر آمدہ مثل اذان وغیرہ دراں بدعت نیست و ماسوائے آں بدعت است۔ قال فی فتح القدیر و الاصل فی الاذکار الاخفاء والجھر بھا بدعۃ انتھی جائیکہ بدعت را مطلق گذارند بدعت سیئہ مراد می باشد چنانچہ از عبارات کتب فقہ معلوم می شود و فی غایۃ البیان شرح الھدایۃ فی تعلیل مذھب ابی حنیفۃ لان الجھر بالتکبیر بدعۃ لقولہ تعالیٰ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً انتھی قال فی الکفایۃ شرح الھدایۃ ان الجھر بالتکبیر بدعۃ وفی البحر ان الجھر بالتکبیر بدعۃ فی کل وقت الا فی المواضع المستثناۃ وصرح قاضیخان فی فتاوٰہ بکراھۃ الذکر جھرًا وتبعہ علیٰ ذالک صاحب المصفّٰی وفی فتاوٰی العلّامیّۃ ویمنع الصوفیۃ من رفع الصوت والصفق وصرح فی بحریۃ المغنی فی شرح التحفۃ ومنع علی من یفعلہ مدعیا انہ من الصوفیۃ وفی البرھان شرح موا ھب الرحمٰن

پنجھترواں سوال۔ کیا ذکر بالجہر شریعت میں جائز ہے یا ناجائز؟ یا گناہ ہے؟ اور کونسا گناہ ہے؟ الجواب ذکر بالجہر مذہب حنفیہ میں بدعت ہے مگر اس جگہ جہاں ذکر بالجہر کا حکم آیا ہے مثلاً اذان وغیرہ کہ اس میں آواز بلند کرنا بدعت نہیں اور اس کے علاوہ بدعت ہے فتح القدیر میں ہے کہ اذکار میں اصل اخفاء ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے ان کی بات ختم ہوئی جس مقام پر حضرات فقہاء کرام بدعت کو مطلق چھوڑتے ہیں، اس مقام میں بدعت سے سیئہ مراد ہوتی ہے۔ چنانچہ فقہی عبارات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور ہدایہ کی شرح غایۃ البیان میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کی دلیل اور علت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو ان کی بات ختم ہوئی اور ہدایہ کی شرح کفایہ میں ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے اور بحر الرائق میں ہے کہ تمام اوقات بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جہاں شرعًا استثناء آئی ہے اور امام قاضی خانؒ نے اپنے فتاوٰی میں تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور مصنف المصفّٰی نے بھی ان کی پیروی کی ہے اور فتاوٰی العلّامیہ میں ہے کہ صوفیاء کو آواز بلند کرنے اور

رفع الصوت بالذکر بدعة لمخالفة قولہ تعالیٰ وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الذکر الخفی فیقتصر فیہ علی مورد الشرع وقد ورد فی الاضحیٰ کذا فی رسالۃ محمد عابد الاسدی الانصاری وآنچہ در بعضے احادیث ذکر جہر ثابت شد بغیر مواضع مقرر بنا بر تعلیم است چنانچہ در شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری تصریح کردہ است من شاء فلینظر انتہیٰ دمأتہ مسائل ص ۹۴ و ص ۹۵ و ص ۹۶ طبع مصطفائی محمد حسین خان ۱۳۸۳ھ)

تالیاں بجانے سے منع کیا جائے گا اور تحفہ کی شرح بحر یۃ المغنی میں ہے کہ جو لوگ صوفی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کو اس کارروائی سے روکا جائے گا اور برہان شرح مواہب الرحمٰن میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے اور تو اپنے رب جل جلالہٗ کو اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے یاد کر اور ایسی آواز سے ذکر کر جو پکار کر بولنے سے کم ہو اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو تو بلند آواز سے ذکر اسی مورد پر بند ہوگا جہاں وارد ہوا ہے اور بلاشبہ عید الاضحیٰ کے موقع پر جہر آیا ہے اسی طرح علامہ محمد عابد الاسدی الانصاری کے رسالہ میں آیا ہے اور جن بعض احادیث سے ان جگہوں کے علاوہ جہر ثابت ہوتا ہے جن میں جہر مقرر ہوا ہے تو وہ تعلیم پر محمول ہے جیسا کہ حضرت ملا علی القاری نے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس کی تصریح فرمائی ہے جس کا جی چاہے اس کو دیکھ لے۔

حضرت شیخ احمد المعروف بہ ملا جیونؒ لکھتے ہیں:۔

قولہ تعالیٰ وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ علمۃ فی الاذکار من قرأۃ القرآن والدعاء والتسبیح والتہلیل وغیر ذلک ای واذکر ربک فی نفسک ای ذکر کان تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً متضرعًا وخائفًا وَدُوْنَ الْجَهْرِ

کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تو اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کر تمام اذکار کو شامل ہے قرأۃ قرآن دعا تسبیح اور تہلیل وغیرہ اور مطلب یہ ہے کہ اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں کر جو نسا ذکر بھی ہو عاجزی کرتے اور ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم قول کا یہ معنیٰ ہے کہ ایسا

مِنَ الْقَوْلِ ومتکلما کلاما دون الجهر
لان الاخفاء ادخل فی الاخلاص واقرب
الی حسن التفکر بالغدو والآصال
لفضل هذین الوقتین او هو کنایة
عن الدوام وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝
الذین یغفلون عن ذکر الله هکذا
قالوا ولا یخفی ان الآیة تدل علی افضلیة
الذکر الخفی کله ولهذا قال بعض اهل
السلوك ان الذکر الخفی عزیمة والجهر
بدعة او مباح وعند البعض الجهر
اصل وهذا بحث مختلف فیه
بین الانام فی زماننا ولا طائل تحته
اذ المقصود للکل الوصول الی الله
تعالی باتی طریق کان وقال صاحب الهدایة
ان الجهر بالتکبیر بدعة الا ان للامام
فی الصلوٰة وایام التشریق وهذا
بالاتفاق وقالوا ان الاخفاء بالدعاء
اسرع اجابة بدلیل قوله تعالٰی اِذْ
نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا وقوله تعالٰی
اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وهذا
ایضًا بالاتفاق۔ (التفسیرات
الاحمدیة ص۲۸۱ طبع علیمی دهلی)

کلام ہو جس میں جہر نہ ہو کیونکہ اخفاء کا اخلاص میں زیادہ
دخل ہے اور یہ حسن تفکر کے بھی زیادہ قریب ہے صبح
اور شام کا اس لئے خصوصیت سے ذکر کیا ہے کہ
ان دونوں وقتوں میں ذکر کی فضیلت زیادہ ہے
اور یا یہ دوام سے کنایہ ہے اور نہ ہو تو غافلوں میں
سے یعنی ان لوگوں سے جو اللہ تعالٰی کے ذکر سے
غافل ہیں۔ اسی طرح حضرات مفسرین کرامؒ نے کہا
ہے لیکن مخفی نہ رہے کہ یہ آیت کریمہ ذکر خفی کے افضل
ہونے پر دلالت کرتی ہے اور اسی لئے بعض اہل
سلوک نے کہا ہے کہ آہستہ ذکر عزیمت ہے اور
بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت یا مباح ہے اور بعض
کے نزدیک جہر اصل ہے اور یہ بحث ہمارے زمانہ
میں لوگوں میں مختلف فیہ چل آرہی ہے لیکن
اس میں کوئی فائدہ نہیں کیوں کہ مقصود سب کا
وصول الی اللہ ہے جس طریقہ سے بھی ہو اور صاحب
ہدایہ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت
ہے مگر امام کے لئے نماز میں اور ایام تشریق میں
اور اس پر سب کا اتفاق ہے اور اکابر نے فرمایا
ہے کہ آہستہ دعا بہت جلدی قبول ہوتی ہے
اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد اس کی دلیل ہے کہ جب
اس (یعنی حضرت زکریا علیہ السلام) نے اپنے
رب کو آہستہ پکارا اور نیز اللہ تعالٰی کا یہ ارشاد
کہ تم اپنے رب کو پکارو عاجزی سے اور ڈرتے

ہوئے اور اس پر بھی سب کا اتفاق ہے۔

ان بعض اہل سلوک کا مسلک اور اس کی بحث اپنے مقام پر آرہی ہے انشاء اللہ العزیز دیگر اکثر اہل سلوک اور جمہور حضرات فقہاء کرامؒ کا مسلک آہستہ ذکر کرنے کا ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ کو چھوڑ کر کوئی معتبر فقیہ بھلا جا بھی کہاں سکتا ہے؟

کاش کہ حضرت جیونؒ اس وقت موجود ہوتے اور لاؤڈ سپیکروں پر ذکر بالجہر کا دن رات شور و غل سنتے تو پھر اس کو وہ وصول الی اللہ تعالیٰ کا طریقہ بتاتے تو پتہ چلتا؟

اس کے علاوہ بھی قرآن کریم کی متعدد آیات آہستہ ذکر پر صراحت سے دلالت کرتی ہیں مگر ہمارا مقصد تمام دلائل کا استیعاب نہیں اور نہ یہ امر ہمارے حیطۂ امکان میں ہے ہم تو صرف اپنے مسلک کو مبرہن اور مدلل کرنا چاہتے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی مذکورہ آیات سے یہ بات بالکل عیاں ہو گئی ہے۔

باب دوم

حدیث شریف

قرآن کریم کے بعد اہلِ اسلام کے ہاں حدیث شریف کا درجہ ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آہستہ ذکر کرنے کے ثبوت میں بعض حدیثیں بھی عرض کردیں تاکہ مسئلہ کی حقیقت ماننے والوں کے لئے کھل کر سامنے آجائے اور نہ ماننے والوں کے لئے تو قطعی دلیل بھی کارآمد نہیں۔

پہلی حدیث

حضرت ابوموسیٰ (عبداللہ بن قیس الاشعریؓ (المتوفی ۵۰ھ) روایت کرتے ہیں کہ:۔

لما غزا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبرا وقال لما توجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشرف الناس علیٰ وادٍ فرفعوا اصواتھم بالتکبیر اللہ اکبر اللہ اکبر فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربعوا علی انفسکم انکم لا تدعون اصمّ ولا غائبا انکم تدعون سمیعا قریبا وھو معکم (الحدیث) (بخاری ج۲ ص۶۰۵ واللفظ لہٗ ومسلم ج۲ ص۳۴۶ ومسند احمد ج۴ ص۳۹۴)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر کے لئے نکلے یا یہ کہا کہ آپ متوجہ ہوئے تو لوگ ایک میدان میں پہنچے سو انہوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر اللہ اکبر کہنا شروع کیا اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو بیشک تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے تم اس ذات کو پکارتے ہو جو سننے والی اور قریب ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔

اس صحیح اور صریح روایت سے معلوم ہوا کہ (بجز مستثنیٰ مواقع کے) بلند آواز سے تکبیر اور ذکر

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پسند نہیں اور اسی لئے آپ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو اس سے منع فرمایا ہے چنانچہ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام محی الدین ابوزکریا شرف الدین النووی الشافعیؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:-

ففیہ الندب الی خفض الصوت بالذکر اذا لم تدع حاجۃ الی رفعہ فاذا خفضہ کان ابلغ فی توقیرہ وتعظیمہ فان دعت حاجۃ الی الرفع رفع کما جاءت بہ احادیث انتھی (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۴۶)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب جہر کی کوئی ضرورت پیش نہ آئے تو ذکر میں آواز پست رکھنی چاہیئے۔ کیونکہ آہستہ آواز اس کی توقیر وتعظیم پر زیادہ دلالت کرتی ہے ہاں اگر بلند آواز سے ذکر کرنے کی ضرورت پیش آئے تو پھر آواز بلند کرنی چاہیئے جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔

یہ عبارت بھی واضح ہے کہ جہاں کوئی شرعی حاجت اور اجازت ہو تو وہاں کا معاملہ ہی الگ ہے ورنہ ذکر اور دعا میں آواز کو پست رکھنا ہی شرعاً پسندیدہ امر ہے حاجت اور اجازت کے مقامات آگے آرہے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ، علامہ بدرالدین محمودؒ بن احمد العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:-

لان حاصل المعنی فیہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کرہ رفع الصوت بالذکر والدعاء اھ (عمدۃ القاری ج ۱۴ ص ۲۴۴ طبع مصر)

کیونکہ اس کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلند آواز سے ذکر اور دعا دونوں کو مکروہ سمجھا ہے۔

علامہ عینیؒ نے اس عبارت میں تصریح فرمادی ہے کہ ذکر اور دعا دونوں میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو مکروہ سمجھا ہے اور اسی وجہ سے آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلند آواز سے ذکر اور دعا کو مکروہ قرار دیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ حضرات سلف صالحینؒ نے اس کو مکروہ نہ سمجھا ہو یہی وجہ ہے حافظ ابوالفضل احمدؒ بن علیؒ بن حجرؒ عسقلانی الشافعیؒ (المتوفی ۸۵۲ھ) اس حدیث کی شرح میں نقل کرتے ہیں:-

قال الطبری فیہ کراھیۃ رفع الصوت بالدعاء والذکر وبہ قال عامۃ السلف من الصحابۃ والتابعین (فتح الباری ج ۱۱ ص ۱۵۷)

امام طبریؒ نے فرمایا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ بلند آواز سے دعا اور ذکر کرنا مکروہ ہے اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ میں اکثر سلف اسی کے قائل تھے۔

غور فرمائیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلند آواز سے دعا اور ذکر کو مکروہ سمجھیں اور جمہور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ بھی اس کو مکروہ سمجھیں تو پھر بجز ان مواقع کے جہاں شرعاً جہر کی اجازت اور گنجائش ہے اور کسی موقع پر کون جہر بالذکر والدعاء کو جائز اور مباح سمجھ سکتا ہے؟

مؤلف ذکر بالجہر کی راہِ فرار

مؤلف ذکر بالجہر نے ص ۵۴ میں اس حدیث کے سات جوابات دیئے ہیں۔ ہم انہیں کے الفاظ میں ان کو نقل کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

الجواب:۔ اولاً یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرمانِ مبارک سے نہ تو مطلقاً جہر کی ممانعت فرمائی ہے اور نہ جہر متوسط کی (ومن ادعیٰ فعلیہ البیان) بلکہ اس فرمان سے جہر مفرط کی نہی فرمائی، چنانچہ مولوی رشید احمد گنگوہی کہتے ہیں قال علیہ السلام اربعوا علی انفسکم الحدیث اور یہ بھی ذکر جہری ہے رفق کو فرمایا گلو پھاڑنے سے منع کیا ہے اور مطلق آیات واحادیث بہت جواز پر دال ہیں فقط واللہ تعالیٰ اعلم رشید احمد گنگوہی (فتاویٰ رشیدیہ کامل ص ۲۱۳) ثانیاً چونکہ دوسرے دلائل سے جہر متوسط ثابت ہے لہٰذا اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ جہر کے ذریعہ اپنے آپ کو مشقت اور ہلاکت میں نہ ڈالو جیسا کہ اربعوا علیٰ انفسکم اس پر قرینہ ہے۔ ثالثاً اس طرح جہر نہ کرو جیسے کوئی بہرے سے گفتگو کرتے وقت جہر کرتا ہے اور اس پر انکم لا تدعون اصم قرینہ ہے رابعاً اس طرح جہر نہ کرو جیسے کوئی گمشدہ شخص کو ڈھونڈنے کے لئے پکارتا ہے اور چلاتا ہے اور اس پر ولا غائبا قرینہ ہے خامساً اس طرح جہر نہ کرو جس سے یہ معلوم ہو کہ تم اللہ کو سنانے کے لئے جہر کر رہے ہو اور تمہارے چلائے بغیر وہ نہیں سن سکتا اس پر انکم تدعون سمیعاً قرینہ ہے۔ سادساً اس طرح سے جہر نہ کرو جس سے یہ ظاہر ہو کہ خدا تم سے دور ہے اور تم چلا کر دور اپنی آواز پہنچا رہے ہو اور اس پر قریباً وھو معکم قرینہ ہے۔ سابعاً یہ فرمان اس صورت پر محمول ہے کہ جب جہر سے کوئی دینی ضرر لاحق ہو۔ چنانچہ علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنگ کے

موقع پر اس فرمان کے ذریعہ جہر سے روکا تھا تاکہ مسلمانوں کی آواز سن کر کفار کو ان کے مقام اور موجودگی کا علم نہ ہو جائے اھ۔

الجواب: مؤلف مذکور نے یہ جو کچھ لکھا ہے ان کو سود مند نہیں ہے اوّل تو اس لئے کہ اس حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہر مفرط سے نہی نہیں فرمائی بلکہ مطلق جہر سے نہی فرمائی ہے جیسا کہ امام نوویؒ علامہ عینیؒ اور امام طبریؒ کی عبارات اس پر دال ہیں اور یہی مطلب حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور سلف صالحینؒ سمجھے ہیں گذر چکا ہے کہ جب وہ دعا کرتے تھے تو ان کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی اور اس جہر میں متوسط بھی شامل ہے اس سے جہر متوسط کو خارج کرنا اور ہم سے بیان کا مطالبہ کرنا بے سود ہے بلکہ قطعی طور پر جہر متوسط ثابت کرنے والے پر اس کا بیان لازم ہے (ومن ادعیٰ فعلیہ البیان بالبرھان) پھر انہوں نے نقل میں علمی خیانت کا ارتکاب بھی کیا ہے اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی پوری عبارت نقل نہیں کی جس سے بات صاف ہوتی ہے پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:۔

سوال: ذکر جہر مذہب حنفیہ میں جائز ہے یا نہیں مدلل ارقام فرمائیے۔

الجواب: ذکر جہر میں حنفیہ کی کتب میں روایات مختلفہ ہیں کسی سے کراہت ثابت ہوتی ہے غیر محل ثبوت میں اور بعض سے جواز ثابت ہوتا ہے اور یہی راجح ہے اور اس کی دلیل طلب کرنا بے سود ہے کیونکہ مجتہدین کا خلاف ہے۔ سو اب کون فیصلہ کر سکتا ہے مگر جواز کی دلیل یہ ہے کہ قال اللہ تعالیٰ اُذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ الآیۃ دُوْنَ الْجَهْرِ بھی جہر ہی ہے کہ ادنیٰ درجہ ہے قال علیہ السلام اربعوا علیٰ انفسکم الحدیث الخ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۵۴ طبع جید برقی پریس دہلی) حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اس عبارت میں ذکر جہر کے بارے میں فقہاء حنفیہ کے اختلاف کا ذکر بھی کیا ہے اور یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ آیت سے جو جہر ثابت ہے (وہ جہر مفرط اور جہر متوسط نہیں بلکہ) وہ جہر کا ادنیٰ درجہ ہے اور چونکہ یہ باتیں مؤلف مذکور کے نظریہ کے خلاف تھیں اس لئے یہ ساری عبارت ہی وہ پی گیا ہے اور مفید مطلب جملے اڑا لے ہے جہر اور سر کے معنی کی تعیین کے بارے میں خود خاصا اختلاف ہے کچھ ضروری عبارتیں عنقریب آرہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ مشہور امام ابوالحسن عبیداللہؒ بن حسین الکرخی الحنفیؒ (المتوفی ۳۴۰ھ) فرماتے ہیں:۔

وقال الکرخی ادنیٰ الجھر ان یسمع نفسہ اھ — کہ ادنیٰ جہر یہ ہے کہ بولنے والا اپنے آپ کو سنائے۔
(ہدایہ ج ۱ ص ۹۸)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوا کہ ادنیٰ جہر کا یہ معنیٰ ہے کہ آدمی خود اپنے آپ کو سنا سکے، فرمائیے اس جہر کا جہر مفرط اور جہر متوسط سے کیا تعلق ہے؟ اور اس معنیٰ میں اس آیت کریمہ کو ذکر بالجہر کی دلیل بنائیں جیسا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا ہے یا اس کو ذکر بالسر کی دلیل بنالیں جیسا کہ سراج الامت حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے ان میں کیا فرق نکلے گا؟ اور اس سے کیا تفاوت پڑے گا؟ کیونکہ مآل دونوں کا ایک ہی ہے اس میں اگر نزاع ہے تو صرف لفظی ہے اور فرق صرف تعبیر کا ہے، شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

عبارتنا شتّٰی وحسنك واحد ۔ وکل الی ذالك الجمال یشیر؟

امام شمس الدین قہستانی الحنفیؒ (المتوفی ۹۵۳ھ) ادنیٰ جہر کا یہ معنیٰ کرتے ہیں کہ اگر امام ہو تو اس کا ادنیٰ جہر یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی اور بھی سن لے اور اگر منفرد ہے تو اس کے حق میں ادنیٰ جہر یہ ہے کہ خود اپنے آپ کو سنا سکے آگے لکھتے ہیں کہ:۔

فلو اسمع اثنین کان من اعلی الجهر کما فی الخزانة اهـ	اگر اس نے دو آدمیوں کو سنایا تو وہ اعلیٰ جہر میں شمار ہوگا جیسا کہ "خزانہ" میں لکھا ہے۔

اور اس سے قبل لکھتے ہیں:۔

لکن فی سهو المبسوط والکرمانی وغیرهما ان جهر المنفرد اسماع نفسه اهـ (جامع الرموز ج ۱ ص ۱۴۴)	لیکن مبسوط کے باب السہو اور کرمانی وغیرہ میں لکھا ہے کہ منفرد کا جہر یہ ہے کہ خود اپنے نفس کو سنائے۔

حضرات فقہاء کرامؒ کی یہ صریح عبارات ملاحظہ کر کے جہر غیر مفرط اور ادنیٰ جہر وغیرہ کے الفاظ سے دھوکہ کھانے یا دینے والوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کیونکہ حضرات فقہاء کرامؒ جس کو ادنیٰ جہر وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں وہی آہستہ اور سر کا معنیٰ ہے۔

فائدہ: حضرت مولانا گنگوہیؒ کی عبارات میں جہاں بھی ذکر بالجہر کے جواز کا ثبوت آتا ہے اس سے ان کی صریح عبارت کے پیش نظر ادنیٰ درجہ جہر کا ہی مراد ہے ان کی مرضی کے خلاف کوئی شخص جہر مطلق یا جہر متوسط پر حمل کرے گا تو یہ توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کا مصداق ہوگا۔ جو اہل علم اور اہل انصاف کے نزدیک قابل التفات نہیں اور حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اس صراحت کے پیش نظر حضرات فقہاء احنافؒ کے باہمی اختلاف میں بھی تطبیق کی صورت بھی پیدا ہو جاتی ہے وہ یوں کہ جن حضرات

نے ذکر بالجہر کو مکروہ کہا ہے وہ ان مقامات میں ہے جہاں شرعاً ثابت نہیں اور اس جہر سے جہر مفرط اور جہر متوسط دونوں مراد ہوگی جس سے مثلاً نمازیوں، بیماروں، مطالعہ کرنے والوں اور سونے والوں کو تکلیف اور اذیت ہوتی ہو اور جن حضرات نے جہر کی اجازت دی ہے وہ ادنیٰ جہر مراد ہے جس کو ذاکر خود سن لے اور کسی دوسرے کو کوئی اذیت اور تشویش لاحق نہ ہو اور انہوں نے ترجیح بھی اسی قول کو دی ہے علمی طور پر اس تطبیق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، مؤلف ذکر بالجہر نے اس حدیث سے گلو خلاصی کے سلسلہ میں جو دوسری تیسری، چوتھی، پانچویں اور چھٹی وجہ بیان کی ہے۔ وہ ہماری تائید میں ہے نہ کہ تردید میں اور ان تمام وجوہ سے ایسے ذکر بالجہر کی ممانعت ثابت ہے جو لوگوں کی اذیت کا موجب ہو اور ان وجوہ سے آہستہ ذکر کا ثبوت ملتا ہے، نادانی سے مؤلف مذکور ان کو اپنی تائید سمجھے یا لفظی شعبدہ بازی سے اپنے نفس کو خوش کرے تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے، اس سے حقیقت نہیں بدلتی جیسا کہ اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں ہے ہاں البتہ ساتویں توجیہ قابل غور ہے بعض شراح حدیث اور حضرات فقہاء کرامؒ نے اس کا ذکر کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرامؓ کو اس لئے آہستہ ذکر کرنے کی تلقین فرمائی تھی کہ بلند آواز سے ذکر کرنے اور تکبیر کہنے کی وجہ سے دشمنوں کو مسلمانوں کی موجودگی یا ان کی پوزیشن اور مقام کا علم نہ ہو جائے اور دشمن ان کے لئے کوئی شر اور فتنہ نہ کھڑا کر دیں، لیکن اس حدیث کے الفاظ کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ توجیہ دور از کار ہوتی ہے۔ اولاً اس لئے کہ اس حدیث میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں جو صراحت سے اس پر دال ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان اس لئے تھا کہ دشمنوں کو اطلاع نہ ہو جائے بلکہ اس کے برعکس اس میں جہر کی نہی کی صریح علتیں موجود ہیں کہ تم اپنے نفوس پر نرمی کرو۔ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے۔ تم تو ایسی ذات کو پکار رہے ہو جو سمیع اور قریب ہے، اور وہ ذات (اپنی قدرت علم اور ذات کے لحاظ سے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے) تمہارے ساتھ ہے لہٰذا اس حدیث میں ان تمام صریح علتوں کو ترک کر کے کیوں ایک بیرونی اور خارجی علت تلاش کی جائے اور اس کی آخر ضرورت اور حاجت بھی کیا ہے؟ وثانیاً اگر اس حدیث میں کوئی ایسی تصریح موجود ہوتی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ یہ نہی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محاذ جنگ پر پہنچنے کے بعد فرمائی تھی تاکہ مجاہدین اسلام کی بلند آواز سے تکبیر اور ذکر سن کر دشمنوں کو خبر نہ ہو سکے تو پھر یہ توجیہ درست اور معقول ہوتی مگر اس حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں

بلکہ اس میں یہ صراحت موجود ہے کہ یہ واقعہ راستہ اور سفر کا ہے یہ روایت صرف بخاری شریف میں پانچ جگہ آتی ہے ایک مقام کا باحوالہ ذکر اوپر ہو چکا ہے اس میں یہ آتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیبر کے غزوہ کے لئے روانہ ہوئے یا متوجہ ہوئے اور جب ایک میدان میں پہنچے تو حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنی آواز بلند کی الخ (ج ۲ ص ۶۰۵) اور ایک روایت میں آتا ہے حضرات صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ سفر میں تھے جب ہم کسی بلندی پر چڑھتے (علونا) تو تکبیر کہتے الخ (ج ۲ ص ۹۴۴ و ج ۲ ص ۱۰۹۹) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک گھاٹی میں چلنا شروع کیا جب اس گھاٹی پر ایک اور آدمی چڑھا تو اس نے آواز بلند کی الخ (ج ۲ ص ۹۴۸) اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ہم آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے۔

فجعلنا لا نصعد شرفًا ولا نعلو شرفًا ولا نهبط واديا الا رفعنا اصواتنا بالتكبير اھ (ج ۲ ص ۹۷۸)

تو ہم شروع ہو گئے کہ کسی ٹیلے پر نہیں چڑھتے تھے اور نہ کسی وادی میں اترتے تھے مگر بلند آواز سے تکبیر پڑھتے تھے۔

یہ صریح روایتیں صاف طور پر یہ بتاتی ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہنے اور ذکر کرنے کی نہی کا واقعہ خیبر میں پیش نہیں آیا تھا بلکہ یہ راستے کا واقعہ تھا اور خیبر مدینہ طیبہ سے دو سو میل دور ہے (سیرت النبی ج ۲ ص ۴۳۶) اور اس وقت راستہ میں کوئی ایسا زور آور اور طاقت ور دشمن تاریخی طور پر ثابت نہیں جس کے شر سے بچنے کے لئے تقریباً سولہ سو (۱۶۰۰) کے اس اسلامی لشکر اور جان نثاروں کو کوئی خطرہ درپیش ہوتا جس کے لئے تکبیر اور ذکر کے موقع پر اس خطرہ کی وجہ سے آواز پست کرنا ضروری ہوتا اس لئے یہ توجیہ محض ایک مرجوح احتمال ہے اور علمی و تحقیقی لحاظ سے اس کا چنداں وزن نہیں ہے وثالثاً جن اکابر حضرات نے یہ توجیہ بیان اور پسند کی ہے اور فی نفسہ ذکر بالجہر کو جائز اور نہی کو خارجی امر یعنی دشمنوں کی اطلاع پر محمول کیا ہے تو انہوں نے اس کی بھی تصریح کی ہے۔

فان كان في جهره اضرار باحد مثلاً كره والا لا (كوكب الدرى ج ۲ ص ۲۹۷)

کہ اگر ذکر بالجہر کی وجہ سے مثلاً کسی کو تکلیف ہوتی ہو تو پھر مکروہ ہے ورنہ نہیں۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ جو حضرات اس مذکور حدیث کی یہ بالا توجیہ کرتے ہیں وہ اس امر کا بھی اقرار کرتے ہیں کہ ذکر بالجہر اس وقت جائز ہے جب کسی کو اس سے ضرر اور تکلیف نہ ہوتی ہو

مثلاً کسی کی نماز، تلاوت، مطالعہ اور نیند وغیرہ میں خلل نہ پڑتا ہو، اگر خلل پڑتا ہو تو ان کے نزدیک بھی ذکر بالجہر مکروہ ہے، اور حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات سے (جو اس کتاب میں موجود ہیں) اس کراہت کا کراہتِ تحریمی ہونا ظاہر اور واضح ہے۔

دوسری حدیث: حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فاتح ایران (المتوفی ۵۵ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی (مسند احمد ج ۱ ص ۱۷۲ وموارد الظمآن ص ۵۴۷ والبیہقی فی شعب الایمان کذا فی التفسیر المظہری ج ۳ ص ۴۰۹)

بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو ضروریات میں کفایت کرے۔

امام جلال الدین سیوطی الشافعیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۸ طبع مصر) اور علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں باسناد صحیح (السراج المنیر ج ۲ ص ۲۶۲ طبع مصر) اس صحیح روایت سے بھی معلوم ہوا کہ آہستہ ذکر کی بلند آواز سے ذکر کرنے پر بڑی فضیلت ہے اگر ذکر بالجہر جائز اور مشروع بھی ہو تب بھی درجہ اور رتبہ کے لحاظ سے آہستہ ذکر اس سے بڑھا ہوا ہے جیسا کہ یہ واضح اور صحیح حدیث اس کی دلیل ہے۔ ہاں جہاں شرعاً جہر مطلوب ہے اس کا معاملہ ہی جدا ہے۔

تیسری حدیث: مشہور ثقہ تابعی حضرت قیسؒ بن عبادؒ (المتوفی ۸۰ھ) سے روایت ہے کہ:۔

کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یکرھون الصوت عند ثلاثۃ الجنائز والقتال والذکر ——— وقد ذکر الحسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یکرہ رفع الصوت عند ثلاثۃ عند قرأۃ القرآن وعند الجنائز وعند الزحف (السیر الکبیر للامام محمدؒ مع شرح السرخسی ج ۵ ص ۸۹)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرامؓ تین جگہوں میں آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے۔ جنازہ۔ لڑائی اور ذکر کے وقت ———

اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تین مواقع پر آواز بلند کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے، تلاوت قرآن، جنازہ اور قتال کے وقت۔

یہ روایت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے لحاظ سے واضح ہے، اس سلسلہ کی اور بھی بعض احادیث ہیں مثلاً ایک مرسل روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے قرآن کریم کی تلاوت کے موقع پر بیہودگی کرنا اور دعاء کے وقت آواز بلند کرنا اور نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا (الجامع الصغیر ج۱ ص۷۱ والسراج المنیر ج۱ ص۳۹۴) مگر ہمارا مقصد دلائل و براہین کا استیعاب نہیں اور نہ یہ ہمارے بس کی بات ہے صرف اپنے دعویٰ کو مبرہن کرنا ہے سو بحمد اللہ تعالیٰ ان دلائل سے ہمارا مدعیٰ مبرہن اور مدلل ہو چکا ہے۔

قارئین کرام! آپ ان صریح اور ٹھوس حوالوں سے بخوبی یہ معلوم کر چکے ہیں کہ تبلیغ اور تعلیم و تدریس کے موقع کے علاوہ شریعت بغیر کسی ضرورت کے محض تلاوت قرآن کریم کو بھی بلند آواز سے پسند نہیں کرتی حالانکہ قرآن کریم کی تلاوت اپنے درجہ میں بہترین عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ سے سرگوشی اور ہمکلام ہونے کا زرّین موقع ہے تو اس سے آپ آسانی کے ساتھ اس کو سمجھ سکتے ہیں کہ ہو حق کی آوازیں بلند کرنا اور پھر مسجدوں میں اور جماعتی شکل میں اس کو شریعت کیسے پسند کر سکتی ہے؟ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) نے ایسے ہی موقع کیلئے کیا ہی خوب ارشاد فرمایا ہے غور سے ملاحظہ فرمائیں،

حضرت مساجد میں ذکر جہری کے بارے میں ایک سوال کا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

سوال صوفیاء کرامؒ جو بعد نماز مغرب مساجد میں حلقہ کرتے ہیں اور کودتے چلاتے ہیں اور ہو حق کرتے ہیں کہ جس سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں اور مسجد میں شور و غل پڑ جاتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اشعار وغیرہ توحید اور ذوق و شوق کے پڑھے جاتے ہیں یہ جائز ہے یا نہیں؟ **جواب** بعض علماء نے (جن کے اسی کتاب میں آگے حوالے آرہے ہیں۔ صفدر) مسجد میں رفع صوت کو اگرچہ بذکر ہو مکروہ لکھا ہے لہٰذا مسجد میں اس کا نہ ہونا مستحسن ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ تماشا گاہ عوام ہو جاوے یا مسجد کا نقصان ہو اگرچہ ذکر بجہر (ادنیٰ جہر اور اپنی دیگر شرائط کے ساتھ کما مرّ و سیاتی صفدر) یا بکا اور نالہ مسجد میں جائز بھی ہو فقط (فتاویٰ رشیدیہ ص۲۱۵ و ص۲۱۶ مبوب طبع کراچی) صوفیاء کرام میں قدم رکھنے والے حضرات اور علی الخصوص مسلک دیوبند سے تعلق رکھنے والے حضرات حضرت مرحوم کے اس دینی فتویٰ اور اصلاحی مشورہ کو ضرور ملحوظ رکھیں بزرگوں سے کٹ جانے کے بعد آدمی کہیں کا نہیں رہتا اور اس پر نفس امارہ اور شیطان کا استیلاء ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو شیطان کے ہتھکنڈے اور نفس امارہ کی تزویر سے بچائے آمین۔

باب سوم

جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر

یہ روایت پہلے بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جن جگہوں میں ذکر بالجہر کو پسند نہیں کرتے تھے ان میں ایک جنازہ بھی ہے اور آپ کی پیروی میں حضرات صحابہ کرامؓ بھی جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کو مکروہ سمجھتے تھے اور حضرت قیسؓ بن عبادہؒ کی سابق روایت اس کی دلیل ہے اور ان کی یہ روایت سنن الکبریٰ ج۴ ص۷۵ اور مستدرک حاکم ج۱ ص۱۱۶ میں بھی موجود ہے اور علامہ ذہبیؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں اور عمدۃ القاری ج۴ ص۲۴۵ میں بھی اس روایت کا ذکر ہے اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان یکرہ الصوت عند القتال (مستدرک ج۱ ص۱۱۶ قال الحاکم والذہبی صحیح) لڑائی کے وقت آواز کو مکروہ سمجھتے تھے، انشاء اللہ تعالیٰ یہ بات باحوالہ اپنے مقام پر آئے گی کہ ضرورت پیش آنے پر نعرۂ تکبیر بلند کیا جا سکتا ہے اور قدیم سے مسلمانوں کا اس پر عمل چلا آرہا ہے، لیکن اس کے علاوہ عام حالات میں قتال و جہاد کے وقت رفع الصوت کو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ناپسند اور مکروہ سمجھا ہے، حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم جن کا تبحر علمی، خدا خوفی حق گوئی اظہر من الشمس ہے اور دین کے بارے میں ان کا احتیاط اس حد تک بڑھا ہوا ہے جس سے زیادہ قیاس و اجتہاد کے رُو سے ممکن اور متصور نہیں (اجتہادی لغزشیں الگ موضوع ہے) ان کی بعض عبارات اور تصریحات بھی ملاحظہ فرمائیں کہ وہ کس شد و مد کے ساتھ جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کی تردید کرتے ہیں، امام حسنؒ بن منصور المعروف بقاضی خان الحنفیؒ (المتوفی ۵۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ :-

ویکرہ رفع الصوت بالذکر فان اراد — ذکر کرتے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے اگر کوئی

ان یذکر اللہ تعالیٰ یذکرہ فی نفسہ (فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۹۱ طبع نولکشور)

شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو اپنے دل میں آہستہ ذکر کرے۔

یہ بات امام موصوفؒ نے کتاب الجنائز میں لکھی ہے جو اپنے مدعیٰ کے لحاظ سے بالکل واضح ہے۔

امام سراج الدین الاوزی الحنفیؒ (المتوفی فی حدود ۷۰۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن وقولھم کل حی یموت ونحو ذلک خلف الجنازۃ بدعۃ (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۳ طبع لکھنؤ)

جنازہ کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن کریم پڑھنا اور اسی طرح لوگوں کا کل حی یموت (ہر جاندار اور زندہ مرنے والا ہے) وغیرہ پڑھنا بدعت ہے۔

اور فتاویٰ عالمگیری (جس کو پانچسو ذمہ دار حضرات علماء کرام نے مرتب کیا ہے) میں ہے:۔

وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن کذا فی شرح الطحاوی۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷ طبع مصر)

اور جنازہ کے ساتھ جانے والوں پر خاموش رہنا لازم ہے اور ذکر اور قرأت قرآن کریم کرتے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے، اسی طرح طحاوی کی شرح میں ہے۔

امام حافظ الدینؒ محمد الکردری الحنفیؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ویکرہ رفع الصوت بالذکر خلف الجنازۃ ویذکرہ فی نفسہ (فتاویٰ بزازیہ ج ۴ ص ۹۰ علی ہامش الہندیہ طبع مصر)

جنازہ کے پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے ہاں دل میں ذکر کر سکتا ہے۔

علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں:۔

وینبغی ان یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوت فیھا بالذکر وقراءۃ القرآن ذکر فی فتاویٰ العصر انھا کراھۃ تحریم واختارہ مجد الائمۃ الترجمانی وقال علاؤ الدین التاجری ترک الاولیٰ ومن اراد الذکر والقراءۃ فلیذکر

اور مناسب ہے کہ طویل خاموشی اختیار کی جائے اور ذکر اور تلاوت قرآن کریم کرتے وقت آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور فتاویٰ العصر میں بیان کیا ہے کہ کراہت اس میں تحریمی ہے۔ اور اسی کو امام مجد الائمہ الترجمانیؒ نے اختیار کیا ہے اور فقیہ علاؤ الدین التاجریؒ نے فرمایا کہ یہ ترک اولیٰ ہے اور جو شخص ذکر

میت کے لئے استغفار کرو اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے۔

(نصاب الاحتساب ص۱۲۵)

رئیس التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ اور امام حسن بصریؒ اور حضرت سعید بن جبیرؒ ابراہیم نخعیؒ تمام حضرات اس کو مکروہ سمجھتے تھے کہ جنازہ کے ساتھ لوگوں سے یہ کہا جائے کہ تم اس کے لئے استغفار کرو اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت فرمائے۔ (سنن الکبریٰ ج ۴ ص۷۴)

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

وخواندن کلمہ طیبہ بطریق جہر ہمراہ جنازہ مکروہ است واگر آہستہ آہستہ خوانند آں را چنانکہ آواز آں بدیگراں نرسد مضائقہ ندارد کما فی العالمگیریۃ وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن کذا فی شرح الطحاوی فان اراد ان یذکر اللہ تعالیٰ یذکرہ فی نفسہ کذا فی فتاوی قاضی خان (رسائل اربعین ص۴۰)

جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھنا مکروہ ہے اور اگر اس طریقہ سے آہستہ آہستہ پڑھیں کہ دوسروں تک آواز نہ پہنچے تو مضائقہ نہیں ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے کہ جنازہ کے ساتھ جانے والوں کو خاموش رہنا چاہیئے اور ان کے لئے بلند آواز سے ذکر اور تلاوت قرآن کریم کرنا مکروہ ہے ایسا ہی شرح الطحاوی میں ہے، اور اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیئے تو اپنے دل میں آہستہ کرے جیسا کہ فتاوی قاضی خاں میں ہے۔

علامہ علاؤالدین محمدؒ بن علی الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ) فرماتے ہیں یعنی

کرہ کما کرہ فیہا رفع صوت بذکر او قرأۃ (درمختار ج ۱ ص۸۳۵ علی الشامی) جنازہ میں بلند آواز سے ذکر اور تلاوت کرنا مکروہ ہے۔

اور علامہ ابن عابدین محمد امین بن عمر الشامی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وینبغی لمن تبع الجنازۃ ان یطیل الصمت وفیہ عن الظہیریۃ فان اراد ان یذکر اللہ تعالیٰ یذکرہ فی نفسہ (رد المحتار ج ۱ ص۸۳۵)

جو لوگ جنازہ کے ساتھ ہوں ان کے لئے طویل خاموشی مناسب ہے اور فتاوی ظہیریہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہے تو دل میں آہستہ کرے۔

حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی یہ صریح عبارات اپنے مطلب کے لحاظ سے بالکل

والیقرأ فی نفسہ وقال قیسؓ بن عبادؒ کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم یکرھون رفع الصوت عند ثلاث عند القتال وفی الجنازۃ وفی الذکر ذکرہ ابن المنذر فی الاشراف۔ (کبیری ص۵۵۰)

اور قرأت کرنا چاہے تو اپنے دل میں کرے حضرت قیسؓ بن عبادؒ نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضرات صحابہ کرامؓ تین مواقع پر آواز بلند کرنا مکروہ سمجھتے تھے لڑائی۔ جنازہ۔ اور ذکر کے وقت امام ابن المنذرؒ نے کتاب الاشراف میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت ملا علیؒ القاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ویکرہ لمشیعھا رفع الصوت بالذکر والقرأۃ ویذکر فی نفسہ (مرقات ج۴ ص۵۷ طبع ملتان)

جنازہ کے ساتھ جانے والے کے لئے ذکر اور قرأۃ کے لئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے ہاں دل میں ذکر کرتا رہے۔

فقیہ زمان فخر المتأخرین علامہ ابو الاخلاص حسن بن عمار الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۶۹ھ) تحریر فرماتے ہیں ویکرہ رفع الصوت بالذکر (نور الایضاح ص۱۳۵) بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے۔

اور امام ابو حنیفہ ثانی علامہ ابن نجیم المصری الحنفیؒ (المتوفی ۹۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

وینبغی لمن تبع جنازۃ ان یطیل الصمت ویکرہ رفع الصوت بالذکر وقرأۃ القرآن وغیرھما فی الجنازۃ والکراھۃ فیھا کراھۃ تحریم اھ (البحر الرائق ج۲ ص۱۹۲ طبع مصر)

اور جنازہ کے ساتھ جانے والوں کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ طویل خاموشی اختیار کریں اور ذکر اور تلاوت قرآن کرتے وقت ان کے لئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور کراہت اس میں کراہت تحریمی ہے۔

امام طاہرؒ بن احمد الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۱ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

ویکرہ رفع الصوت بالذکر یعنی حالۃ حمل الجنازۃ وعن ابراھیمؒ کانوا یکرھون ان یقول الرجل وھو یمشی معھا استغفروا اللہ غفر اللہ لکم۔

جنازہ اٹھانے کی حالت میں بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے اور امام ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرات سلف صالحینؒ اس بات کو مکروہ سمجھتے تھے کہ جنازہ کے ساتھ کوئی آدمی یہ کہے کہ اے لوگو تم

روشن ہیں بحمداللہ تعالیٰ ہمارا اور ہمارے اکابر کا اسی پر عمل ہے۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۳ ص ۳۵۱ میں ہے۔ سوال نمبر ۲۹۴ ذکر خلف الجنازہ مثل تہلیل اور قرأۃ سورۃ ملک وغیرہ میں مفتی بہا کیا ہے؟ الجواب یہ ثابت نہیں اور بہیئت اجتماعیہ بالجہر ایسا کرنا خلافِ عمل سلف صالحینؒ ہے لہٰذا اس کو ترک کیا جاوے انتہیٰ۔

اب یہ فیصلہ مؤلف ذکر بالجہر پر ہے کہ کیا عوام حضرات فقہاء احنافؒ کی ان صریح اور واضح عبارات پر عمل کریں یا اس مقام پر بھی چلا چلا کر ذکر بالجہر اور قرأت قرآن کریم کریں؟ اور کیا عوام اس موقع پر ذکر بالجہر کو اور بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے کو کارِ ثواب یقین کریں یا مکروہ اور بدعت سمجھیں؟ اور یہ کراہت بھی حسب تصریح صاحب البحر الرائق وغیرہ مکروہ تحریمی ہے۔ ان کو ہوش میں آکر بتانا چاہیئے کہ عوام کیا کریں اور کس طریق کو اپنائیں؟

مفتی احمد یار خاں صاحب کا فتویٰ

ایک طرف آپ نے حضرات فقہاء احنافؒ کی صریح عبارات ملاحظہ فرمائیں کہ جنازہ کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ اور بدعت ہے، اس کے برعکس اس وقت بریلوی حضرات کے مایہ ناز مفتی احمد یار خان صاحب (المتوفی ۳ رمضان ۱۳۹۱ھ ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۱ء) کا فتویٰ بھی سن لیں وہ لکھتے ہیں:۔

جامع صغیر میں ہے عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اکثروا فی الجنازۃ لا الہ الا اللہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنازہ میں لا الہ الا اللہ زیادہ کہا کرو اس سے معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ انتہیٰ (جاء الحق)، مفتی صاحب کا یہ استدلال مردود ہے، اوّلاً اس لئے کہ یہ روایت الجامع الصغیر ج ۱ ص ۵۴، طبع مصر میں مسند فردوس دیلمیؒ کے حوالہ سے نقل کی ہے اور اس کی کوئی تصحیح اور تحسین نہیں کی گئی اور اسی طرح علامہ عزیزیؒ نے السراج المنیر میں بغیر تصحیح و تحسین کے اس کو نقل کیا ہے۔ اور اہل علم جانتے ہیں کہ مسند فردوس حدیث کی ان کتابوں میں شامل نہیں جن میں صحت کا التزام کیا گیا ہو بلکہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) نے مسند فردوس دیلمیؒ کو کتب حدیث کے چوتھے طبقہ میں شمار کیا ہے اور اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ:۔

ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات یہ حدیثیں قابل اعتماد نہیں کہ کسی عقیدہ یا کسی عمل کے

عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود۔ اثبات کے لئے ان سے استدلال کیا جائے۔

(عجالۂ نافعہ ۔ طبع مجتبائی دہلی)

اندریں حالات اس روایت پر کیونکر اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ جب کہ اس کی تصحیح نہ ہو ثانیاً مفتی صاحب کا دعویٰ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے کا بھی ہے اور اس حدیث میں رفع الصوت کا کوئی لفظ موجود نہیں محض دل میں ذکر کرنے کا کوئی منکر نہیں جیسا کہ حضرات فقہاء احناف رح کی عبارتوں میں اس کی تصریح گذر چکی ہے۔ چنانچہ علامہ عزیزیؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :۔

ای اکثروا حال تشییعکم للجنازۃ من	یعنی تم جنازہ کو رخصت کرتے وقت بکثرت آہستہ
قولہا سرا فان برکتہا تعود علی المیت	یہ پڑھو کیوں کہ اس کی برکت میت اور تم پر لوٹے
وعلیکم اما الجہر بہا لتتئذ فغیر	گی، بہرحال اس حالت میں اس کا جہر سے پڑھنا
مطلوب۔ عن انس رض (السراج المنیر ج ۱ ص ۲۱۰ طبع مصر)	مطلوب نہیں ہے۔ (مسند فردوس عن انسؓ)۔

اس واضح اور صریح عبارت کی موجودگی میں کوئی شخص بزور اس سے جہر ثابت کرے تو اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے سپرد ہے اور ہر ایک کو اپنے کئے کا بدلہ بھگتنا ہے۔

بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا

جو مسلمان اس بات میں تردد کرسکتا ہے کہ قرآن کریم کا پڑھنا اور اس کا سننا ایک بہت بڑی عبادت کار ثواب اور سعادت ہے، لیکن جہاں جہر کے ساتھ پڑھنے کی وجہ سے مثلاً کسی کی نماز یا کسی بیمار یا سونے والے کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہو تو اس مقام پر بلند آواز سے پڑھنا درست نہیں ہے اس سلسلہ میں خود آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی واضح ہدایات بھی موجود ہیں (علاوہ اس حوالہ کے جو پہلے عرض کیا جاچکا ہے) اور حضرات فقہاء کرامؒ کی تصریحات بھی صراحۃً موجود ہیں۔

چنانچہ حضرت البیاضیؓ (حضرت ابوحازم الانصاریؓ) فرماتے ہیں کہ :۔

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوگوں کے پاس تشریف
خرج علی الناس وہم یصلون وقد علت	لائے جو نماز پڑھ رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ انکی آوازیں
اصواتہم بالقرأۃ فقال ان المصلی	قرآن کریم کی قرأت کے لئے بلند ہو رہی ہیں آپ نے فرمایا
یناجی ربہ عزوجل فلینظر بما یناجیہ	کہ نمازی اپنے پروردگار عزوجل سے مناجات کرتا ہے

ولا یجھر بعضکم علی بعض بالقرآن
(رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح
مجمع الزوائد ج۲ ص۲۶۵)

اور قرآن کریم پڑھتے وقت تم میں سے کوئی شخص کسی پر آواز بلند نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

ان عبداللہؓ بن حذافۃ قام یصلی فجھر بصلاتہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یا ابن حذافۃ لا تسمعنی وسمع ربک (رواہ احمد والبزار والطبرانی فی الکبیر الا انہ قال عن ابی سلمۃ ان عبداللہ بن حذافۃ ورجال احمد رجال الصحیح مجمع الزوائد ج۲ ص۲۶۵)

حضرت عبداللہؓ بن حذافہ کھڑے ہو کر جہر سے نماز پڑھنے لگے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن حذافہؓ تو مجھے نہ سنا بلکہ اللہ تعالیٰ کو سنا (یعنی آہستہ پڑھ)

ان صحیح روایات کے پیش نظر حضرات فقہاء کرامؒ نے بلند آواز کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے سے بھی منع کیا ہے جب کہ اس طرح پڑھنے سے کسی کے سکون شغل اور آرام میں خلل پڑتا ہو، چنانچہ فتاوٰی قاضی خان میں ہے:۔

رجل یقرأ القرآن وبجنبہ رجل یکتب الفقہ لا یمکنہ ان یستمع کان الاثم علی القاری لانہ قرأ فی موضع یشتغل الناس باعمالھم ولا شئی علی الکاتب
(ج۱ ص۸۵ طبع نول کشور لکھنؤ)

کہ اگر کوئی شخص قرآن کریم پڑھتا ہو اور اس کے پہلو میں کوئی شخص فقہ کے مسائل لکھتا ہو اور بدیں وجہ اس کو سننا ممکن نہ ہو تو گناہ قاری پر ہوگا کیونکہ وہ ایسی جگہ تلاوت کر رہا ہے جہاں لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہیں اور لکھنے والے پر (ترک سماع کی وجہ سے) کوئی گناہ نہ ہوگا۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم پڑھنے والا جہر سے پڑھتا ہو اگر آہستہ پڑھتا ہو تو پھر بالکل جائز ہے کیونکہ اس طرح کسی کے کام میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا۔ فتاوٰی عالمگیری میں ہے:۔

لا یقرأ جھرًا عند المشغلین بالاعمال

کہ جو لوگ کام میں مشغول ہوں ان کے پاس بلند

ومن حرمة القرآن ان لا یقرأ فی	آواز سے قرآن کریم کی تلاوت نہ کرے اور یہ بھی
الاسواق و فی موضع اللغو کذا فی	قرآن کریم کی تعظیم میں شامل ہے کہ بازاروں میں
القنیۃ و عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۰ طبع مصر	اور کھیل کی جگہ قرآن کریم نہ پڑھا جائے قنیہ میں ایسا ہی ہے

یہ عبارت بھی بصراحت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ جو لوگ اپنے اپنے کام میں مشغول و مصروف ہیں ان کے پاس جہر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ لوگوں کے مشاغل میں خلل پڑتا ہے اور وہ قرآن کریم کو دلجمعی سے نہیں سن سکتے اور اس سے قرآن کریم کی بے حرمتی بھی ہوتی ہے اور ایسے ہی بازاروں میں اور کھیل و تماشہ کی مجلسوں میں بھی پڑھنا درست نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ آج کل تو اگر سینما اور بینک وغیرہ کی افتتاح ہو تو وہ قرآن کریم سے کی جاتی ہے۔

قال اللہ المشتکیٰ ع

بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

فائدہ:۔ مختصر الفتاوی المصریہ ص ۲۱۱ میں ہے کہ راستوں اور بازاروں میں قرآن کریم پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ یہ لوگوں نے بھیک مانگنے کا ایک ڈھنگ بنا رکھا ہے۔ اور اس میں قرآن کریم کی بے حرمتی ہے اور اس کو دلجمعی سے کوئی سنتا بھی نہیں۔

حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ نے جب زور دار الفاظ میں ذکر بالجہر کو مکروہ اور بدعت قرار دیا تو ان پر یہ اعتراض وارد ہوا کہ احادیث و آثار میں بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنے کی فضیلت آئی ہے پھر کس طرح یہ صحیح ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ آخر قرآن کریم بھی تو ایک ذکر (بلکہ عمدہ ذکر) ہے اس کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

قلت لاشك ان فی الجهر بالقرآن احادیث	میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ بلند آواز
کثیرة والآثار من الصحابة والتابعین	کے ساتھ قرآن کریم کے پڑھنے کے بارے میں بہت
اکثر من ان تحصیٰ لکن فی الحق من لا یخاف	احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے آثار
ریاءً ولا اعجابًا ولا غیرهما من القبائح	موجود ہیں جن کا شمار بھی نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ جہر
ولا یؤذی جماعة یلبس علیهم صلوٰتهم	ان لوگوں کے لئے ہے جو ریا، اور خود پسندی
و یخلطها فمن خاف شیئًا من ذالك	وغیرہ بری صفات کا خوف نہ کریں اور نمازیوں

فلا یجوز له الجهر وان لم یخف استحب الجهر اھ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۵۱۲)

کی جماعت کو اس سے اذیت نہ ہوتی ہو اور نہ ان کی نماز میں انتشاہ اور التباس واقع ہوتا ہو پس جو شخص ان میں سے کسی چیز کا خوف کرتا ہو تو اس کے لئے بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا جائز نہیں ہے اور اگر یہ خوف نہ ہو تو پھر جہر مستحب ہے۔

اس سے صاف طور پر یہ معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا بلند آواز سے پڑھنا بھی مشروط ہے، اگر اس کی شرطیں پائی جائیں تو جہر مستحب ہے ورنہ بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا بھی جائز نہیں ہے اور خصوصاً جب کہ نمازیوں کی نماز میں خلل اور اشتباہ پڑنے کا احتمال اور خطرہ ہو تو پھر بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا جائز ہی نہیں ہے (فلا یجوز له الجهر)

مجموعۂ فتاوی مولانا عبدالحی لکھنوی میں ایک سوال و جواب یوں ہے:۔

اِستِفتاء اگر کوئی شخص بلند آواز سے قرآن شریف پڑھے اور آس پاس کے لوگ کسی وجہ سے کان لگا کر نہ سنیں یا دنیاوی کاموں میں پھنسے ہونے کی وجہ سے نہ سن سکیں تو کیا ایسی حالت میں پڑھنے والے کو چپکے پڑھنا لازم ہوگا یا نہیں؟ پہلی صورت میں اگر وہ چپکے نہ پڑھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

ھو المصوب۔ قرآن شریف کا سننا فرض ہے، اگر لوگ کاموں میں پھنسے ہوں اور قرآن شریف سننے کی طرف متوجہ نہ ہو سکیں تو پڑھنے والوں کو چپکے سے پڑھنا چاہیئے، اور بلند آواز سے پڑھ کر حاضرین کو گنہگار نہ بنانا چاہیئے یکرہ رفع الصوت بقرأۃ القرآن عند المشتغلین لان فیه منع غیرہ عن شغله (جو لوگ اپنے کام میں مصروف ہیں اُن کے نزدیک بلند آواز سے قرآن شریف پڑھنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں دوسرے کو اپنے کام سے روک دینا ہے) اور شرح تحفہ میں ترتاشی سے منقول ہے لا یقرأ القرآن جهرًا عند المشتغلین بالاعمال لما فیه من قطعهم عن الاعمال وترك الاستماع وفی المنیة امرأۃ تغزل فی البیت لیس لاحد ان یقرأ القرآن عندها جهرًا انتہی ملخصاً (جو لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہیں اُن کے پاس آواز بلند قرآن شریف نہ پڑھنا چاہیئے کیونکہ یا تو وہ اپنے کاموں میں مصروف رہیں گے اور قرآن نہ سنیں گے یا اپنا کام چھوڑ دیں گے اور

اور منیہ میں ہے جو عورت گھر میں سوت کاتتی ہو اس کے پاس کسی کو بآواز بلند قرآن شریف نہ پڑھنا چاہیے
واللہ تعالیٰ اعلم حررہ الراجی ابوالحسنات محمد عبدالحی تجاوز اللہ تعالیٰ عن ذنبہ الجلی والخفی، اصاب من
اجاب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب حررہ محمد رحمۃ اللہ عفی عنہ (مجموعہ فتاوی ج ۱ ص ۷۳ و ۷۴)

امام کو بھی اس حد تک جہر کرنا چاہیے جس سے مقتدی سن سکیں اس سے زیادہ جہر کرنا مکروہ ہے
جس کی بحث انشاء اللہ تعالیٰ آگے آرہی ہے۔

باب چہارم

تکبیرات عیدین

عیدین کی زائد تکبیروں کے بارے میں حضرات ائمہ اربعہؒ کا اختلاف ہے حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زائد تکبیریں چھ ہیں (اور باقی ائمہ کرامؒ بارۃ تکبیریں زائد مانتے ہیں اس مسئلہ کی تحقیق کا یہ مقام نہیں ہے) امام قاضی خانؒ فرماتے ہیں کہ عیدین کی چھ سے زائد تکبیریں نہ ہوں کیونکہ۔

وھو قول اکثر الصحابۃؓ وبہ اخذ اصحابنا لان الجھر بالتکبیر بدعۃ فلا یوخذ الا بما اتفق علیہ الصحابۃؓ (قاضی خان ج ۱ ص ۸۸)

یہی اکثر حضرات صحابہ کرامؓ کا قول ہے اور اسی قول کو ہمارے فقہاءِ احنافؒ نے لیا ہے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے سو اسی چیز کو لیا جائیگا جس پر حضرات صحابہ کرامؓ (کی اکثریت) کا اتفاق ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جہاں شرعاً جہراً تکبیر ثابت نہیں وہاں بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا بھی بدعت ہے اور ایسے مقام پر زائد تکبیروں کے ترک کرنے میں ہی احتیاط ہے تاکہ اس طریقہ سے بدعت زندہ نہ ہو اور امام علیؒ بن ابی بکرؒ بن عبد الجلیل المرغینانی الحنفیؒ المتوفی ۵۹۳ھ صاحب ہدایہ ایام تشریق کی تکبیرات کے بارے فرماتے ہیں:

واخذ بقول ابن مسعودؓ اخذاً بالاقل لان الجھر بالتکبیر بدعۃ (ھدایہ ج ۱ ص ۱۵۵)

امام صاحبؒ نے حضرت عبد اللہؓ بن مسعودؓ کا قول لیا ہے کہ تکبیرات تشریق یوم النحر کی عصر تک ہی ہوں) اسلیے کہ اسمیں تکبیریں کم ہیں کیونکہ بلند آواز

سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔

اور اس کے علاوہ بھی متعدد کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ جہاں ثابت نہیں وہاں جہر بالتکبیر بدعت ہے یہ بات تو مخفی نہیں کہ اللہ اکبر کہنا خالص ذکر ہے مگر بے موقع اس کے جہر کو بھی حضرات فقہاء کرامؒ صراحۃً بدعت کہتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں۔

امام قاضیخانؒ پر اعتراض: یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ عیدین کی زائد تکبیریں تو احادیث سے ثابت ہیں، (گو وہ فرداً فرداً سب ضعیف ہیں اور یہ بحث یہاں کی نہیں ہے) اور بعض حضرات صحابہ کرامؓ سے بھی ایسا ہی مروی ہے تو پھر ان کے بدعت ہونے کا کیا معنیٰ؟ کیونکہ جو چیز سُنّت سے ثابت ہو وہ بدعت کیسے ہوئی؟

اس کا جواب حضرات فقہاء کرامؒ کی اصطلاح میں یہ ہے کہ جو چیز سُنّت اور بدعت میں دائر ہو یا یوں طور کہ ایک وجہ سے وہ سُنّت ثابت ہوتی ہے اور دوسری وجہ سے اس کا بدعت ہونا ثابت ہوتا ہے تو ایسے موقع پر سنت کو ترک کیا جائے گا تاکہ اس کی وجہ سے بدعت زندہ نہ ہو آپ غور فرمائیں کہ بدعت سے حضرات فقہاء کرامؒ کو کس قدر نفرت ہے کہ اس کے ڈر سے سنت بھی ترک کی جا رہی ہے چنانچہ عالمگیری میں ہے۔

وما تردد بين البدعة والسُّنّة يترك اھ (عالمگیری ج ۱ ص ۱۷۹ طبع مصر)	اور جو چیز بدعت اور سنت میں دائر ہو اس کو ترک کیا جائے گا۔

اور علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

لانه اذا تردد الحكم بين سُنّة و بدعة كان ترك السُّنّة راجحا على فعل البدعة اھ (شامی ج ۱ ص ۶۶۰ طبع مصر)	کیونکہ جب حکم سُنّت اور بدعت میں دائر ہو تو سنّت کا ترک کرنا بدعت پر عمل کرنے سے راجح ہوگا۔

اس ضابطہ اور قاعدہ کے مطابق حضرت امام ابوحنیفہؒ نے زائد دنوں کی تکبیروں کو بدعت قرار دے کر ترک کر دیا ہے کیونکہ اللہ اکبر کہنا ذکر ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ وہ بلند آواز سے ذکر کرنے کو بدعت بھی قرار دیتے ہیں اور نص قرآنی اُدْعُوْا رَبَّكُمْ الآیۃ کے مخالف بھی کہتے ہیں لہٰذا بدعت کا ثبوت قطعی دلیل سے ہے اور اس کے مقابلہ میں یا تو ظنی دلیل ہے یا بعض حضرات صحابہ کرامؓ کی غیر معصوم آراء ہیں تو اس وجہ سے بدعت کا ترک کرنا ضروری ہے تاکہ نہ تو نص قطعی کی مخالفت ہو اور نہ بدعت زندہ ہو بقول شخصے کہ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکری۔

عید الفطر کے موقع پر بلند آواز سے تکبیر کہنا۔

اس مسئلہ میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرات صاحبینؒ (امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ) کا آپس میں خاصا اختلاف ہے اور ان حضرات کے مسلک کے نقل کرنے میں فقہاء احناف کی عبارتیں بھی کافی حد تک مختلف ہیں کہ عید الفطر کی نماز پڑھنے کے لئے عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنی چاہیئے یا آہستہ؟ حضرات صاحبینؒ جہر سے تکبیر کہنے کے حق میں ہیں حضرت امام ابو حنیفہؒ کی ایک مشہور روایت یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر نہیں ہونا چاہیئے اور دوسری روایت ان سے جواز کی ہے جیسا کہ حضرات صاحبینؒ کا قول ہے ہم مسئلہ کی تنقیح کے لئے فقہاء احنافؒ کی چند نقول عرض کرتے ہیں۔

(۱) علامہ حصکفی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقالا الجهر به سُنّة كالاضحىٰ وهي رواية عنه ووجهها ظاهر قوله تعالىٰ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلىٰ مَا هَدٰىكُمْ ووجه الاول ان رفع الصوت بالذكر بدعة فيقتصر على مورد الشرع اهـ

(درمختار ج ۱ ص ۸۸ طبع مصر)

اور حضرات صاحبینؒ کہتے ہیں کہ عید الاضحیٰ کی طرح عید الفطر میں بھی بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہے اور امام صاحبؒ کی بھی ایک روایت یہ ہے اور اس کی وجہ اللہ تعالیٰ کا یہ ظاہری ارشاد ہے اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور پہلے قول (عدم جہر) کی وجہ یہ ہے کہ بلند آواز سے ذکر بدعت ہے پس یہ وہاں بند رہے گا جہاں شریعت کا حکم ہے۔

اس عبارت میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اس قول کی کہ عید الفطر میں جہراً تکبیر نہ ہو دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور جس موقع پر جہراً ذکر ثابت ہے مثلاً عید الاضحیٰ وغیرہ کے موقع پر تو یہ جہر وہیں تک محدود ہوگا۔ اس موقع سے آگے دوسرے مقام پر یہ حکم ثابت نہ کیا جائے گا اور دوسرے قول کی وجہ وہ ہے جو حضرات صاحبینؒ نے وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ الآیۃ سے پیش کی گئی ہے لیکن خود امام حصکفیؒ اس دلیل پر مطمئن نظر نہیں آتے جیسا کہ وہ ظاہر قولہ الخ کا جملہ ارشاد فرما کر اس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

علامہ محمد امینؒ بن عمر الشامی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) درمختار کے اس جملہ فیقتصر علی مورد الشرع کی تشریح کرتے ہیں:۔

وھو ما فی البحر عن القُنیۃ التکبیر جھرًا فی غیر ایام التشریق لا یُسَنُّ اِلَّا بازاء العدو او اللصوص وقاس علیہ بعضھم الحریق والمخاوف کلھا اھ زاد القھستانی او علا شرفا انتھی (شامی ج ۱ ص ۷۷۰ طبع مصر)

اور وہ جیسا کہ بحر الرائق میں قنیہ سے نقل کیا ہے کہ ایام تشریق کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت نہیں مگر دشمن اور چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض نے آگ لگنے اور باقی خطرات کے مواقع کو بھی قیاس کیا ہے امام قہستانیؒ نے یہ بات بھی زیادہ بیان کی ہے کہ جب بلندی پر چڑھے تب بھی بلند آواز سے تکبیر کہے۔

(۲) علامہ بدر الدین محمودؒ بن احمد العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

غیر مکبر جھرًا فی الطریق بل مکبرًا خفیۃً عند ابی حنیفۃؒ لانہ اصل فی الثناء الاخفاء الا ما خصہ الشارع کیوم الاضحی وقالا یجھر بہ لان ابن عمر رضی اللہ عنھما کان یرفع صوتہ بالتکبیر۔
(عینی شرح الکنز ص ۵۰)

راستہ میں بلند آواز سے تکبیر نہ کہے بلکہ آہستہ تکبیر کہے امام ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کیونکہ اصل ذکر و ثنا میں اخفاء ہے مگر جس کو شریعت نے مخصوص کیا ہو جیسا عید الاضحی کا دن اور حضرات صاحبینؒ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہے اس لئے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے۔

(۳) امام علاؤ الدین ابوبکرؒ بن مسعود الکاسانی الحنفیؒ (المتوفی ۵۸۷ھ) لکھتے ہیں کہ بہر حال عید الفطر میں امام صاحبؒ کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر نہ کہے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک۔

واما فی عید الفطر فلا یجھر بالتکبیر عند ابی حنیفۃؒ وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ یجھر وذکر الطحاویؒ انہ یجھر فی العیدین جمیعًا واحتجوا بقولہ تعالیٰ

بلند آواز سے تکبیر کہے اور امام طحاویؒ نے بیان فرمایا ہے کہ دونوں عیدوں میں جہر کرے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے اور تاکہ تم گنتی پوری کرو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ ولیس بعد اکمال العدۃ الا ھذا التکبیر ولا بی حنیفۃ ما روی عن ابن عباسؓ انہ حملہ قائدہ یوم الفطر فسمع الناس یکبرون فقال لقائدہ اکبّر الامام قال لا قال أفجنّ الناس ولو کان الجھر بالتکبیر سنۃ لم یکن لھذا الانکار معنیٰ ولان الاصل فی الاذکار ھو الاخفاء الا فیما ورد التخصیص فیہ وقد ورد فی عید الاضحیٰ فبقی الامر فی عید الفطر علی الاصل واما الآیۃ فقد قیل ان المراد منہ صلوٰۃ العید علی ان الآیۃ تتعرض لاصل التکبیر ولا منافی وصف التکبیر من الجھر والاخفاء والآیۃ ساکتۃ عن ذالک انتھی (البدائع والصنائع ج ۱ ص ۲۷۹ و ۲۸۰)

بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور گنتی پوری کرنے کے بعد یہی تکبیر باقی ہے اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ سے سے روایت ہے کہ ان کو ان کا قائد (جب کہ حضرت ابن عباسؓ نابینا ہو چکے تھے) عید الفطر کے دن، (عیدگاہ) لے گیا تو انہوں نے سنا کہ لوگ تکبیر کہہ رہے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے اپنے قائد سے فرمایا کیا امام نے تکبیر کہی ہے؟ وہ بولا نہیں فرمایا کیا پس لوگ پاگل ہو گئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت ہوتی تو اس انکار کا کوئی معنیٰ نہیں اور اس لئے بھی کہ اصل اذکار میں اخفاء ہے مگر جہاں تخصیص وارد ہوئی ہے اور عید الاضحیٰ میں اجازت وارد ہوئی ہے تو عید الفطر کا حکم اصل پر باقی رہے گا اور بہر حال آیت سے استدلال تو تام نہیں کیونکہ) کہا گیا ہے کہ اس سے مراد عید کی نماز ہے علاوہ ازیں اس آیت میں نفس تکبیر کا تذکرہ ہے اور ہمارا کلام تکبیر کی صفت جہر اور اخفاء کے بارے میں ہے اور یہ آیت اس (جہر سے بالکل ساکت ہے۔

امام کاسانیؒ کی اس عبارت میں یہ فوائد موتیوں کی طرح صاف طور پر چمک رہے ہیں۔

(ا) اگر عید الفطر کے موقع پر جہراً تکبیر سنت ہوتی تو حضرت ابن عباسؓ کے انکار کا کوئی معنیٰ نہیں۔

(ب) اصل اذکار میں اخفاء ہے ہاں جہاں جہر وارد ہوا ہے مثلاً عید الاضحیٰ میں تو وہ بات جدا ہے۔

(ج) حضرات صاحبینؒ نے جس آیت کریمہ سے عید الفطر کے موقع پر جہراً تکبیر پر استدلال کیا ہے اس

میں تقریب نام نہیں اور اس مسئلہ پر ان کا استدلال قطعی نہیں کیونکہ اس آیت کریمہ میں جس تکبیر کا ذکر ہے اس کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد نماز عید کی زائد تکبیریں ہیں جو نماز کے اندر ہوتی ہیں۔ جب یہ احتمال اور تفسیر بھی موجود ہے تو پھر استدلال قطعی کیسے ہوا؟

(د) سب سے زیادہ وزنی بات امام کاسانیؒ نے اس عبارت میں یہ فرمادی کہ اختلاف نفس تکبیر کا نہیں ہے بلکہ جہر اور عدم جہر کا ہے اگر اس آیت کی صرف یہی تفسیر ہو کہ نماز سے خارج تکبیر کہنی چاہیئے تب بھی اس سے جہر تو ثابت نہیں ہوتا کیونکہ یہ آیت کریمہ تکبیر کے جہر اور سر سے بالکل ساکت ہے یہ جہر اور سر کی صفت اور دلائل سے ثابت ہوگی اور اس جہر کے ثبوت پر بعض حضرات صحابہ کرامؓ کا تعامل ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا انشاء اللہ العزیز اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ذکر بالجہر کے بدعت ہونے پر استدلال نص قرآنی سے ہے تو قطعی اور ظنی کا کیا تقابل؟

(۴) امام ابوبکر شمس الائمہ محمد بن احمد السرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۴۹۰ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ

ولان رفع الاصوات بالتکبیر فی ادبار الصلوٰت خلاف المعهود فلا یثبت الا بالیقین والیقین فیما اتفق علیه کبار الصحابةؓ اھ (المبسوط ج ۲ ص ۴۳ طبع مصر)	اور اس لئے بھی کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا (سلفؒ کے) معہود طریقہ کے خلاف ہے پس یہ ثابت نہیں ہو سکتا مگر یقین سے اور یقین اسی چیز میں ہے جس پر حضرات صحابہ کرامؓ متفق ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا سلف صالحینؒ کے ہاں معہود نہ تھا اور نہ یہ سنت معہودہ سے ثابت ہے اور ایسی خلاف معہود اشیاء کا ثبوت کسی موجب یقین دلیل ہی سے ہو سکتا ہے اور وہ اس مقام پر وہی ہے جس پر حضرات اکابر صحابہ کرامؓ متفق ہوں۔

(۵) علامہ ابن نجیم مصری الحنفیؒ اس پر طویل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

وفی غایة البیان ان المراد من نفی التکبیر بصفة الجهر لان التکبیر خیر موضوع لا خلاف فی جوازه بصفة الاخفاء اھ وفی الخلاصة مایخالفه قال ولا یکبر یوم الفطر	غایۃ البیان میں ہے کہ تکبیر کی نفی سے مراد یہ ہے کہ بصفت جہر نہ ہو کیونکہ نفس تکبیر تو بہترین عمل ہے اس کے اخفاء کے جواز میں تو کوئی اختلاف نہیں اور خلاصہ میں اس کے خلاف ہے صاحب خلاصہ نے کہا ہے کہ عید الفطر کے دن امام صاحبؒ

وعندهما يكبر ويخافت واحدى
الروايتين عن ابى حنيفة والاصح
ماذكرنا انه لايكبر فى عيد الفطر اهـ
فافاد ان الخلاف فى اصله لا فى
صفته وان الاتفاق على عدم
الجهر به وردّه فى فتح القدير بانه
ليس بشئ اذ لا يمنع من ذكر الله
تعالٰى بسائر الالفاظ فى شئ من
الاوقات بل من ايقاعه على وجه
البدعة فقال ابو حنيفةؒ رفع الصوت
بالذكر بدعة ويخالف الامر
من قوله تعالٰى وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ
نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ
مِنَ الْقَوْلِ فيقتصر على مورد الشرع
وقد ورد به فى الاضحى وهو قوله
تعالٰى واذكروا الله فِيْ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدَاتٍ
جاء فى التفسير ان المراد التكبير
فى هذه الايام اهـ وهو مردود لان صاحب
الخلاصة اعلم بالخلاف منه ولان ذكر
الله تعالٰى اذا قصد به التخصيص بوقت
دون وقت او بشئ دون شئ لم يكن
مشروعًا حيث لم يرد الشرع به لانه
خلاف المشروع وكلامهم انما هو

کے نزدیک تکبیر نہ کہے اور صاحبینؒ کے نزدیک
آہستہ تکبیر کہے اور امام صاحبؒ کی بھی دو روایتوں میں
سے ایک اسی طرح ہے اور صحیح تر بات وہ ہے جو ہم
نے ذکر کی ہے کہ عید الفطر کے موقع پر تکبیر نہ کہے اس
سے یہ معلوم ہوا کہ اختلاف نفس تکبیر میں ہے نہ کہ اس
کی صفت میں اور یہ کہ عدم جہر پر اتفاق ہے اور
فتح القدیر میں اس کو رد کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ
کوئی شئی نہیں کیونکہ اللہ تعالٰی کے ذکر سے جن
الفاظ سے بھی ہو کسی وقت منع نہیں کیا جا سکتا بلکہ
اس وقت منع کیا جائے گا جب کہ اس کو بدعت کے
طور پر واقع کیا جائے سو امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا
ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ
تعالٰی کے اس ارشاد کے خلاف ہے کہ تو اپنے
رب کا ذکر اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے
ہوئے کر اور جہر سے کم بول کر پس یہ مورد شرع پر
بند ہوگا اور عید الاضحٰی کے موقع پر یہ وارد ہوا ہے
جیسا کہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے اور ذکر کرو تم اللہ
تعالٰی کا گنتی کے دنوں میں اس کی تفسیر میں یہ آیا
ہے کہ اس سے ان دنوں کی تکبیر مراد ہے لیکن صاحب
فتح القدیر کا یہ قول مردود ہے کیونکہ صاحب خلاصہ
اختلاف کو ان سے بہتر جانتے ہیں اور اس لئے بھی
کہ اللہ تعالٰی کا ذکر جب کسی خاص وقت یا کسی خاص
صفت کے ساتھ قصداً مخصوص کر لیا جائے جہاں

فیما خص یوم الفطر بالتکبیر ولذا قال فی غایۃ البیان
من باب المهر عند ذکر التعۃ وقولہ فلا یکبر فی طریق المصلی
عند ابی حنیفۃ ای حکما للعید ولکن لو
کبر لانہ ذکر اللہ تعالیٰ یجوز ویستحب اھ
فالحاصل ان الجهر بالتکبیر بدعۃ فی کل
وقت الا فی المواضع المستثناۃ وصرح
قاضیخان فی فتاوٰہ بکراھۃ الذکر جهرا
وتبعہ علی ذالک صاحب المستصفی
وفی الفتاوی العلامیۃ وتمنع الصوفیۃ
من رفع الصوت والصفق وصرح
بحرمتہ العینی فی شرح التحفۃ وشنع
علی من یفعلہ مدعیا انہ من الصوفیۃ
واستثنی من ذالک فی القنیۃ مایفعلہ
الائمۃ فی زماننا فقال امام یعتاد فی کل
غداۃ مع جماعۃ قرأۃ آیۃ الکرسی وآخر
البقرۃ وشهد اللہ ونحوہ جهرا لابأس
بہ والافضل الاخفاء ثم قال التکبیر
جهرا فی غیر ایام التشریق لایسن الا
بازاء العدو او اللصوص وقاس علیہ
بعضهم الحریق والخاوف کلها ثم رقم
رقم آخر قاص وعندہ جمع کثیر یرفعون
اصواتهم بالتهلیل والتسبیح جملۃ لا
بأس بہ والاخفاء افضل ولو اجتمعوا

شریعت کا حکم وارد نہیں ہوا تو مشروع نہ ہوگا کیونکہ
یہ مشروع کے خلاف ہے اور ان حضرات کی گفتگو بھی
مخصوص طور پر عید الفطر کی تکبیر کے بارے میں
ہے اور اسی لئے غایۃ البیان میں مہر کے باب میں
متعہ کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ امام صاحبؒ کے
نزدیک عید کا حکم سمجھ کر عیدگاہ کے راستے میں تکبیر
نہ کہے لیکن اگر اس لئے تکبیر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا
ذکر ہے تو جائز اور مستحب ہے الخ پس حاصل یہ ہے
کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا تمام اوقات میں بدعت ہے
مگر ان جگہوں میں جہاں استثناء آئی ہے امام قاضیخانؒ
نے اپنے فتاوٰی میں تصریح کی ہے کہ بلند آواز سے
ذکر کرنا مکروہ ہے اور صاحب مستصفیٰ نے بھی ان
کی پیروی کی ہے اور فتاوٰی علامیہ میں ہے کہ صوفیاء
کو آواز بلند کرنے اور تالیاں بجانے سے منع کیا جائیگا
اور علامہ عینیؒ نے شرح تحفہ میں اس کے حرام ہونے
کی تصریح کی ہے اور ایسی کاروائی کرنے والوں کی
بہت برائی بیان کی ہے جو صوفی ہونے کا دعوٰی
کرتے ہیں اور قنیہ میں اس سے اس کاروائی کو
مستثنیٰ کیا ہے جس کو ہمارے زمانہ کے امام کرتے
ہیں چنانچہ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی امام ہو جس کی یہ
عادت ہو کہ صبح اپنے مقتدیوں کی جماعت کے ساتھ
مل کر آیۃ الکرسی اور سورۂ بقرہ کا آخری حصہ اور
شہد اللہ الآیۃ وغیرہا جہر سے پڑھتا ہے تو اس میں

فی ذکر اللہ والتسبیح والتھلیل یخفون و الاخفاء افضل عند الفزع فی السفینۃ او ملاعبتھم بالسیوف وکذا الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اھ واما التکبیر خفیۃ فان قصد بہ ان یکون لاجل یوم الفطر فھو مکروہ ایضاً والا فھو مستحب ولو کان یوم الفطر انتھی۔

(البحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹ طبع مصر)

کوئی مضائقہ نہیں ہاں افضل آہستہ پڑھنا ہے پھر فرمایا کہ ایام تشریق کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا مسنون نہیں ہاں مگر دشمنوں اور چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض نے آگ لگنے اور اسی قسم کے دیگر تمام خطرات کو قیاس کیا ہے پھر اس کے بعد ایک اور بات یہ لکھی کہ کوئی واعظ ہے جس کے پاس بڑی جماعت ہے جو مل کر تہلیل و تسبیح کے لئے آواز بلند کرتے ہیں تو اس کا بھی کوئی حرج نہیں ہاں اخفاء افضل ہے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح اور تہلیل کے لئے جمع ہوں تو پھر آہستہ پڑھیں اور کشتی میں گھبراہٹ کے وقت اور اپنی تلواروں کے ساتھ کھیلتے وقت بھی اور اسی طرح درود شریف پڑھتے وقت آواز پست کرنا افضل ہے اھ بہرحال آہستہ تکبیر یوم الفطر کی وجہ سے کہے تو بھی مکروہ ہے ورنہ مستحب ہے اگرچہ وہ عید الفطر کا دن ہی کیوں نہ ہو، (کیونکہ اس میں تخصیص وقت دون وقت ہے)۔

اس عبارت میں بے شمار فقہی مسائل اور فوائد ہیں چند فوائد کا ہم اختصاراً تذکرہ کرتے ہیں غور فرمائیں:۔

(الف) نفس تکبیر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور وہ ہر وقت مقصود و مطلوب ہے اور اس کے آہستہ پڑھنے میں کسی کا اختلاف نہیں۔

(ب) حضرت امام ابوحنیفہؒ بلند آواز سے ذکر کرنے کو بدعت اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے

خلاف سمجھتے ہیں۔

(ج) اگرچہ ذکر اللہ تعالےٰ کی عبادت ہے لیکن اس میں بھی اگر اپنی طرف سے کسی وقت کی تخصیص کر لی جائے یا کسی وجہ اور صفت (مثلاً جہراً پڑھنے) کی تخصیص کر لی جائے جہاں شرع کی اجازت اور حکم نہیں تو یہ غیر مشروع ہوگا۔

(د) عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے ذکر کرنے کا چونکہ حکم شرعاً آیا ہے اور اس میں حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف بھی نہیں اس لئے اس میں کوئی کلام نہیں ہاں البتہ عید الفطر کے دن ان حضرات کا آپس میں اختلاف ہے آہستہ ذکر حضرت امامؒ صاحب کے نزدیک بھی جائز اور مستحب ہے لیکن محض ذکر اللہ ہونے کی وجہ سے نہ کہ یوم الفطر کی خاطر۔

(ہ) خلاصہ کلام یہ ہے کہ جہاں شریعت نے ذکر بالجہر کو مستثنیٰ کیا ہے وہاں جہراً ذکر کرنا ہوگا۔ اور جہاں استثناء ثابت نہیں وہاں ذکر بالجہر بدعت ہے چنانچہ قاضیخان وغیرہ میں کراہت کی تصریح موجود ہے۔

(و) صوفیاء جو ذکر کے وقت آواز بلند کرتے ہیں اور وجد میں آکر اچھلتے کودتے ہیں اور خوشی میں آکر تالیاں بجاتے ہیں ان کو اس کاروائی سے شرعاً منع کیا جائے گا اور علامہ عینیؒ وغیرہ نے اس کے حرام ہونے کی تصریح کی ہے اور ایسے صوفیاء کی بہت برائی اور قباحت بیان کی ہے۔

(ز) امام زاہدیؒ (صاحب قنیہ) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں بعض ائمہ صبح کی نماز کے بعد مقتدیوں کی جماعت سے مل کر آیۃ الکرسی اور سورہ بقرہ کا آخری حصہ اور شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ الآیۃ وغیرہا بلند آواز سے پڑھتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہاں افضل یہ ہے کہ آہستہ پڑھیں۔

(نوٹ) صاحب قنیہ کی مراد اگر یہ ہے کہ تعلیم کے طور پر امام یہ دعائیں پڑھے اور مقتدی بھی ساتھ پڑھتے جائیں تاکہ ان کو یہ یاد ہو جائیں بشرطیکہ نمازیوں کو اس سے تشویش نہ ہو تو یہ صحیح ہے لیکن جب دعائیں یاد ہو جائیں تو پھر ترک کر دیں اور اگر ان کی مراد عام ہے تو دیگر مستند فقہاء احنافؒ کی عبارتیں اس کی تائید نہیں کرتیں چنانچہ امام حافظ الدین الکردری الحنفیؒ تحریر فرماتے ہیں۔

المذکر ان دعا دعاء المأثور جهرًا و جهر معه القوم ایضًا لیتعلموا الدعاء لا بأس به واذا تعلموا حینئذٍ یکون جهر القوم بدعة (فتاوی بزازیة ج ۳ ص ۳۷۰ علی هامش الهندیة طبع مصر)

یاد کرانے والے (یعنی امام) نے اگر اس ارادہ سے ماثور دعاء بلند آواز سے کی تاکہ لوگ دعا سیکھ لیں اور لوگوں نے بھی ساتھ جہر کیا تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن سیکھ چکنے کے بعد قوم کا جہر کرنا بدعت ہوگا۔

یہ عبارت بزازیہ کے حوالہ سے فتاوی عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۳ طبع مصر میں بھی منقول ہے۔ اس صریح عبارت سے معلوم ہوا کہ جب قوم دعائیں یاد کر چکی تو پھر ان کے لئے جہر سے دعا کرنا بدعت ہے جہر کا جواز صرف اس وقت تک ہے جب تک ان کو دعائیں یاد نہ ہوئی ہوں اور اب تو جہر سے ذکر اور دعائیں کرنے والے جہر کو ثواب سمجھتے ہیں اور یہ بدعت ہے چنانچہ امام ابو عبداللہ محمد بن محمد العبدری الفاسی المالکی الشہیر بابن الحاج (المتوفی ۷۳۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

فان حصل التعلیم امسك وهذا بخلاف ما یعهد الیوم من القرأة والذکر جهرًا وجماعةً فانهم لا یریدون التعلیم بل الثواب (المدخل ج ۱ ص ۲۸۰ طبع مصر)

جب تعلیم حاصل ہو جائے تو جہر سے رک جائے اور یہ اس کاروائی کے خلاف ہے جو آج کل لوگ بلند آواز سے اور جماعتی شکل میں تلاوت اور ذکر کرتے ہیں کیونکہ وہ تعلیم کا نہیں بلکہ ثواب کا ارادہ کرتے ہیں۔

(ح) ایام تشریق (جن کی بقدر ضرورت بحث آگے آرہی ہے انشاء اللہ العزیز) کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت کے خلاف ہے البتہ دشمنوں اور چوروں کے مقابلہ میں یا مکان دوکان اور کارخانہ وغیرہ کو آگ لگ جائے تو اس موقع پر بلند آواز سے تکبیر کہنا درست ہے کیونکہ اس میں اصل مقصد تو اللہ تعالیٰ کے آگے فریاد کرنا اور اس کی امداد چاہنا ہے اور بالتبع عالم اسباب کے پیش نظر لوگوں کی توجہ بھی اپنی طرف مبذول کرانا ہے تاکہ وہ بھی امداد و تعاون کو پہنچیں بجائے اس کے کہ مسلمان اپنی زبان سے دوسرے الفاظ کے ساتھ واویلا کرے کیوں نہ ہو کہ اللہ اکبر کی صدا بلند کرے اور اس موقع پر بھی اس کا دل اور زبان اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہو اور اپنے رب حقیقی سے بدحواسی کے موقع پر بھی تعلق منقطع نہ ہو اور اس کی لو اپنے مولیٰ سے لگی رہے۔

(ط) لیکن اگر آپس میں تلواروں (یا دیگر ہتھیاروں) سے کھیل رہے ہوں یا کشتی کے غرقاب ہونے

کا خطرہ درپیش ہو تو اس موقع پر آہستہ تکبیر کہنا بہتر ہے کیونکہ عادۃً دریا میں کشتی والوں کی مدد کے لئے بجز پروردگار کے اور کون پہنچ سکتا ہے؟ اور وہ تو آہستہ بلکہ آہستہ تر آواز کو بھی سنتا ہے تو آہستہ ہی بہتر ہے کیونکہ وہاں امداد کے لئے لوگوں کے آملنے کا بظاہر امکان ہی نہیں بخلاف خشکی کے اور ہتھیاروں کے ساتھ کھیلتے وقت اس لئے بلند آواز سے تکبیر نہ کہی جائے کہ ممکن ہے کوئی سطحی قسم کا مغلوب الغضب جلد باز عصبیت کا شکار ہو کر کھیل کو حقیقۃً لڑائی سمجھ کر کسی فریق پر حملہ آور نہ ہو جائے اور خواہ مخواہ فتنہ کی آگ کو فروغ نہ ہو اور یوں ہی بلا تحقیق اپنی عاقبت نہ برباد کر بیٹھے اور نیز ایام جنگ میں محاذ کے قریب مشقی جنگ کو عوام نعرہ تکبیر سن کر سچ مچ دشمن کے حملے کا وہم ہی نہ کر لیں اور خواہ مخواہ عوام کو پریشانی لاحق نہ ہو اس لئے آواز بلند کرنا بہتر نہیں۔

(ی) اس عبارت میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر درود شریف بھی آہستہ پڑھنی افضل ہے اور اس کی وجہ سلف صالحینؒ کی کمال اتباع ہے اور نجات اسی میں ہے اس کے بارے کچھ اور ضروری عبارتیں اسی کتاب میں مذکور ہیں۔

(ک) اگر کوئی مقرر اور واعظ پند و نصیحت اور عبرت کے لئے صحیح قصے بیان کر رہا ہو اور اس کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے کوئی مؤثر اور بلیغ بات نکلوا دی تو حاضرین مجلس اگر داد دیتے ہوئے بے ساختہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یا سُبْحَانَ اللّٰہِ وغیرہ کلمہ یک زبان ہو کر کہہ دیں (جیسا کہ آج کل قاریوں کی قرأت سے متاثر ہو کر یا کسی شعلہ بیان مقرر کی تقریر میں ایسا کرتے ہیں) تو اس میں بھی کوئی حرج اور مضائقہ نہیں اور قاض وعندہ جمع کثیر الخ میں اسی کا تذکرہ ہے۔

(ل) اس عبارت میں اس کی بھی تصریح موجود ہے کہ اگر جمع ہو کر ذکر کرنا چاہیں تو ذکر آہستہ کریں اور اسی طرح بسبیح و تہلیل بھی آہستہ کہیں کیونکہ ذکر کا اصل قاعدہ ہی یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو تو بلا کسی شرعی جواز کے جہراً ذکر نہ کریں۔

(م) عید الفطر کے موقع پر بتحقیق علامہ ابن نجیمؒ اگر آہستہ تکبیر ذکر کے طور پر کرتا ہے تو جائز و مستحب ہے لیکن اگر عید الفطر کی خصوصیت کی وجہ سے کرتا ہے تو یہ مکروہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کسی وقت سے مختص نہیں پھر یہ کیوں تخصیص پیدا کرتا اور سمجھتا ہے؟

فائدہ:۔ ایک ہی چیز کا حکم قصد اور نیت کے بدلنے سے بدل جاتا ہے مثلاً حائضہ نفساء

اور جنبی شخص قرآن کریم کی آیت یا اس سے کم (علی اختلاف اقوال الفقہاء) تلاوت کے قصد سے نہ پڑھیں تو جائز نہیں اور اگر دعا کے طور پر پڑھیں تو جائز ہے۔ (شرح وقایہ ج ۱ ص ۱۳۰ طبع مجتبائی دہلی)
یا مثلاً نماز جنازہ میں اگر سورۂ فاتحہ بطور قرأت و تلاوت پڑھی جائے تو درست نہیں اور اگر بہ نیت دعا پڑھی جائے تو جائز ہے (خانیہ ج ۲ ص ۳۲۳ طبع نولکشور و غنیۃ المستملی ص ۵۴۲)
اس سے معلوم ہوا کہ ایسے امور میں جن کی اصل شرع سے ثابت ہے (نہ کہ بدعات و اختراعات میں) نیت کا جواز و عدم جواز میں دخل ہے۔

(۶) علامہ شامیؒ امام ابن نجیم مصریؒ کے قول وھو مردود الخ کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

قولہ وھو مردود یقال علیہ ان الامام المحقق لہ علم بالخلاف ایضاً وفی البدائع واما فی عید الفطر فلا یکبر جھراً فی قول ابی حنیفۃؒ وعند ابی یوسفؒ ومحمدؒ یجھر ہ وکذا فی السراج الوھاج والتتارخانیۃ و مواھب الرحمٰن ودرر البحار وقال فی النھر غیر مکبر ای جھراً وھذا روایۃ المعلی عن الامام وروی الطحاوی عن ابن ابی عمران البغدادی عن الامام انہ یکبر جھراً وقولھما واختلف المشائخ فی الترجیح فقال الرازی الصحیح من قول اصحابنا ما رواہ ابن ابی عمرانؒ وما رواہ المعلی لم یعرف عنہ و فی الخلاصۃ الاصح ما رواہ المعلی کذا فی الدرایۃ قال الرازی وعلیہ

ان کا یہ قول اور وہ مردود ہے اس پر کہا جا سکتا ہے کہ امام محقق ابن الہمامؒ کو بھی اختلاف کا علم ہے اور بدائع میں ہے اور بہر حال عید الفطر میں پس امام صاحبؒ کے قول کے مطابق بلند آواز سے تکبیر نہ کہے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے کہے اھ اور اسی طرح السراج الوہاج اور تتارخانیہ اور مواہب الرحمٰن اور درر البحار میں ہے اور نہر (الفائق) میں ہے کہ جہر سے تکبیر نہ کہے اور معلیؒ کی امام صاحبؒ سے یہی روایت ہے۔ اور امام طحاویؒ نے ابن ابی عمران البغدادیؒ سے اور انہوں نے امام صاحبؒ سے روایت کی ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہے اور یہی صاحبینؒ کا قول ہے اور مشائخ نے ترجیح میں اختلاف کیا ہے سو امام (ابوبکر الجصاص) رازیؒ نے کہا ہے کہ ہمارے احنافؒ کے قول سے صحیح وہی ہے جو ابن ابی عمرانؒ نے روایت کیا ہے باقی معلیؒ

مشائخنا بما وراء النهر فالخلاف فی الجهر وعدمه کما صرح به فی التجنیس وعلیه جری فی غایة البیان والشرح ام وکذا جری علیه فی مختارات النوازل وشراح الهدایة وعزاه فی النهایة الی المبسوط وتحفة الفقهاء وزاد الفقهاء انتهی۔
(منحة الخالق علی بحر الرائق ج ۲ ص ۱۵۹)

نے امام صاحبؒ سے جو روایت کی ہے وہ معروف نہیں اور خلاصہ میں ہے کہ صحیح ترین وہ بات ہے جو معلیؒ نے روایت کی ہے اسی طرح درایہ میں ہے امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ نہر (جیحون) کے اس پار رہنے والے ہمارے مشائخ اسی پر ہیں پس اختلاف جہر اور عدم جہر میں ہے جیسا کہ تجنیس میں ہے اور اسی پر غایۃ البیان اور اس کی شرح میں صاد کیا ہے اور اسی پر مختارات النوازل اور ہدایہ کے شراح ہیں اور نہایہ میں اس کو مبسوط اور تحفۃ الفقہاء اور زاد الفقہاء کی طرف منسوب کیا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شامیؒ وغیرہ نے امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص الرازی الحنفیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے ہم یعینہا اس کو نقل کر دیں تاکہ بات واضح ہو جائے وہ لکھتے ہیں:۔

فروی المعلی عن ابی یوسف عن ابی حنیفةؒ قال یکبر الذی یذهب الی العید یوم الاضحی ویجهر بالتکبیر ولا یکبر یوم الفطر ولیس فیه شیء موقت لقوله تعالٰی وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰکُمْ قال عمرو وسألت محمدًا عن التکبیر فی العیدین فقال نعم وهو قولنا وقال الحسن بن زیاد عن ابی حنیفةؒ ان التکبیر فی العیدین لیس بواجب فی الطریق ولا فی المصلّٰی وانما التکبیر

معلیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے طریق سے امام صاحبؒ سے روایت کی ہے انہوں نے فرمایا کہ جو شخص عید الاضحیٰ کے دن عید کی (نماز کی) طرف جائے تو بلند آواز سے تکبیر کہے اور عید الفطر کے دن نہ کہے اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر دونوں میں تکبیر کہے اور اس میں کوئی چیز متعین اور مقرر نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور عمروؒ نے کہا کہ میں نے امام محمدؒ سے عیدین کے دن تکبیر

الواجب فی صلوٰۃ العید وذکر الطحاوی ان ابن ابی عمران کان یحکی عن اصحابنا جمیعًا ان السنۃ عندھم فی یوم الفطر ان یکبروا فی الطریق الی المصلی حتی یأتوہ ولم نکن نعرف ما حکاہ المعلی عنھم ام (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۶۳ و ص ۲۶۴ طبع مصر)

کے بارے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں کہنی چاہیئے اور یہی ہمارا قول ہے اور امام حسن بن زیادؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ عیدین میں راستہ میں اور اسی طرح عیدگاہ میں تکبیر واجب نہیں ہے تکبیر تو عید کی نماز میں واجب ہے اور امام طحاویؒ نے ذکر کیا ہے کہ ابن ابی عمرانؒ ہمارے سب اصحابؒ (امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ وغیرہم) سے یہ حکایت کرتے ہیں کہ عید الفطر کے دن ان سب کے نزدیک سنت یہ ہے کہ عیدگاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں تکبیر کہیں یہاں تک کہ عیدگاہ پہنچ جائیں اور جو چیز معلیؒ نے ان سے روایت کی ہے ہم اس کو نہیں جانتے۔

علامہ شرنبلالی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے مکبرًا سرًا (نور الایضاح ص ۱۱۹) یعنی آہستہ آہستہ تکبیر کہے اس کی تشریح کرتے ہوئے وہ مراقی الفلاح میں لکھتے ہیں کہ

قال علیہ السلام خیر الذکر الخفی وخیر الرزق ما یکفی وعندھما جھرًا وھو روایۃ عن الامام وکان ابن عمر یرفع صوتہ بالتکبیر۔ (ص ۲۹ طبع مصر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو اور بہترین رزق وہ ہے جو ضرورت میں کفایت کرے اور صاحبینؒ کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر کہے کیونکہ حضرت ابن عمرؓ بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے اور امام ابو حنیفہؒ کی بھی ایک روایت ہے۔

---

(۷) علامہ سید احمد طحطاوی المصری الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۳۱ھ) مکبرًا سرًا کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:

قال الطحاوی ذکر ابن ابی عمران عن اصحابنا جمیعًا ان السنۃ عندھم

امام طحاویؒ نے فرمایا کہ ابن ابی عمرانؒ نے ہمارے تمام اکابر اصحابؒ کے حوالہ سے بیان کیا کہ عید الفطر

يوم الفطران يكبر في طريق المصلى وهو الصحيح لقوله تعالىٰ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰاكُمْ وعندهما جهراً قال الحلبي الذي ينبغي ان يكون الخلاف في استحباب الجهر وعدمه لا في كراهته وعدمها فعندهما يستحب وعنده الاخفاء افضل وذلك لان الجهر قد نقل عن كثير من السلف كابن عمرؓ وعليؓ وابي امامة الباهليؓ والنخعيؒ وابن جبيرؒ وعمرؒ بن عبد العزيزؒ وابن ابي ليلىٰؒ وابانؒ بن عثمانؒ والحكمؒ وحمادؒ ومالكؒ والشافعيؒ واحمدؒ وابو ثورؒ كما ذكره ابن المنذرؒ في الاشراف اھ (طحطاوی ص۲۹۰ طبع مصر)

کے دن ان کے نزدیک سنت یہ ہے کہ عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر کہی جائے اور یہی صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک بلند آواز سے کہے حلبیؒ نے فرمایا کہ مناسب یہ ہے کہ اختلاف استحباب جہر اور عدم جہر میں ہو نہ یہ کہ کراہت اور عدم کراہت میں پس صاحبینؒ کے نزدیک جہر مستحب ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک اخفاء افضل ہے اور جہر کے مستحب ہونے کی وجہ ہے کہ یہ بہت سے سلفؒ سے منقول ہے جیسے حضرت ابن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوامامہ الباہلیؓ، اور حضرت نخعیؒ، ابن جبیرؒ، عمرؒ بن عبدالعزیزؒ، ابن ابی لیلیٰؒ، ابانؒ بن عثمانؒ، حکمؒ، حمادؒ، مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ اور ابوثورؒ وغیرہ جیسا کہ امام ابن المنذرؒ نے اپنی کتاب الاشراف میں نقل کیا ہے۔

فائدہ: طحطاوی میں کتابت کی غلطی سے بجائے الاشراف کے الاشراق لکھا گیا ہے۔ علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذرؒ (المتوفی ۳۱۸ھ) کی کتاب کا نام کتاب الاشراف فی اختلاف العلماء ہے (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ج۲ ص۴ للعلامۃ شمس الدین الذہبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ) پھر آگے لکھتے ہیں کہ:۔

قوله وكان ابن عمرؓ يرفع صوته بالتكبير اجيب عنه من طرف الامام بانه قول صحابي فلا يعارض به عموم الآية القطعية اعني قوله تعالىٰ وَاذْكُرُ

ان کے اس قول کا کہ حضرت ابن عمرؓ تکبیر کے وقت آواز بلند کرتے تھے امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ صحابی کا قول ہے اور اس کو قرآن کریم کی اس قطعی عام آیت کے معارضہ میں

رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (الآیۃ) (طحطاوی ص۲۹۰)	نہیں پیش کیا جاسکتا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ذکر کر تو اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی کرتے ہوئے اور جہر سے کم قول کے ساتھ۔

ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اختلاف عید الفطر کے دن عیدگاہ تک جاتے ہوئے تکبیر بالجہر اور بالسر میں ہے امام صاحبؒ مشہور روایت کے مطابق جہر کے قائل نہیں اور مشہور روایت کے پیش نظر ان کا استدلال آیت کریمہ سے ہے اور حضرات صاحبینؒ جہراً تکبیر کے قائل ہیں اور حضرت امام صاحبؒ سے بھی ایک روایت ایسی ہی ہے اور ان کا استدلال حضرت ابن عمرؓ وغیرہ کے عمل سے ہے جن حضرات نے حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا مطلق ذکر کرکے جہر اور سر کے بارے بیان اور نقل کیا ہے ان کی رائے صحیح نہیں ہے نزاع صرف عید الفطر کی تکبیر کا ہے۔

کبیری

مؤلف ذکر بالجہر کو ہم سے شکوہ ہے کہ ہم نے راہ سنت میں کبیری کی پوری عبارت نقل نہیں کی (ملاحظہ ہو ذکر بالجہر ص۶ تا ۶۶) لیجئے ہم پوری عبارت نقل کردیتے ہیں اور اس کے علاوہ کبیری ہی سے اور عبارات بھی نقل کردیتے ہیں تاکہ حقیقت واضح ہوجائے کہ کبیری کی عبارات ان کی تائید کرتی ہیں یا ہماری، علامہ ابراہیم حلبی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ویستحب التکبیر جهراً فی طریق المصلی یوم الاضحیٰ اتفاقاً للاجماع واما یوم الفطر فقال ابو حنیفۃؒ لا یجهر به وقالا یجهر وعن ابی حنیفۃؒ کقولهما لقوله تعالیٰ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وروی الدارقطنی عن سالم ان عبد اللّٰہ رضؓ بن عمرؓ اخبره ان رسول اللّٰہ صلے اللّٰہ علیه وسلم کان یکبر فی	عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ کے راستہ میں بلند آواز سے تکبیر کہنے کے استحباب پر اتفاق و اجماع ہے بہرحال عیدالفطر کے دن تو امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر نہ کہی جائے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہی جائے اور امام صاحبؒ سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اور تاکہ تم گنتی پوری کرلو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔

الفطر من حين يخرج من بيته حتى
يأتي المصلى ولابي حنيفة ان رفع الصوت
بالذكر بدعة مخالف للامر في قوله
تعالى وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا
وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ اِلَّا مَاخُصَّ بالاجماع
والجواب عما استدلا به اما الآية فبانها
يحتمل ان يراد بها التكبير في الصلوٰة
او يراد بها نفس الصلوٰة والتكبير
بمعنى التعظيم على انها لا دلالة
فيها على الجهر واما الحديث فانه
ضعيف بموسى بن محمد بن عطاء
ابي الطاهر المقدسي ثم ليس فيه ايضاً
ما يدل على انه يجهر به نعم روى
الدارقطني موقوفا عن نافع ان ابن عمرؓ
كان اذا غدا يوم الفطر ويوم الاضحى
يجهر بالتكبير حتى يأتي المصلى ثم
يكبر حتى يأتي الامام وقال البيهقي
الصحيح وقفه على ابن عمرؓ وهو قول
صحابي قد عارضه قول صحابي آخر
روى ابن المنذر عن ابن عباسؓ انه
سمع الناس يكبرون فقال لقائد به
اكبر الامام قيل لا قال افجن الناس
ادركنا مثل هذا اليوم مع النبي صلى

اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی اور
دارقطنیؒ نے سالمؒ کے طریق سے روایت کی
ہے کہ عبداللہؓ بن عمرؓ نے ان سے بیان کیا کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر میں جب گھر
سے نکلتے تو عیدگاہ تک تکبیر کہتے رہتے اور امام
ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت
اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے کہ
اور ذکر کر اپنے رب کا اپنے دل میں عاجزی سے
ڈرتے ہوئے اور جہر سے کم مگر اس جگہ جہاں اجماع
سے خصوصیت ثابت ہو باقی جس آیت کریمہ
سے صاحبینؒ نے استدلال کیا ہے اس کا جواب
یہ ہے کہ احتمال ہے کہ اس تکبیر سے نماز کے اندر
کی تکبیر مراد ہو یا اس سے نفس نماز مراد ہو کیونکہ
تکبیر کے معنی تعظیم کے آتے ہیں علاوہ ازیں اس
آیت میں جہر پر کوئی دلالت نہیں بہرحال حدیث
تو وہ ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں
موسیٰ بن محمد بن عطاء ابوطاہر المقدسی ہے
(جو ضعیف ہے بلکہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا
لسان المیزان ج ۶ ص ۱۲۷) پھر اس حدیث میں
جہر پر کوئی دلیل نہیں ہے ہاں دارقطنیؒ نے
بطریق نافعؒ حضرت ابن عمرؓ سے موقوفاً یہ روایت
کی ہے کہ وہ جب عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں
عیدگاہ کی طرف چلتے تو تکبیر کہتے یہاں تک کہ

اللہ علیہ وسلم فما کان احد یکبر قبل الامام فیبقی مفاد الآیۃ بلا معارض علی ان قول الصحابی لا یعارضہ ھذا والذی ینبغی ان یکون الخلاف فی استحباب الجھر وعدمہ لا فی کراھیتہ وعدمھا فعندھما یستحب وعند الاخفاء افضل وذلک لان الجھر قد نقل عن کثیر من السلف کابن عمرؓ وعلیؓ وابی امامۃ الباھلیؓ والنخعیؒ وابن جبیرؒ وعمر بن عبد العزیزؒ وابن ابی لیلیٰؒ وابانؒ بن عثمانؒ والحکمؒ وحمادؒ ومالکؒ واحمدؒ وابی ثورؒ ومثلہ عن الشافعیؒ ذکرہ ابن المنذرؒ فی الاشراف وقال الفقیہ ابو جعفر والذی عندنا انہ لا ینبغی ان تمنع العامۃ عن ذلک لقلۃ رغبتھم فی الخیرات وبہ نأخذ یعنی انھم اذا منعوا عن الجھر بہ لا یفعلونہ سرًا فینقطعون عن الخیر بخلاف العالم الذی یعلم ان الاسرار ھو الافضل۔

(کبیری ص۵۲۵ طبع دیوبند)

امام تک جا پہنچتے اور امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے اور یہ صحابی کا قول ہے اور اس کے مقابل ایک اور صحابی کا قول ہے چنانچہ ابن المنذرؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے انہوں نے لوگوں کو تکبیر کہتے سنا تو اپنے قائد سے فرمایا کیا امام نے تکبیر کہی ہے؟ وہ بولا نہیں تو فرمایا کیا پس لوگ پاگل ہو گئے ہیں ہم نے یہ دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پایا مگر کوئی بھی امام سے پہلے تکبیر نہیں کہتا تھا پس آیت کا مفاد بلا معارضہ رہ گیا علاوہ ازیں صحابی کے قول کا آیت کے معارضہ میں پیش کرنے کا کیا معنیٰ؟ اس کو مضبوطی سے پکڑو اور مناسب بات یہ ہے کہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف استحباب جہر اور عدم استحباب جہر میں ہو نہ اس کے مکروہ اور نہ مکروہ ہونے کے بارے میں سو صاحبینؒ کے نزدیک جہر مستحب ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک آہستہ پڑھنا افضل ہے اور یہ اس لئے کہ جہر بہت سے سلفؒ سے منقول ہے مثلاً حضرت ابن عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوامامہ الباہلیؓ، امام نخعیؒ، ابن جبیرؒ، عمر بن عبد العزیزؒ ابن ابی لیلیٰؒ ابانؒ بن عثمانؒ، حکمؒ، حمادؒ، مالکؒ، احمدؒ ابو ثورؒ اور اسی طرح امام شافعیؒ سے مروی ہے جیسا کہ

ابن المنذرؒ نے الاشراف میں ذکر کیا ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک مناسب نہیں کہ عام لوگوں کو اس سے منع کیا جائے کیونکہ ان کی رغبت نیکیوں میں ایسے ہی کم ہوتی ہے اور اسی قول کو ہم لیتے ہیں یعنی جب ان کو جہر سے منع کیا جائے تو آہستہ بھی تکبیر نہیں کہیں گے تو وہ خیر سے رک جائیں گے بخلاف عالم کے جو یہ جانتا ہے کہ آہستہ تکبیر کہنا ہی افضل ہے۔

اس ساری عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ جن مواقع پر شرعاً جہر ثابت نہیں ان مواقع پر جہر تکبیر اور بلند آواز سے ذکر کو بدعت کہتے ہیں اور ہم نے حضرت امام صاحبؒ کا جو مسلک راہ سنت میں نقل کیا ہے اس ساری عبارت کے نقل کرنے کے بعد بھی وہ وہی رہا ہے اور اس میں سرِ مُو تفاوت نہیں ہوا جیسا کہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے، اس عبارت سے اصولاً جو کچھ ثابت ہوا ہے اس کا یوں تجزیہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا اس پر اتفاق ہے کہ عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر کہنا شرعاً ثابت ہے اس لئے بلند آواز سے تکبیر کہنی چاہیئے۔

(۲) عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنے کے بارے حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا آپس میں اختلاف ہے حضرت امام صاحبؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر نہیں کہنی چاہیئے اور دوسری روایت یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنی چاہیئے اور اسی کو امام رازیؒ نے ترجیح دی ہے کما مر اور حضرات صاحبینؒ کا یہی مسلک ہے، حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا یہ اختلاف تکبیرات عیدین کے بارے میں نہیں جیسا کہ مؤلف ذکریا الجہر نے یہ لکھ کر کم فہمی کا ثبوت دیا ہے کہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں عیدین کی تکبیرات کو سرًا کہے اور صاحبینؒ کہتے ہیں کہ تکبیرات کو جہرًا کہے اھ (ص ۶)

(۳) عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر کہنے اور نہ کہنے کے سلسلہ میں حضرت

امام صاحبؒ سے حضرات فقہاء احنافؒ نے دو قول نقل کئے ہیں ایک یہ کہ عید الفطر کی خصوصیت کو ملحوظ رکھ کر سرے سے تکبیر نہ کہے کیونکہ ذکر وجب کسی وقت سے مخصوص کر دیا جائے گا تو صحیح ہوگا بلکہ مکروہ اور بدعت ہوگی ہاں محض ذکر کے طور پر کرے تو درست ہے بحر الرائق اور خلاصۃ الفتاوی وغیرہ کی عبارات میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ ذکر تو ہو لیکن جہراً نہ ہو اور حضرات صاحبینؒ یہ فرماتے ہیں کہ جہراً ہو والذی ینبغی ان یکون الخلاف الخ میں علامہ حلبیؒ نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور اسی کو علامہ شامیؒ نے یوں تعبیر کیا ہے والخلاف فی الافضلیۃ اما الکراھیۃ فمنتفیۃ عن الطرفین (شامی ج ۱ ص ۷۷۸) اور یہ اختلاف افضلیت میں ہے اور کراہت دونوں کے نزدیک نہیں ہے یہ کراہت صرف عید الفطر کے دن عید گاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنے سے منتفی ہے اس سے عام ذکر کا جہر سمجھنا یا دیگر غیر مستثنیٰ مقامات میں تکبیر کا جہراً جواز سمجھنا جیسا کہ مؤلف ذکریا الجہر کا عندیہ ہے اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے یہ دلائل کے رو سے قطعاً غلط ہے اور اس کی کوئی وقعت نہیں اور عید الفطر کی اس تکبیر کو نہ تو ہم نے بدعت کہا ہے اور نہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اسے راجح روایت کے رُو سے مکروہ کہا ہے مؤلف ذکریا الجہر کا اس کے نتیجہ میں یہ لکھنا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جہر مباح ہے اور آپ اسے حرام و مکروہ سے کم نہیں کہتے اب بتلائیے کہ مسلک حنفی کو ہم نے چھوڑا یا آپ نے؟ (بلفظہٖ ص ۶۳) سو گذارش ہے کہ مسلک حنفی کو آپ لوگوں نے ہی چھوڑا ہے اور اس کی آپ ہی کو توفیق ہوئی ہے بحمداللہ تعالیٰ ہم نے نہ تو دیگر نزاعی مسائل میں حضرت امام صاحبؒ کا مسلک چھوڑا ہے اور نہ اس مسئلہ میں جیسا کہ اس کتاب کو پڑھنے والے حضرات اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں ہم تو آپ لوگوں کی مصنوعی حنفیت پر ماتم کناں ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ اور فقہ حنفی کی صریح عبارات کا کھلے بندوں رد کرنے اور ان کے بالکل برعکس چلنے سے بھی آپ لوگوں کی حنفیت میں فرق نہیں آتا بلکہ آپ حضرات کو علمی طور پر شرم بھی نہیں آتی اور بحمداللہ تعالیٰ ہم اپنے حنفی ہونے پر نازاں ہیں ؎

وہ تیری گلی کی قیامتیں کہ لحد کے مُردے اُکھڑ گئے
یہ میری جبینِ نیاز ہے کہ جہاں دھری تھی دھری رہی

(۴) امام ابو جعفر الہندوانیؒ نے جو یہ فرمایا کہ عوام کو جہر سے نہ منع کیا جائے کیونکہ ان کی رغبت اور شوق

امور دین میں کم ہوتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ سرے سے تکبیر ہی چھوڑ دیں یہ صرف عید الفطر کے دن کے بارے میں ہے عمومی طور پر ذکر بالجہر کی بات نہیں ہو رہی جیسا کہ مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ نے یہ باور کرانے کی بے جا سعی کی ہے کہ سمجھنے والے اس سے عمومی ذکر کا حکم سمجھ لیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اور انہی کی پیروی میں مؤلف ذکر بالجہر نے یہ سمجھ رکھا ہے اور عید الفطر کی یہ کاروائی ان مستثنیٰ مواقع میں شامل ہے جن میں تکبیر بالجہر جائز ہے بہت سے سلف کا بھی اس پر عمل تھا اور حضرت امام صاحبؒ کی بھی ایک روایت یہ ہے۔

مؤلف ذکر بالجہر کی بدحواسی

مؤلف ذکر بالجہر علامہ علیؒ کے اس حوالہ سے خاصے پریشان ہوئے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا بدعت ہے، حضرت امام صاحبؒ کے فتویٰ میں لفظ بدعت نے ان کے ہوش و حواس اڑا دیئے ہیں اور ص ۶۴ اور ص ۶۵ میں لفظوں کی شعبدہ بازی اور بائیں ہاتھ کے کرتب سے یہ ثابت کرنے کی بالکل ناکام کوشش کی ہے کہ اس بدعت سے بدعت سیئہ مراد نہیں بلکہ بدعت حسنہ اور مستحب مراد ہے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ، اس مقام پر لفظ بدعت سے بدعت حسنہ مراد لے کر اپنے دل کی تسکین تلاش کرنا ہوائی قلعہ میں پناہ لینا ہے اس لئے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ سید الفقہاء اور سراج الامت اپنے اس فتویٰ کی دلیل یہ پیش فرماتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کے مخالف ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ الآیۃ کیا مؤلف ذکر بالجہر اور ان کی جماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے صریح امر اور حکم کی جو قرآن کریم کی نص قطعی میں وارد ہوا ہو مخالفت کرنا بدعت مستحبہ ہے؟ اگر واقعی ان کے نزدیک قرآن کریم کے صریح امر اور حکم کی مخالفت بدعت مستحبہ ہے تو پھر صحیح حدیث کی مخالفت تو ضرور فرض عین ہوگی؟ اور کیا وہ اپنے اسی نظریہ کے تحت متعدد صحیح اور صریح احادیث کی مخالفت کر کے ثواب دارین تو حاصل نہیں کر رہے؟ اور لطف کی بات یہ ہے کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ الآیۃ سے ذکر جہر کے بدعت ہونے پر استدلال ماؤ شما کا نہیں فقیہ الامت حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ہے جن کی فقاہت کا لوہا ساری دنیا مانتی ہے اور ان سے اختلاف رکھنے والے حضرات بھی ان کو عقل کا خارقہ کہنے پر مجبور ہیں (ملاحظہ ہو راقم کی کتاب مقام ابی حنیفہؒ) الغرض اس عبارت میں لفظ بدعت کی یہ تاویل اور توجیہ قطعاً باطل اور سراسر بے بنیاد ہے اور حضرت امام صاحبؒ کے اس ارشاد کی یہ توجیہ تَوْجِيْهُ الْقَوْلِ بِمَا لَا يَرْضٰى

بہ قائلہٗ کا مصداق ہے جو بالکل مردود ہے اور اس کے علاوہ حضرات فقہاء کرامؒ کے اس سے پہلے بیان کردہ اور آئندہ آنے والے حوالے اور عبارات اس باطل توجیہ کے مردود ہونے کی ایک الگ اور مستقل دلیل ہے اور اس بے بنیاد تاویل کا علمی دنیا میں کوئی مقام نہیں۔ علامہ حلبیؒ کا مزید ارشاد سنیئے چنانچہ وہ ایام تشریق کی تکبیرات کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:۔

وتکبیر التشریق عقیب الصلوٰت قیل سُنّۃ عندنا والاکثر علیٰ انہ واجب لمواظبتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام علیہ من غیر ترک وکذا الخلفاء الراشدون والصحابۃ بشرط الاقامۃ والحریۃ والذکورۃ وکون الصلوٰۃ فریضۃ بجماعۃ مستحبۃ فی المصر ھذا کلہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فلا تجب علیٰ مسافر ولا عبد ولا امرأۃ الا اذا اقتدوا بمن تجب علیہ ولا تجب عقیب الواجب کالوتر وصلوٰۃ العید ولا عقیب النوافل ولا علیٰ المنفرد ولا علیٰ المعذورین صلوٰۃ الظھر یوم الجمعۃ بجماعۃ ولا علیٰ اھل القریٰ وعندھما یجب علیٰ کل من یصلی المکتوبۃ لانہ تبع لھا ولھما ان الجھر بالتکبیر خلاف السنّۃ والشرع ورد بہ عند استجماع ھذہ الشرائط فیقتصر الا با لاقتداء یجب بطریق

اور نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک سنت ہے اور اکثر اس پر ہیں کہ واجب ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسی طرح حضرات خلفاء راشدینؓ اور دیگر حضرات صحابہؓ نے اس پر ہمیشگی کی ہے اور اس کو کبھی چھوڑا نہیں (اور یہ وجوب کی دلیل ہے) لیکن شرط یہ ہے کہ مقیم آزاد اور مرد ہو اور نماز فرض ہو جو ایسی جماعت سے ادا کی گئی ہو جو مستحب ہو اور شہر میں ہو یہ ساری تفصیل حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک مستحب ہے پس یہ تکبیر مسافر غلام اور عورت پر واجب نہیں مگر یہ اس کی اقتدا کریں جس پر یہ تکبیر واجب ہے (مثلاً مقیم وغیرہ) اور یہ تکبیر تشریق صلوٰۃ وتر کے بعد بھی واجب نہیں (کیونکہ وتر واجب ہیں فرض نہیں) اور اسی طرح عید کی نماز اور نفلوں کے بعد بھی واجب نہیں اور منفرد پر بھی واجب نہیں اور ان معذوروں پر جو جمعہ کے دن ظہر کی نماز جماعت سے ادا کریں اور نہ دیہاتیوں پر یہ تکبیر لازم ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جو شخص

التبعیۃ اھ
(کبیری ص۵۳۱)

بھی فرض نماز پڑھے اس پر یہ تکبیر واجب ہے کیونکہ یہ تکبیر فرضی نماز کے تابع ہے اور امام صاحبؒ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سُنّت کے خلاف ہے اور شریعت میں اس مقام پر جہر کا حکم آیا ہے جہاں یہ شرطیں موجود ہوں تو یہ حکم اسی مورد پر بند رہے گا ہاں مگر جو ان میں کسی کی اقتدا کرے تو بالتبع اس پر واجب ہو جائیگی۔

اس عبارت سے بھی بصراحت معلوم ہوا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر کہنا سُنّت کے خلاف ہے اور ظاہر بات ہے کہ جو چیز سنّت کے خلاف ہو وہ بدعت سیئہ ہی ہوگی۔ بدعت حسنہ کبھی نہیں ہو سکتی، لیکن جن مقامات پر شریعت نے جہر کی اجازت دی ہے وہاں ان شرائط کے ساتھ جہر کرنا جائز ہوگا جو شرعاً معتبر ہیں جہاں وہ شرائط مفقود ہوں وہاں امام صاحبؒ کے نزدیک اصل قاعدہ ہی یہی ہے کہ جہر خلاف سنت اور بدعت ہے اب مؤلف ذکر بالجہری از روئے انصاف یہ بتائے (اگر انصاف ان کے نزدیک کوئی چیز ہے) کہ ہم نے حضرت امام صاحبؒ کا مسلک بحوالہ کبیری جو نقل کیا ہے اس میں کیا کمی واقع ہوئی ہے کہ وہ بلا وجہ علمی اور تحقیقی سطح سے بہت نیچے اتر کر جلی کٹی سنانے اور سوقیانہ طرز اختیار کرنے پر آمادہ ہوئے ہیں؟

الغرض مستثنیٰ مقامات کو درمیان میں لاکر خلط مبحث کرنا علماء اور حق پسندوں سے کوسوں دور ہے حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ بعض اور مقامات کی نشاندہی بھی کرتے ہیں جہاں شرعاً ذکر بالجہر مطلوب ہے:-

ویسن الاسرار فی سائر الاذکار ایضاً الا فی التلبیۃ والقنوت للامام وتکبیر لیلتی العید وعند رؤیۃ الانعام فی عشر ذی الحجۃ وبین کل سورتین من الضحیٰ الیٰ آخر القرآن وذکر السوق

اور تمام اذکار میں اخفاء مسنون ہے مگر تلبیہ میں اور دعائے قنوت میں امام کے لئے بلند آواز سے تکبیر کہنا اور دونوں عیدوں کی راتوں میں اور ذوالحجہ کی دس تاریخوں میں (قربانی کے) جانور دیکھتے وقت اور سورۂ والضحیٰ سے

الوارد وعند صعود الهضبات والنزول من الشرفات۔

(مرقات ج ۲ ص ۲۵۴ طبع ملتان)

قرآن کریم کے آخر تک اور بازار میں جاتے وقت جو ذکر وارد ہوتا ہے اور ٹیلوں پر چڑھتے وقت اور بلندیوں سے اترتے وقت۔

گویا یہ اور اس قسم کے وہ تمام مقامات جن میں شرعاً بلند آواز سے ذکر کرنا ثابت ہے۔ ان میں جہر ہی مطلوب ہے اور ان کے علاوہ آہستہ ذکر کرنا مسنون ہے اور بازاروں میں بلند آواز سے ذکر کرنا ہر وقت مطلوب نہیں بلکہ عید الاضحیٰ کے دس دنوں میں ذکر مراد ہے۔

چنانچہ علامہ حصکفی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ولا یمنع العامۃ من التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر وبہ نأخذ۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۷۷۶ طبع مصر)

عام لوگوں کو (عید کے) دس دنوں میں تکبیر کہنے سے منع نہیں کرنا چاہیئے اور ہم اسی قول کو لیتے ہیں۔

اس کی شرح میں علامہ شامی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

فی المجتبیٰ قیل لابی حنیفۃ ینبغی لاھل الکوفۃ وغیرھا ان یکبروا ایام العشر فی الاسواق والمسجد قال نعم وذکر الفقیہ ابو اللیث ان ابراھیم بن یوسف کان یفتی بالتکبیر فیھا قال الفقیہ ابو جعفر والذی عندی انہ لاینبغی ان تمنع العامۃ عنہ لقلۃ رغبتھم فی الخیر وبہ نأخذ فافادان فعلہ اولیٰ۔

(شامی ج ۱ ص ۷۷۶)

مجتبیٰ میں ہے کہ امام ابو حنیفہؒ سے کہا گیا کہ کیا اہل کوفہ وغیرہ کے لئے مناسب ہے کہ وہ دس دنوں میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیر کہیں؟ تو آپ نے فرمایا ہاں اور فقیہ ابو اللیثؒ نے فرمایا ہے کہ امام ابراہیمؒ بن یوسفؒ البلخی جو بہت بڑے امام تھے المتوفی ۲۴۱ھ، ان دنوں میں تکبیر کہنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ میری رائے میں عوام کو تکبیر کہنے سے منع نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ نیکی کے کاموں میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے اور اسی کو ہم لیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا اچھا ہے۔

بلند آواز کے ساتھ یہ تکبیر بڑی عید کے دس دنوں کے ساتھ مختص ہے نمازوں کے بعد مسجدوں

میں ہو یا بازاروں میں جن کو تاہ فہم لوگوں نے اس سے عمومی طور پر ہر وقت بلند آواز کے ساتھ تکبیر پڑھنے کا جواز سمجھا ہے وہ سخت غلطی پر ہیں اگرچہ ان ایام میں بازاروں میں بلند آواز سے تکبیر پڑھنے کو بھی بہت سے اکابر احناف نے بدعت سے تعبیر کیا ہے مگر امام ابو جعفر محمد بن عبداللہ الہندوانی الحنفی (المتوفی ۳۶۲ھ) کے قول کے مطابق اس میں گنجائش ہے کہ بازاروں میں ان دس دنوں میں بلند آواز سے تکبیر کہی جائے۔

چنانچہ امام طاہر بن احمد بن عبدالرشید الحنفی (المتوفی ۵۴۲ھ) رقم طراز ہیں کہ:۔

ویکبر من یذهب الی العید یوم الاضحی	جو شخص عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ کی طرف جائے
ویجهر بالتکبیر ولا یکبر یوم الفطر وعندهما	وہ بلند آواز سے تکبیر کہے اور عید الفطر کے دن
یکبر ویخافت وهو احدی الروایتین	تکبیر نہ کہے اور صاحبینؒ کے نزدیک تکبیر کہے مگر
عن ابی حنیفةؒ والاصح ماذکرنا انه لایکبر	آہستہ اور امام صاحبؒ کی دو روایتوں میں سے
فی عید الفطر وفی النوازل سئل عن	ایک یہی ہے اور صحیح تر بات وہ ہے جو ہم نے
رفع الصوت بالتکبیر فی طریق المصلی	ذکر کی کہ عید الفطر کے دن تکبیر نہ کہے اور نوازل
فقال روی عن ابی یوسف انه کان	میں ہے کہ عیدگاہ کے راستہ میں بلند آواز سے
لایکره ذلك فی العیدین جمیعًا وعن	تکبیر کے بارے میں سوال ہوا تو انہوں نے کہا کہ
محمد انه خرج الی العیدین مع خمسین	امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ وہ دونوں
اوستین شیخًا وکانوا یکبرون وکان	عیدوں میں اس کو مکروہ نہ سمجھتے تھے اور امام
ابراهیم بن یوسف یفتی بالتکبیر	محمدؒ سے مروی ہے کہ وہ پچاس یا ساٹھ بزرگوں
فی الاسواق فی ایام العشر وسئل ابراهیم	میں عیدین کی نماز کے لئے نکلے اور وہ سبھی تکبیر
النخعیؒ عن ذلك فقال تکبیر الحرکة و	کہتے تھے اور امام ابراہیمؒ بن یوسفؒ دس دنوں
قال الفقیه ابوجعفرؒ سمعت عن	میں بازاروں میں تکبیر کہنے کا فتویٰ دیا کرتے تھے
مشائخنا یرون ذلك بدعة والذی	اور امام نخعیؒ سے اس کے بارے سوال ہوا تو انہوں
عندی انه لاینبغی ان یمنع العامة	نے فرمایا حرکت والی تکبیر ہے اور فقیہ ابو جعفرؒ
عن ذلك لقلة رغبتهم عن الخیرات	نے فرمایا کہ میں نے اپنے مشائخ سے سنا ہے کہ وہ اس

(خلاصۃ الفتاوی ج ۱ ص ۲۱۳ طبع نولکشور لکھنؤ)

کو بدعت سمجھتے تھے مگر میرے نزدیک مناسب نہیں کہ عوام کو اس سے منع کیا جائے کیونکہ نیکیوں میں ان کی رغبت کم ہوتی ہے۔

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوا کہ مشائخ احناف میں وہ حضرات بھی تھے جو بازاروں میں بڑی عید کے دس دنوں میں بلند آواز کے ساتھ تکبیر کہنے کو بدعت کہتے تھے فقیہ ابو جعفر الہندوانی نے ان دنوں میں عوام کو نیکیوں میں قلت رغبت کی وجہ سے مبتلا ہونے کی وجہ سے اجازت دی ہے اور اسی پر بعد کے فقہاء کرام مدار رکھتے ہوئے اس کی اجازت دیتے ہیں لیکن یہ اجازت صرف ان دس دنوں کے ساتھ مخصوص ہے اور دوسرے دنوں میں اس کی اجازت سمجھنا جہالت یا خیانت ہے نعوذ باللہ تعالیٰ منہا۔

امام قہستانیؒ کا حوالہ ——— مؤلف ذکر بالجہر لکھتے ہیں:۔

ساداتنا سرفراز صاحب کے ہوش و حواس سے معذرت کے ساتھ شامی سے ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے (ہم نے عربی عبارت کی بجائے صرف ترجمہ پر ہی اکتفاء کی ہے اور یہ ترجمہ مؤلف ہی کا ہے)

بلکہ قہستانیؒ نے امام صاحبؒ سے دو روایتیں نقل کی ہیں ایک یہ کہ اخفاء کرے دوسری یہ کہ جہر کرے جیسے صاحبینؒ کا قول ہے انہوں نے کہا کہ یہ دوسری روایت ہی صحیح ہے اور جیسا کہ ابو بکر رازیؒ نے کہا اور اس کی مثل نہر میں ہے اور حلیہ میں فرمایا کہ عید الفطر میں اختلاف ہے پس امام صاحبؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ جہر کیا جائے اور یہی صاحبینؒ کا قول ہے اور یہی امام طحاویؒ کا مختار ہے اور ایک روایت ان سے اخفاء کی بھی ہے (شامی ج ۱ ص ۷۷۵ ذکر بالجہر ص ۷۶۳) اس کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ:۔

پس معلوم ہوا کہ عید الفطر کی تکبیروں میں امام صاحبؒ سے دو روایتیں ہیں ایک سر کی اور دوسری جہر کی اور قہستانیؒ کے نزدیک صحیح روایت جہر ہی کی ہے اسی کو صاحبینؒ نے اختیار کیا جو فقہاء کے طبقہ ثانیہ سے اور مجتہد فی المذہب ہیں اور اسی کو امام ابو جعفر طحاویؒ نے اختیار اور یہ طبقہ ثالثہ سے ہیں اور مجتہد فی المسائل ہیں اور اسی کو ابو بکر رازیؒ نے اختیار کیا۔ یہ طبقہ رابعہ سے ہیں اور صاحب تخریج ہیں اس کے علاوہ صاحب نہر صاحب حلیہ اور صاحب جامع رموز قہستانیؒ نے اس کو اختیار کیا یہ سب طبقہ سادسہ سے ہیں پس اب سرفراز صاحب سے گذارش ہے کہ ذکر سے فقط ہم ہی بدعتی اور

عوام کے مرتکب ہوتے ہیں یا اس مبارک فتویٰ سے کچھ حصہ امام ابو حنیفہؒ سے لے کر طبقہ سادسہ تک کے فقہاء کو بھی ملے گا خوب غور و فکر سے جواب دیجئے، بینوا توجروا۔ انتہیٰ (ذکر بالجہر ص۶۴)

الجواب: - ان کی یہ سب کاوش بے کار ہے۔ زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم امام قہستانیؒ (شمس الدینؒ المتوفی ۹۵۳ھ) کی پوری عبارت نقل کر دیں تاکہ مؤلف مذکور کی طبیعت صاف ہو جائے، یوم اضحیٰ کے احکام بیان کرتے ہوئے ماتن کے اس قول ویکبر جهرًا فی الطریق کی شرح میں وہ لکھتے ہیں کہ:-

ای طریق المصلّٰی بلا خلاف وفیہ اشارۃ الی انہ یقطعہ اذا انتہی الیہ وفی روایۃ یکبر الی ان یفتتح الامام صلوٰتہ وفی انہ لا یکبر فی الفطر جهرًا فی الطریق وفی روایۃ عنہ انہ یکبر وہو قولہما کما فی المحیط وقال الطحاوی ان الجهر بہ فی الطریق سنۃ عند اصحابنا جمیعًا اھ والصحیح علی ما قال الرازی کما فی الجلابی وعنہ انہ یکبر خفیۃ کما فی الزاہدی والمختار عند اکثر المشائخ ان یکبر فیہما خفیۃ وبہ نأخذ کما فی المضمرات تحرزا عن بدعۃ الجهر بالذکر ومدار الامر ان الفعل متی حام حول السنّۃ والبدعۃ معًا کان ترکہ اولٰی من اتیانہ کما فی الکرمانی واعلم انہ ذکر ابو بکر الرازی قال مشائخنا ان التکبیر جهرًا فی غیر ہٰذہ الایام

یعنی عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر کہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اور اس میں اشارہ ہے کہ جب عیدگاہ پہنچ جائے تو تکبیر موقوف کر دے اور ایک روایت میں ہے کہ امام کے نماز شروع کرنے تک تکبیر کہتا رہے۔ اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ عید الفطر کے دن راستہ میں بلند آواز سے تکبیر نہ کہے اور امام صاحبؒ کی ایک روایت میں ہے کہ تکبیر کہے اور یہی صاحبینؒ کا قول ہے جیسا کہ محیط میں ہے اور امام طحاویؒ نے فرمایا کہ بلند آواز سے راستہ میں تکبیر کہنا ہمارے تمام اصحابؒ کے نزدیک سُنّت ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ امام رازیؒ نے فرمایا اسی طرح جلابی میں ہے اور امام صاحبؒ کی ایک روایت یوں ہے کہ آہستہ تکبیر کہے جیسا زاہدی کی تنبیہ میں ہے اور ہمارے اکثر مشائخ کے نزدیک مختار یہ ہے کہ دونوں عیدوں میں آہستہ تکبیر کہے اور ہم بھی اسی قول کو لیتے ہیں جیسا کہ مضمرات میں ہے تاکہ

آواز سے تکبیر کہنا سنت نہیں ہے اِلّا یہ کہ دشمنوں یا چوروں کا مقابلہ ہو تو الگ بات ہے اس سے اس ذکر بالجہر کا ثبوت کیسے ہوا جس کے درپے مؤلف ذکر بالجہر اور ان کے حواری ہیں اور جس جہر بالذکر کا ارتکاب کرکے ان کی جماعت نہ تو مسجدوں میں آرام سے لوگوں کو نماز اور تلاوت وغیرہ ادا کرنے دیتی ہے اور نہ سکون سے راتوں کو نیند کرنے دیتی ہے اس چیز کا ثبوت ان ائمہ کرام میں سے کس سے ہے؟ یہ ہے صحیح مقام غور و فکر سے بینوا توجروا جس کی طرف مؤلف مذکور کی توجہ ہی نہیں۔

فائدہ:۔ محیط کا لفظ جب مطلق بولا جائے تو اس سے امام رضی الدین محمدؒ بن محمد السرخسی الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۴ھ) کی محیط مراد ہوتی ہے جو عموماً نایاب ہے مگر مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے کتب خانہ میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے (تذکرۃ الخلیل ص۲۹۱) اور الزاہدی سے امام نجم الدین مختارؒ بن محمود الزاہدی الغزمینیؒ (المتوفی ۶۵۸ھ) کی کتاب قُنیہ مراد ہے۔

تکبیرات تشریق

تشریق کے معنی صاحب ہدایہ نے امام خلیلؒ بن احمدؒ اللغویؒ (المتوفی ۱۷۴ھ) کے حوالہ سے الجہر بالتکبیر کے کئے ہیں (ہدایہ ج۱ ص۱۵۵) اور بعض نے یہ معنی کئے ہیں کہ گوشت کو سورج میں بکھیر کر رکھنا تاکہ وہ خشک ہو جائے اور منیٰ کے مقام پر لوگ قربانی کے گوشت کو پتھر کی چٹانوں پر بکھیر دیتے تھے تاکہ خشک ہو جائے (بنایہ ہامش ہدایہ ج۱ ص۱۵۵) اور آج کل بھی لوگ ایسا ہی کرتے ہیں حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ نویں ذوالحجہ کی فجر کی نماز سے عیدالاضحیٰ کی عصر کی نماز سمیت سب نمازوں کے بعد ایک مرتبہ بلند آواز سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ پڑھنا واجب ہے لیکن ان شرائط کے ساتھ جو ان کے نزدیک ملحوظ ہیں جن کا ذکر آگے آرہا ہے انشاء اللہ العزیز اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک نویں کی صبح کی نماز کے بعد سے تیرھویں کی عصر تک یہ تکبیر پڑھنا ضروری ہے اور فقہاء احنافؒ کا عمل اسی پر ہے چنانچہ عالمگیری میں تصریح ہے کہ:

والفتوٰی والعمل فی عامۃ الامصار و کافۃ الاعصار علٰی قولھما کذا فی الزاھدی (عالمگیری ج۱ ص۱۶۱ طبع مصر)	فتویٰ اور عمل اکثر شہروں اور سب زمانوں میں صاحبینؒ کے قول پر رہا ہے جیسا کہ زاہدی میں ہے۔

اور قریب قریب یہی الفاظ درمختار ج۱ ص۷۸۶ طبع مصر میں ہیں لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ

الا یسنّ الا بازاء العدو او اللصوص تهییبًا لهم وقیل وکذا فی التحریق و المخاوف کلها وکذا کلما لقی جمعًا او علا شرفا او هبط وادیا کما فی الزاهدی انتهٰی۔

(جامع الرموز ج ۱ ص۱۲۱ طبع نولکشور لکھنؤ)

ذکر بالجہر کی بدعت سے بچا جائے اور معاملہ کی مدار اس پر ہے کہ جب فعل بیک وقت سنّت اور بدعت میں دائر ہو تو اس فعل کا ترک اس کے کرنے سے بہتر ہوگا، اسی طرح کرمانی میں ہے اور تو جان کہ امام ابوبکر رازیؒ نے فرمایا کہ ہمارے مشائخؒ فرماتے ہیں کہ ان دنوں کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر مسنون نہیں ہے مگر دشمنوں یا چوروں کے مقابلہ میں ان کو ڈرانے کے لئے اور کہا گیا ہے کہ اسی طرح آگ لگنے کے موقع اور تمام خطرات میں اور اسی طرح جب (سفر میں سامنے آنے والی) کسی جماعت سے ملاقات ہو یا کسی اونچی جگہ پر چڑھے یا کسی وادی میں اُترے اسی طرح زاہدی میں ہے۔

اس عبارت سے یہ بات بالکل آشکارا ہوگئی ہے کہ علّامہ قہستانیؒ نے عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے تکبیر کے جہر کو اختیار نہیں کیا بلکہ وہ عید الاضحیٰ کے موقع پر راستہ کی تکبیر کے بارے میں بھی لکھتے ہیں کہ آہستہ ہو تاکہ اس سے جہر بالذکر کی بدعت کا ارتکاب لازم نہ آئے اور پھر یہ ضابطہ بیان کرتے ہیں کہ جب ایک فعل سنت اور بدعت کے درمیان متردد ہو تو اس کو ترک کرنا ہی بہتر ہے تاکہ اس کے کرنے کی وجہ سے بدعت زندہ نہ ہو اور پھر امام ابوبکر الرازیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ان (عیدین کے) ایام کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنّت نہیں ہے مگر دشمنوں یا چوروں کو مرعوب کرنے کے لئے اس عبارت کو بغور و فکر دیکھ کر فیصلہ کریں کہ علّامہ قہستانیؒ کیا فرما گئے ہیں؟ پھر یہ بات بھی توجہ طلب ہے کہ حضرات صاحبینؒ اور امام طحاویؒ اور امام ابوبکر الرازیؒ وغیرہ نے تو صرف عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہنے کی اجازت دی ہے دوسرے مقامات میں تو نہیں دی بلکہ امام ابوبکر الرازیؒ نے تو تصریح فرمادی ہے کہ دوسرے مقامات پر بلند

اس سلسلہ میں چند شرائط لگاتے ہیں مثلاً یہ کہ فرضی نماز ہو، تکبیر پڑھنے والا مقیم ہو شہر میں ہو اور جماعت مستحبہ ہو (یعنی مثلاً تنہا عورتوں کی ہی جماعت نہ ہو کیونکہ وہ مکروہ ہے۔ شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۰) ہاں اگر عورتیں مردوں کی اقتدا کر لیں اور اسی طرح اگر مسافر مقیم امام کی اقتدا کر لیں تو عورتوں اور مسافروں پر امام کی پیروی اور اتباع میں تکبیر واجب ہو جائے گی (مگر عورتیں تکبیر آہستہ کہیں کیونکہ ان کی آواز پردہ ہے) اور جہاں یہ شرائط نہ ہوں تو وہاں حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک بلند آواز سے تکبیر کہنا خلافِ سنت ہے۔

چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ:-

ولان الجهر بالتكبير خلاف السنة والشرع ورد به عند استجماع هذه الشرائط الا انه يجب على النساء اذا اقتدين بالرجال وعلى المسافرين عند اقتدائهم بالمقيم بطريق التبعية (هدايه ج ۱ ص ۱۵۵)

اور اس لئے بھی کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا سنت کے خلاف ہے اور شریعت کا حکم وہاں ہے جب یہ شرطیں پوری ہوں مگر یہ کہ عورتوں پر بھی یہ تکبیر واجب ہو جائے گی جب کہ وہ مردوں کی اقتدا کریں اور اسی طرح مسافروں پر لازم ہے جبکہ وہ مقیم کی اقتدا کریں کیونکہ وہ اس کے تابع ہیں۔

حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں:-

ولابی حنیفةؒ ان الجهر بالتكبير خلاف الاصل والنصّ الوارد فيه اجتمع هذه الامور فتراعى۔

(شرح نقایہ ج ۱ ص ۱۳۰ طبع دیوبند)

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنا خلافِ اصل ہے اور جو نص اس میں وارد ہوئی ہے اس میں یہ امور موجود ہیں سو ان کی رعایت ملحوظ رکھی جائے گی۔

حضرات فقہاء احنافؒ کی ان عبارات کے پیشِ نظر حضرت امام صاحبؒ کا اور حضرت صاحبینؒ کا آپس میں اختلاف صرف دو باتوں میں ہے۔ ایک یہ کہ عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے امام صاحبؒ کی مشہور روایت کے مطابق بلند آواز سے تکبیر نہ کہی جائے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک (وروایۃ عن الامامؒ) جہراً تکبیر کہی جائے۔ دوسری یہ کہ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک عید الاضحیٰ کے موقع پر نویں ذوالحجہ کی فجر کی نماز سے لے کر دسویں کی عصر تک صرف آٹھ نمازوں کے بعد بلند آواز

سے تکبیر کہی جائے اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک تیرھویں تاریخ کی عصر تک تیئیس نمازوں کے بعد جہراً تکبیر کہنی چاہیے جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تصریح موجود ہے مثلاً الجوہرۃ النیرۃ ج ۱ ص ۱۲۲ طبع مصر (للعلامۃ ابی بکر بن علی المعروف بالحدادی العبادی الحنفیؒ المتوفی ۸۰۰ھ) اس کے علاوہ ذکر اور دعا کے بارے حضرت امام صاحبؒ اور حضرات صاحبینؒ کا کوئی اختلاف نہیں سب کے نزدیک ذکر اور دعا میں اصل اخفاء ہے اور جہر بدعت ہے اور فقہاء احنافؒ کی عبارات اس پر عرض کر دی گئی ہیں۔

طفلانہ سوال

مؤلف ذکر بالجہر لکھتے ہیں، ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ بلند آواز سے ذکر کرنا امام صاحبؒ کے نزدیک بدعت ہے تو بتلائیے کہ صاحبینؒ امام صاحبؒ کے نزدیک بدعتی ہوئے یا نہیں؟ جو عید الفطر اور عید الاضحیٰ دونوں میں جہر بالتکبیر کا حکم کرتے ہیں ثانیاً خود امام صاحبؒ عید الاضحیٰ میں جہر بالتکبیر کا حکم کرتے ہیں بتلائیے اب وہ خود بدعتی ہوئے یا نہیں؟ ثالثاً عید الفطر کے بارے میں امام صاحبؒ سے جہر بالتکبیر کی روایت ہے اب بتلائیے کہ وہ بدعتی ہوئے یا نہیں؟ رابعاً عید الاضحیٰ کو جہر بالتکبیر کرنا سنت سے ثابت ہے اور آپ جہر کو بدعت قرار دیتے ہیں تو سرفراز صاحب وہ بدعت کی کونسی قسم ہے جو سنت سے ثابت ہوتی ہے؟ ذرا سوچ کر اور ہوش سے جواب دیں (ملفوظ ذکر بالجہر ص ۶۲ ص ۶۳)

الجواب: یہ جو کچھ انہوں نے کہا ہے کم فہمی اور قلت تدبر کا شرمناک نتیجہ ہے اولاً اس لئے کہ حضرت امام صاحبؒ نے قرآن کریم کے حکم کے مطابق یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ اصل ذکر میں اخفاء ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے مگر ان جگہوں میں جہاں خود شریعت نے جہر کی اجازت دی ہے اور تکبیرات عیدین اور عید الاضحیٰ کے لئے جاتے ہوئے راستہ کی تکبیر اور ایک روایت میں عید الفطر کی بلند آواز سے تکبیر میں ان کے نزدیک شرعاً جہر ثابت اور مطلوب ہے پھر یہ ان کے نزدیک بدعت کیسے ہو گی؟ وثانیاً اس لئے امام صاحبؒ یوم الاضحیٰ کی بلند آواز سے تکبیر کو سنت بلکہ واجب فرماتے ہیں (جیسا کہ کبیری کی عبارت میں مذکور ہے) اور اس پر وہ دلائل پیش فرماتے ہیں لہٰذا ان کے نزدیک وہ کیوں بدعت ہو گی؟ وثالثاً حضرت امام صاحبؒ کی طرف سے کبیری وغیرہ میں الا ما خص بالاجماع اور الا ما استثناہ الشرع وغیرہ دلیلیں پیش کی گئی ہیں ان کے ہوتے ہوئے محض سینہ زوری سے ان کے فتوی کو بدعت قرار دینا اور دوسروں کو نیچا دکھانے کی لاحاصل کوشش کرنا زی جسارت ہے (نعوذ باللہ من تعالیٰ)

اور رابعاً عید الفطر کی تکبیر کے بارے امام صاحبؒ کی دو روایتیں ہیں ایک میں وہ جہراً تکبیر کے قائل ہیں اور اعلم الناس بمذہب ابی حنیفہؒ اور وکیل احناف حضرت امام طحاویؒ نے اسی کو ترجیح دی ہے، کما مرّ عن احکام القرآن ہاں دوسری روایت کے پیشِ نظر حضرات صاحبینؒ پر بدعت کا الزام لگ سکتا ہے لیکن چونکہ باقرار مؤلف مذکور (دیکھئے ص۶۴) حضرات صاحبینؒ مجتہد فی المذہب ہیں اور تعارض اوّل کے وقت ان کو اجتہاد کا حق ہے اور بصورتِ خطا بھی وہ معذور بلکہ ماجور ہوتے ہیں (بخاری ج۲ ص۱۰۹۲ و مسلم ج۲ ص۷۶) لہٰذا مجتہد کا کوئی بھی خطأ فیصلہ اجتہادی غلطی تو ہو سکتا ہے مگر بدعت نہیں ہوتی۔

علامہ حلبیؒ سے مزید سنیئے وہ تحریر کرتے ہیں کہ:-

وقال ابوحنیفۃ لیس کلامنا فی مطلق الذکر فانہ امر مرغوب فیہ فی کل الاحیان بل الجھر بہ وھو بدعۃ لقولہ تعالٰی اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً الا ما استثناہ الشرع فاذا تعارضت الادلۃ فی مقدار المستثنٰی فالاخذ بالاقل والعمل فیما وراءہ بالاصل ھو الاحتیاط لان فیہ الجمع بین الادلۃ و بھذا ظھر انہ لاوجہ لمن جعل الفتوٰی علٰی قولھما اھ (کبیری ص۵۳۱ و ص۵۳۲)

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ہمارا کلام مطلق ذکر کے بارے میں نہیں کیونکہ ذکر تو ہر وقت مطلوب ہے بلکہ ہمارا کلام جہر کے بارے میں ہے اور ذکر بالجہر بدعت ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے "تم اپنے رب کو پکارو عاجزی کرتے ہوئے اور آہستہ مگر وہاں جہر ہوگا جہاں شریعت نے جہر کی استثناء کی ہو پس جب دلائل مستثنٰی کی مقدار میں متعارض ہیں تو اقل لیا جائیگا اور اس کے علاوہ باقی اپنے اصل پر رہے گا احتیاط بھی اسی میں ہے کیونکہ اسی طریقہ سے دلائل کی تطبیق بھی ہوتی ہے اور اس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جن حضرات نے فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر دیا ہے اس کی کوئی (معقول) وجہ نہیں۔

اس عبارت میں بھی تصریح موجود ہے کہ امام صاحبؒ ذکر بالجہر کو بدعت قرار دیتے ہیں مگر جس موقع پر شریعت نے جہر کی اجازت دی ہو اور جس قدر اجازت دی ہو اتنی ہی اس سے مستثنٰی ہوگی اس کے علاوہ اصل ہی پر بات رہے گی وہ یہ کہ ذکر آہستہ ہو اور اس عبارت میں علامہ حلبیؒ نے اس

کی بھی صراحت کردی ہے کہ امام صاحبؒ کی ایسی قوی اور راجح دلیل کی موجودگی میں صاحبینؒ کے قول پر فتوٰی دینے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی اب مؤلف ذکر بالجہر ہی از راہ انصاف یہ کہہ دیں کہ کبیری کے حوالہ سے جو مسلک راقم نے امام صاحبؒ کا نقل کیا ہے وہ ساری عبارت کو سیاق و سباق اور ماقبل و مابعد کے ساتھ نقل کرنے کے بعد بھی وہی رہا یا کچھ اور ثابت ہوا؟ ہم نے تو کبیری کی عبارت اس سے بھی زیادہ نقل کردی ہے جتنی کو انہوں نے نقل کرکے واویلا کیا ہے، اب دوسروں کو الزام دینے والے اور قصوروار ٹھہرانے والے خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر نظارہ کرلیں کہ حقیقت کیا ہے؟ کہیں یہ تو نہیں کہ ع

میں الزام ان کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

نیز علامہ حلبیؒ ان حضرات کی تردید کرتے ہوئے جو یہ کہتے ہیں کہ امام قنوت جہر سے پڑھے تاکہ مقتدیوں کو بھی تعلیم ہوجائے یہ بھی لکھتے ہیں کہ نماز تعلیم کا مقام نہیں تعلیم خارج از صلوٰۃ ہونی چاہیئے اور قنوت آہستہ پڑھنی چاہیئے اور اسی کو صاحب ہدایہ وغیرہ محققین نے اختیار کیا ہے کہ قنوت میں اخفاء ہو اور اسی کو صاحب محیط نے صحیح کہا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے کیونکہ جہر سے مقتدیوں کو تشویش ہوگی کیونکہ مختار قول کے مطابق وہ اس کی پیروی کریں گے آگے فرماتے ہیں کہ:-

ولانه ذکر و دعاء والمختار فیهما الاخفاء کما فی الثناء والتامین وسائر الادعیة والاذکار قال الله تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا وخفیة وقال الله تعالیٰ واذکر ربك فی نفسك تضرعا وخیفة ودون الجهر من القول وقال علیه الصلوٰة والسلام خیر الذکر الخفی اھ (کبیری ص۴۰۳)

اور اس لئے بھی کہ قنوت ذکر اور دعا ہے اور مختار قول ان دونوں میں اخفاء ہے جیسا کہ ثنا اور آمین اور باقی تمام دعاؤں اور اذکار میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے تم اپنے رب کو عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے پکارو اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنے رب کو اپنے دل میں زاری کرتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے پکارو اور جہر سے کم بول کے ساتھ پکارو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو۔

باب پنجم

جہر اور اخفاء کی تعیین

جہر اور اخفاء کے مفہوم کی تعیین کے بارے میں حضرات فقہاء احناف کی عبارات اور تعبیرات مختلف ہیں جس کی بقدر ضرورت بحث آئندہ عبارات میں آرہی ہے انشاء اللہ العزیز لیکن اس بات میں تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ جن چیزوں کا تعلق تکلم اور تلفظ سے ہے ان میں جب تک تکلم اور تلفظ نہ ہو اس وقت تک شرعاً ان کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ شرعاً ان پر کوئی فقہی حکم مرتب ہوتا ہے مثلاً طلاق وغیرہ اگر کوئی شخص اپنے دل ہی میں اپنی بیوی کو طلاق دیدے بشرطیکہ گونگا نہ ہو (گونگے کی اشارہ سے طلاق شرعاً معتبر ہے، ہدایہ ج ۲ ص ۳۳۹ اور اسی طرح واضح کتابت سے بھی جو پانی اور ہوا وغیرہ پر نہ ہو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ فتاوی قاضیخان ج ص ۲۱۸ طبع نول کشور) جب تک زبان سے نہ بولے تو طلاق واقع نہیں ہوتی حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں اذا طلق فی نفسہ فلیس بشیٔ (بخاری ج ۲ ص ۷۹۱) یعنی اگر کوئی شخص اپنے دل ہی میں طلاق دیدے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں اور وہ واقع نہیں ہوتی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وبعض فقہا گویند کہ ذکر نمی باشد مگر بزبان و ادنیٰ مرتبہ وے آنست کہ بشنواند خود را بر قول مختار وغیر وے معتبر نیست چنانکہ در قرارت و طلاق و آنچہ بدل است آں فعل قلب است از	اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ ذکر زبان ہی سے ہوتا ہے اور اس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو سنائے اور یہی قول مختار ہے اور اس کے سوا ذکر معتبر نہیں ہے چنانچہ قرارت اور طلاق (وغیرہ)

قسم علم وتصور ذکر نیست چنانچہ قرأت نیست وذکر نام چیزے است کہ فعل لسان است۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۷۷)

میں اور جو ذکر دل میں ہے وہ دل کا فعل ہے وہ علم اور تصور کی قسم سے ہے وہ ذکر نہیں جیسا کہ وہ قرأت نہیں اور ذکر اس چیز کا نام ہے جو زبان کا فعل ہو۔

اس عبارت کا یہ معنیٰ لینا کہ دل کا ذکر ذکر ہی نہیں اور اس پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا جیسا کہ بعض نے سمجھا ہے اور مؤلف ذکر بالجہر نے بھی (ص ۶۷ اور ص ۶۸ میں) اس کا ذکر کیا ہے قلت تدبر کا نتیجہ ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ طلاق و قرأت وغیرہ امور جن میں تلفظ اور نطق شرط ہے ایسے ذکر کا اعتبار دل سے نہیں ہوگا ان میں زبان کا تلفظ اور اپنے آپ کو سنانا شرط ہے۔ اور یہی حکم ہے ان اذکار کا جن کا تلفظ شرعاً مطلوب ہے، عام اس سے وہ نماز میں ہوں یا خارج از نماز۔ چنانچہ حضرت امام نووی الشافعیؒ لکھتے ہیں۔

اعلم ان الاذکار المشروعۃ فی الصلوٰۃ وغیرھا واجبۃ کانت او مستحبۃ لایحسب شیٔ منھا ولا یعتد بہ حتی یتلفظ بہ بحیث یسمع نفسہ اذا کان صحیح السمع لا عارض لہٗ۔ (کتاب الاذکار ص ۱۴ طبع مصر)

جاننا چاہیئے کہ وہ اذکار جو نماز وغیرہ میں مشروع ہیں واجب ہوں یا مستحب ان کا اس وقت تک شمار اور اعتبار نہ ہوگا جب تک ان میں اس انداز کا تلفظ نہ ہو جس میں خود اپنے آپ کو سنا سکے بشرطیکہ اس کی قوت سماعت صحیح ہو اور اس کو کوئی عارضہ بھی لاحق نہ ہو۔

اس عبارت میں موصوف نے مخصوص اذکار کا حکم بیان کیا ہے جیسا کہ ظاہر ہے نہ کہ جملہ اور ہر قسم کے اذکار کا اور دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

قال القاضی عیاض رحمہ اللہ وذکر اللہ تعالیٰ ضربان ذکر بالقلب وذکر باللسان وذکر القلب نوعان احدھما وھو ارفع الاذکار واجلھا الفکر فی عظمۃ اللہ تعالیٰ لہ وجبروتہ وملکوتہ وآیاتہ

قاضی عیاضؒ المالکی المتوفی ۵۴۴ھ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر دو قسم کا ہے ایک ذکر دل کا دوسرا زبان کا اور دل کا ذکر بھی دو قسم کا ہے ایک ان میں تمام اذکار سے ارفع اور بلند پایہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عظمت اس کے جلال اس کے

فی سمٰوٰته وارضه ومنه الحدیث
خیر الذکر الخفی والمراد به هذا والثانی
ذکره بالقلب عند الامر والنهی فیمتثل
ما امر به ویترك ما نهی عنه و یقف
عما اشکل علیه واما ذکر اللسان مجردا
فهو اضعف الاذکار ولکن فیه فضل
عظیم کما جاءت به الاحادیث قال
وذکر ابن جریر الطبری وغیره اختلاف
السلف فی ذکر القلب واللسان ایهما
افضل قال القاضی والخلاف عندی
انما یتصور فی مجرد ذکر القلب تسبیحًا
وتهلیلاً وشبههما وعلیه یدل کلامهم
لانهم مختلفون فی الذکر الخفی الذی
ذکرناه والا فذلك لا یقارب به ذکر
اللسان فکیف یفاضله وانما الخلاف
فی ذکر القلب بالتسبیح المجرد ونحوه
والمراد بذکر اللسان مع حضور القلب
فان کان لاهیا فلا واحتج من رجح ذکر
القلب بان عمل السر افضل ومن رجح ذکر
اللسان قال لان العمل فیه اکثر فان
زاد باستعمال اللسان اقتضی زیادة
اجر قال القاضی واختلفوا هل تکتب
الملائکة ذکر القلب فقیل تکتبه و

جبر اور اس کے عجائبات اور اس کے آسمانوں اور
زمین کی نشانیوں میں فکر کرنا اور خیر الذکر الخفی
کی حدیث سے یہی ذکر مراد ہے اور دوسرا دل کا
ذکر یہ ہے کہ اس کے امر اور نہی کے موقع پر مامور
کو بجا لائے اور منہی عنہ کو ترک کردے اور جہاں
اشکال واقع ہو وہاں توقف کرے بہر حال خالی
زبان کا ذکر تو وہ کمزور ترین اذکار میں سے ہے
لیکن اس میں بھی بڑی فضیلت ہے جیسا کہ اسکے
بارے میں احادیث آئی ہیں اور انہوں نے فرمایا
کہ امام ابن جریر الطبریؒ (المتوفی سنہ ۳۱۰ھ) وغیرہ
نے سلفؒ کا اختلاف ذکر کیا ہے کہ دل اور زبان
کے ذکر میں سے افضل کونسا ہے؟ قاضی عیاضؒ
فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ اختلاف صرف
اس صورت میں متصور ہو سکتا ہے کہ محض دل میں
تسبیح اور تہلیل وغیرہ کا خیال آئے بغیر زبان کے اس میں کوئی
فضیلت ہے یا نہیں؟ و اسی پر ان کا کلام
دلالت کرتا ہے نہ یہ کہ سلفؒ ذکر خفی میں مختلف
ہیں جس کا ہم نے ذکر کیا ہے ورنہ یہ ایسا ذکر ہے
کہ زبان کا ذکر اس کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا تو اس سے
بڑھے گا کیسے؟ اختلاف اس میں ہے کہ دل میں
محض تسبیح وغیرہ آیا ذکر ہے یا نہیں؟
اور زبان کے ذکر سے بھی وہ ذکر مراد ہے جس میں دل
حاضر ہو سو اگر دل غافل ہو تو وہ بھی کچھ نہیں

یجعل اللہ تعالیٰ لھم علامۃ یعرفونہ بھا وقیل لا یکتبونہ لانہ لا یطلع علیہ غیر اللہ تعالیٰ قلت الصحیح انھم یکتبونہ وان ذکر اللسان مع حضور القلب افضل من القلب وحدہ واللہ اعلم انتھی (نووی شرح مسلم ج ۲ ص ۳۴۴)

اور جنہوں نے دل کے ذکر کو ترجیح دی انہوں نے کہا کہ مخفی عمل افضل ہے اور جنہوں نے زبان کے ذکر کو راجح کہا انہوں نے کہا کہ اس میں عمل زیادہ ہے جب اس میں زبان کے استعمال کی زیادتی آئی تو اجر بھی زیادہ ہوگا۔ قاضی عیاضؒ نے فرمایا کہ اس میں اختلاف ہے کہ دل کے ذکر کو فرشتے لکھتے ہیں یا نہیں؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرشتوں کے لئے ایسی علامت مقرر کر دیتا ہے جس سے وہ شناخت کر لیتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نہیں لکھتے کیونکہ اس پر اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی مطلع نہیں (امام نوویؒ فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ صحیح بات یہ ہے کہ فرشتے لکھتے ہیں اور زبان کا ذکر حضور قلب کے ساتھ محض دل کے ذکر سے افضل ہے، واللہ اعلم۔

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

فصل الذکر یکون بالقلب ویکون باللسان والافضل منہ ما کان بالقلب واللسان جمیعًا فان اقتصر علیٰ احدھما فالقلب افضل اھ (کتاب الاذکار ص ۸)

فصل ذکر دل سے بھی ہوتا ہے اور ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور ان میں افضل وہ ذکر ہے جو دل اور زبان دونوں سے ہو پس اگر ان میں سے ایک پر اقتصار کیا جائے تو دل کا ذکر افضل ہے۔

یعنی ایسا ذکر جس کا تعلق نطق سے نہ ہو اور حضور قلب اور اخلاص سے کیا جائے تو وہ افضل ہوگا کیونکہ یہ اس مد میں آتا ہے کہ اس کو فرشتے بھی نہیں سنتے اور اس کا درجہ ستر گنا زیادہ ہے جیسا کہ حدیث کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے۔

حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وکل ذکر مشروع ای ماموربہ فی الشرع واجبًا کان او مستحبا لا یعتد بشیٔ منہ حتی یتلفظ بہ۔ (مرقات ج ۵ ص ۴۹)

ہر وہ ذکر جس کا شریعت میں حکم آیا ہے واجب ہو یا مستحب اس کا اس وقت تک اعتبار نہیں جب تک تلفظ نہ ہو۔

ایسے اذکار سے وہ اذکار مراد ہیں جن میں نطق اور تلفظ شرط ہے مثلاً تسمیہ عند الذبح قرأت اور تسبیحات نماز وغیرہ۔ امام محمدؒ بن محمد ——— الغزالی الشافعیؒ (المتوفی ۵۵۰ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

ان المؤثر النافع ھو الذکر علی الدوام مع حضور القلب فاما الذکر باللسان لا غیر فھو قلیل الجدوی وفی الاخبار ما یدل علیہ وحضور القلب فی لحظۃ بالذکر والذھول عن اللہ عزوجل مع الاشتغال بالدنیا ایضًا قلیل الجدوی بل حضور القلب مع اللہ علی الدوام او فی اکثر الاوقات ھو المقدم علی العبادات (احیاء العلوم مع تخریج العراقی ج ۴ ص ۳۰۰ طبع مصر)

مؤثر اور نافع وہ ذکر ہے جو ہمیشہ ہو اور اس میں دل حاضر ہو بہر حال زبان کے ساتھ ایسا ذکر جس میں دل غافل ہو تو اس کا نفع کم ہے اور احادیث میں ایسا بیان آیا ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے اور ایک لحظہ کے لئے ذکر میں دل کا حاضر ہونا اور پھر دنیا میں مشغول ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے غافل رہنا بھی بہت کم مفید ہے بلکہ ہر وقت یا اکثر اوقات میں دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا اور اس سے لو لگانا عبادات پر مقدم ہے۔

امام غزالیؒ نے وفی الاخبار ما یدل علیہ سے ان احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن میں بغیر حضور قلب کے دعا کی عدم قبولیت کا ذکر آتا ہے جن میں ایک حضرت ابو ہریرہؓ (اصل نام عبدالرحمٰن بن صخر تھا المتوفی ۵۹ھ) کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

ادعوا اللہ وانتم موقنون بالاجابۃ واعلموا ان اللہ لا یستجیب دعاءً من قلب غافل لاہٍ (رواہ الترمذی ج ۲ ص ۱۸۶)

تم اللہ تعالیٰ کو اس طریقہ سے پکارو کہ تم یہ یقین رکھو کہ وہ تمہاری دعا کو قبول فرمائیگا اور تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ غافل اور بے پرواہ دل سے دعا قبول

وقال هذا حدیث غریب ومشکوۃ ج ۱ ص ۱۹۵ نہیں فرماتا۔

طبع اصح المطابع)

جن بعض بزرگوں کی عبارات میں اس کا ذکر آتا ہے کہ تنہا ذکر بالقلب میں کوئی ثواب نہیں مثلاً امام احمدؒ بن محمدؒ ابن حجر مکی الشافعیؒ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ۔

ان جماعۃ من ائمتنا وغیرھم یقولون لاثواب فی ذکر القلب وحدہ۔ رفتاوی حدیثیۃ ص ۶۳)

ہمارے آئمہؒ وغیرہم کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ محض دل کے ذکر میں کوئی ثواب نہیں ہے۔

تو اس سے ایسا ذکر مراد ہے جس کا تلفظ اور تکلم شرعاً مامور اور مطلوب ہے، ورنہ امام قاضی عیاض المالکیؒ کے حوالہ سے پہلے گذر چکا ہے کہ تمام اذکار سے افضل ذکر ہی دل کا ہے اور اسی طرح امام نوویؒ کا ارشاد بھی گذر چکا ہے اور حدیث سے بھی ایسا ہی ثابت ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ نے ایک اور لطیف بات فرمائی ہے

وقال الامام المراد بالذکر فی نفسہ ان یکون عارفا بمعانی الاذکار التی یقولھا بلسانہ مستحضرا الصفات الکمال والعز والعظمۃ والجلال وذلک لان الذکر باللسان عاریا عن الذکر بالقلب کانہ عدیم الفائدۃ بل ذکر جمع ان الذکر اللسانی الساذج لاثواب فیہ اصلاً اھ (تفسیر روح المعانی ج ۹ ص ۱۵۴ طبع مصر)

اور امام صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دل میں ذکر سے مراد یہ ہے کہ ان اذکار کے معانی کو ماننے والا ہو جن کو وہ زبان سے پڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت کمال عزت، عظمت اور جلال وغیرہ کو مستحضر رکھے کیونکہ زبان کا ایسا ذکر جو دل کی موافقت سے خالی ہو گویا اس کا کوئی فائدہ ہی نہیں بلکہ ایک جماعت نے ذکر کیا ہے کہ زبان کے سادہ ذکر میں (جس میں دل شریک نہ ہو) بالکل کوئی ثواب نہیں ہے۔

ان بعض حضرات نے تو یہ کہا مگر حضرت مولانا تھانویؒ فرماتے ہیں فقہاء نے جو اعتبار نہیں کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ احکام دنیویہ بدوں اس کے معتبر نہیں نہ یہ کہ ثواب بھی نہیں ہوتا (النوادر ص ۱۸۴) اور یہی بات صحیح ہے کیونکہ ذکر لسانی بھی زبان کا ایک عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کسی مؤمن کا عمل ضائع نہیں کرتا ہاں اگر

نفاق کے طور پر زبان سے کہے اور دل ساتھ نہ ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے۔

امام محمدؒ بن محمدؒ ابن الجزری الدمشقی الشافعیؒ (المتوفی ۸۳۳ھ) نے اپنی کتاب حصن حصین میں ذکر کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ

ولا یعتد لہ بشئ مما رتبہ الشارع علی قولہ حتی یتلفظ بہ ویسمع نفسہ اھ (حصن حصین)

یعنی جو اجر اور ثواب شریعت نے ذکر پر مرتب کیا ہے اس وقت تک اس کا کوئی اعتبار نہیں جب تک کہ وہ اس کا تلفظ نہ کرے اور اپنے آپ کو نہ سنائے۔

اس کی شرح کرتے ہوئے قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ

اقول اما باعتبار التلفظ فھو معلوم من اقوالہ صلے اللہ علیہ وسلم المصرحۃ بان قال من قال کذا کان لہ من الاجر کذا فلا یحصل لہ ذلک الاجر الا بما یصدق علیہ معنی القول وھو لا یکون الا بالتلفظ باللسان واما اشتراط ان یسمع نفسہ فلم یرد ما یدل علیہ لانہ یصدق القول بمجرد التلفظ وھو تحریک اللسان وان لم یسمع نفسہ فینظر ما وجہ الاشتراط اھ (تحفۃ الذاکرین ص۳۹ و ص۴۰ طبع مصر)

میں کہتا ہوں کہ تلفظ کا اعتبار تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح اقوال سے معلوم ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس نے ایسا کہا تو اس کو اتنا اجر ملے گا تو اس کو اجر اسی صورت میں مل سکتا ہے جس پر قول کا معنی صادق آئے اور قول زبان کے ساتھ تلفظ کے بغیر نہیں ہوتا باقی رہی یہ شرط کہ اپنے آپ کو سنائے تب اس کو ثواب ملے گا تو اس کے بارے میں کوئی دلیل وارد نہیں ہوئی کیونکہ ثواب قول پر مرتب ہے اور وہ محض تلفظ سے پورا ہو جاتا ہے اور تلفظ کا معنی زبان کو حرکت دینا ہے اگرچہ اپنے آپ کو نہ سنائے سو غور کرنا چاہیئے کہ اپنے آپ کو سنانے کی شرط کی کیا وجہ ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ زبان کے ساتھ تلفظ کرنے سے ذکر کا مقصد پورا ہو جاتا ہے گو ذاکر کے اپنے کان بھی نہ سنیں اور اگر اس انداز کا تلفظ ہو کہ اپنے کانوں تک آواز پہنچائی جائے تو یہ بعض اکابر کی تعریف

کے لحاظ سے ادنیٰ جہر کہلائے گا جیسا کہ امام کرخیؒ وغیرہ کے حوالہ سے گزر چکا ہے اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود فرماتے ہیں کہ :-

لم یخافت من اسمع اذنیه رواه الطبرانی و رجاله رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد ج۲ ص۲۶)

جس شخص نے اپنے دونوں کانوں کو آواز سنائی اس نے آہستہ نہیں پڑھا۔

نماز میں جہر و آہستہ کا حکم؟

حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم نے منفرد کی نماز میں قرأت اور تسبیحات وغیرہ کے جہر اور اخفار کے مفہوم کے بارے میں کچھ اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ :-

ثم المخافتة ان یسمع نفسه والجهران یسمع غیره وهذا عند الفقیه ابی جعفر الهندوانیؒ لان مجرد حرکة اللسان لا یسمی قرأة بدون الصوت وقال الکرخی ادنی الجهران یسمع نفسه وادنی المخافتة تصحیح الحروف لان القرأة فعل اللسان دون الصماخ اهـ ہدایہ ج۱ ص۹۸ وراجع الجامع الرموز ج۱ ص۴۲)

پھر آہستہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور جہر یہ ہے کہ غیر کو سنائے اور یہ فرق فقیہ ابوجعفر الہندوانیؒ کے نزدیک ہے کیونکہ آواز کے بغیر محض زبان کی حرکت کو قرأت نہیں کہا جاتا اور امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ ادنیٰ جہر یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور ادنیٰ مخافت یہ ہے کہ حروف کی تصحیح کی جائے اس لئے کہ قرأت تو زبان کا فعل ہے کان کا نہیں۔

علامہ ابن نجیم المصری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

ولم یبین المصنف حد الجهر والاخفار للاختلاف مع اختلاف التصحیح فذهب الکرخی الی ان ادنی الجهر ان یسمع نفسه وادنی المخافتة تصحیح الحروف وفی البدائع ما قاله الکرخی اقیس واصح وفی کتاب

صاحب کنز نے جہر اور اخفار کی حقیقت بیان نہیں کی کیونکہ اس میں اختلاف ہے .... اور پھر اس اختلاف میں صحیح قول کی تصحیح میں اختلاف ہے سو امام کرخیؒ اس طرف گئے ہیں کہ ادنیٰ جہر یہ ہے کہ اپنے آپکو سنائے اور ادنیٰ مخافت یہ ہے کہ حروف

الصلوٰۃ لمحمد اشارۃ الیہ فانہٗ قال ان شاء قرأ فی نفسہٖ وان شاء جھر واسمع نفسہٗ واکثر المشائخ علیٰ ان الصحیح ان الجھر ان یسمع غیرہٗ والمخافتۃ ان یسمع نفسہ وھو قول الھندوانیؒ وکذا کل ما یتعلق بالنطق کالتسمیۃ علی الذبیحۃ و وجوب السجدۃ بالتلاوۃ والعتاق والطلاق والاستثناء حتیٰ لو طلق ولم یسمع نفسہٗ لا یقع وان صحح الحروف وفی الخلاصۃ الامام اذا قرأ فی صلوٰۃ المخافتۃ بحیث سمع رجل او رجلان لا یکون جھرًا اذا الجھر ان یسمع الکل اھ (بحر الرائق ج ۱ ص ۳۳۶)

کی تصحیح کرے اور بدائع میں ہے کہ امام کرخیؒ نے جو کہا قیاس کے مطابق وہی ہے اور یہی صحیح ہے اور امام محمدؒ کی کتاب الصلوٰۃ میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اگر چاہے تو اپنے دل میں پڑھے اور اگر چاہے تو جہر سے پڑھے اور اپنے آپ کو سنائے اور اکثر مشائخؒ اس بات پر ہیں کہ جہر یہ ہے غیر کو سنائے اور آہستگی یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنائے اور یہی امام ہندوانیؒ کا قول ہے اور یہی تفصیل ہے ہر اس چیز میں جو نطق سے تعلق رکھتی ہے مثلاً ذبح کئے جانے والے جانور پر بسم اللہ پڑھنا اور سجدۂ تلاوت کا تلاوت کے ساتھ واجب ہونا اور غلام وغیرہ آزاد کرنا اور طلاق اور استثناء یہاں تک کہ اگر کسی شخص نے طلاق دی اور اپنے آپ کو نہ سنایا تو طلاق واقع نہ ہوگی اگرچہ اس نے حروف کی تصحیح کی اور خلاصہ میں ہے کہ امام جب سِرّی نماز میں قرأت کرے یہاں تک کہ ایک آدمی سنے یا دو سنیں تو جہر نہ ہوگا جہر یہ ہے کہ سب سُنیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں۔ الجواب ادنیٰ کی حد تو معین ہے اصطلاح اول پر تو تحریک لسان اور اصطلاح ثانی پر اسماع نفس خود کما صرح بہ الفقہاء لیکن اکثر کی کوئی حد نہیں اپنی نشاط پر موقوف ہے مگر اس کے جواز کی یہ شرط ہے کہ کسی مصلی یا نائم کو تشویش وایذاء نہ ہو کما صرح بہ الفقہاء فقط واللہ تعالیٰ اعلم (۲۰ ذوالقعدہ ۱۳۲۰ھ امداد الفتاویٰ حصہ ص ۱۶۳)

فائدہ:- والجھر ان یسمع الکل کا یہ معنی نہیں کہ سب محلہ یا تمام گاؤں اور کل شہر کے لوگ امام کی قراۃ سُن لیں بلکہ یہ معنی ہے کہ اس کی اقتداء میں جتنے مقتدی اور نمازی ہیں وہ سب اس کی قرأت کو سُن لیں اور یہ حوالے اس کی دلیل ہے۔

(۱) علامہ حصکفی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

ویجھر الامام وجوبًا بحسب الجماعۃ فان زاد علیہ اساء (درالمختار علی ھامش ردالمحتار ج۱ ص۴۹۷ طبع مصر)

امام وجوبی طور پر اتنا جہر کرے جتنا جماعت کے مطابق ہو اگر اس نے اس سے زیادہ جہر کیا تو اس نے بُرا کیا۔

(۲) علامہ طحطاوی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ

والمستحب ان یجھر بحسب الجماعۃ فان زاد فوق الحاجۃ فقد اساء (طحطاوی ص۱۳۷ طبع مصر)

اور مستحب یہ ہے کہ جماعت کے اندازہ کے مطابق امام جہر کرے حاجت سے زیادہ جہر کیا تو بلاشبہ اس نے برا کیا۔

(۳) عالمگیری میں ہے:-

اذا جھر الامام فوق حاجۃ الناس فقد اساء لان الامام انما یجھر لاسماع القوم لیتدبروا فی قرأتہ لیحصل احضار القلب کذا فی السراج الوھاج۔ (عالمگیری ج۱ ص۷۵)

اور جب امام نے لوگوں کی حاجت سے زیادہ جہر کیا تو بے شک اس نے بُرا کیا کیونکہ امام اس لئے جہر کرتا ہے کہ قوم کو سنائے کہ وہ اس کی قرأت پر غور و فکر کریں تاکہ دل کو حاضر کرنے کا موقع ان کو حاصل ہو اسی طرح السراج الوہاج میں ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب اپنی دل پسند تفسیر روح البیان کی ایک عبارت نقل کرکے اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرأت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں کشف میں فرمایا کہ قدرِ ضرورت سے زیادہ نہ چیخے ورنہ گنہگار ہوگا (بلفظہ جاء الحق ص۳۳۵)

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ جہری نمازوں میں امام کا اس قدر جہر کرنا جو مقتدیوں کی حاجت اور ضرورت سے زائد ہو ایک بری کاروائی اور ناشائستہ حرکت بلکہ گناہ ہے۔

جہری نمازوں میں جہر سے پڑھنا امام پر واجب ہے اور در مختار کی مذکورہ عبارت میں وجوبا کی قید صراحت سے موجود ہے۔

اقامت میں بھی جہر بقدر ضرورت ہو۔ حضرات فقہاء اسلامؒ نے اس نکتہ کو کہیں بھی نظر انداز نہیں کیا کہ جہاں جس قدر جہر کی ضرورت ہے اس سے زیادہ نہ ہو کیونکہ جہر خلاف اصل ہے اور جو حکم بھی خلاف ہوگا وہ اپنے مورد اور ضرورت پر بند ہوگا اس کو کھینچ تان کر عموم کا جامہ پہنانا درست نہیں ہے چنانچہ امام نووی الشافعیؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

فان اسر بالاذان لم یعتد به لانه لا یحصل به المقصود وان کان یؤذن لصلوٰته وحده لم یرفع الصوت لانه لا یدعو غیره فلا وجه لرفع الصوت والمستحب ان یکون رفع الصوت فی الاقامة دون رفع الصوت فی الاذان لان الاقامة للحاضرین۔ (المجموع شرح المهذب ج ۳ ص ۱۱۱ طبع مصر)

پس اگر مؤذن نے اذان آہستہ کہی تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا کیونکہ اس سے مقصود حاصل نہیں ہوتا اور اگر وہ صرف تنہا اپنی نماز کے لئے اذان کہتا ہے تو آواز بلند نہ کرے اس لئے کہ وہ دوسروں کو تو دعوت نہیں دے رہا تو آواز بلند کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اور مستحب یہ ہے کہ اقامت میں آواز اذان کی آواز سے کم بلند ہو کیونکہ اقامت تو حاضر لوگوں کے لئے ہوتی ہے (اور وہ سبھی مسجد میں موجود ہوتے ہیں پھر بلا ضرورت چلانے کی کیا ضرورت ہے؟)

اس عبارت میں اکیلے شخص کی اپنی نماز کے لئے اذان کا حکم یہ بیان کیا کہ اس میں آواز بلند نہ ہو کیونکہ کسی دوسرے کو تو وہ بلا نہیں رہا بلکہ صرف شرعی شرط پوری کرنے کے لئے اپنی نماز کے لئے اذان کہتا ہے اور اسی طرح اقامت میں بھی اذان کی طرح آواز بلند نہ کرے کیونکہ اقامت محض حاضرین کو سنانے کے لئے ہوتی ہے اور وہ قریب ہی ہوتے ہیں پھر زیادہ آواز کی کیا ضرورت ہے؟

تکبیر تشریق میں بھی اعتدال ہو۔

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ عیدین میں عیدگاہ کی طرف جاتے ہوئے اور اسی طرح تکبیر تشریق میں شرعاً جہر مطلوب ہے لیکن افراط اور مبالغہ کے ساتھ جہر اس میں بھی مطلوب نہیں ہے۔ ہر آدمی کی آواز

اس انداز کی ہو کہ خود سُن سکے اور جو اس کے قریب اور آس پاس ہیں وہ سُن سکیں اس سے زیادہ زور سے آواز بلند کرنا خلاف سُنت ہے۔ ہاں تعلیم مقصود ہو تو اس کا معاملہ الگ ہے اور ظاہر بات ہے کہ جب مسجد میں نمازی بکثرت ہوں تو تھوڑی تھوڑی آواز بھی مل کر ایک دفعہ مسجد ہلکے انداز سے گونج اٹھے گی رفع الصوت اور جہر کا معنی گلا پھاڑنا ہرگز نہیں ہے۔

چنانچہ امام ابن الحاج المالکیؒ (فصل فی التکبیر عند الخروج الی المصلّٰی میں) لکھتے ہیں کہ اس دن)

والسنّة المتقدمة ان يجهر بالتكبير فيسمع نفسه ومن يليه والزيادة على ذلك ورفع الصوت بذلك يخرج عن حد السمت والوقار اھ

(المدخل ج ۲ ص ۲۸۵ طبع مصر)

پہلی سنت یہ ہے کہ جہر سے تکبیر کہے اس انداز سے کہ اپنے نفس کو اور جو اس کے آس پاس ہیں ان کو سنائے اور اس سے زیادہ آواز بلند کرنا خوش وضعی اور وقار کی حد سے نکال دیتا ہے۔

اور حج کے دِنوں میں مقام منیٰ میں اقامت کے زمانہ میں نمازوں کے بعد تکبیر کہنے کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

فاذا سلم الامام من صلوٰة الفرض فی تلك الايام كبر الامام تكبيرًا يسمع نفسه ومن يليه وكبر الحاضرون بتكبيره كل واحد يكبر لنفسه و لا يمشى على صوت غيره على ما وصف من انه يسمع نفسه ومن يليه فهذه هى السنّة۔

پس جب ان دنوں میں فرضی نماز سے امام سلام پھیرے تو تکبیر کہے اس انداز سے کہ اپنے آپ کو اور اپنے آس پاس والوں کو سنائے اور حاضرین بھی اس کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہیں لیکن ہر ایک الگ اپنی ہی تکبیر کہے یہ نہ ہو کہ سب مل کر ایک آواز سے تکبیر کہیں اور اس انداز سے تکبیر کہیں جو بیان ہوا کہ اپنے آپ کو اور آس پاس والوں کو سنائے اور یہی سنت ہے۔

پھر اسی سلسلہ میں آگے لکھتے ہیں کہ :-

واما يفعله بعض الناس اليوم من انه اذا سلم الامام من صلوته كبر

بہرحال آج کل بعض لوگ جو یہ کارروائی کرتے ہیں کہ جب امام اپنی نماز سے سلام پھیرتا ہے تو

المؤذنون علی صوت واحدٍ علی مایعلم من زعقاتهم فی المآذن ویطیلون فیه والناس یستمعون الیهم ولا یکبرون فی الغالب وان کبر احد منهم فهو یمشی علی اصواتهم وذلك کله من البدع اذ لم ینقل ان النبی صلے اللہ علیه وسلم فعله ولا احد من الخلفاء الراشدین بعده وفیه اخراق حرمة المسجد برفع الاصوات فیه والتشویش علی من به من المصلین والتالین والذاکرین انتهی (المدخل ج ۲ ص ۲۸۵)

مؤذن ایک ہی آواز سے تکبیر کہتے ہیں جیسا کہ اذان کی جگہوں سے ان کے چلانے کی آوازیں سنائی دیتی ہیں اور وہ لمبی لمبی آوازیں نکالتے ہیں اور لوگ اُن کی آوازیں سنتے ہیں اور خود عموماً تکبیر نہیں کہتے اور اگر ان میں کوئی تکبیر کہتا ہے تو رل مل کر ایک ہی آواز سے تکبیر کہتے ہیں اور یہ بدعت ہے کیونکہ یہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے ایسا کیا ہو اور نہ آپ کے بعد خلفاء راشدینؓ میں سے کسی نے ایسا کیا ہے اور اس طریقہ سے آوازیں بلند کرنے سے مسجد کی بے حرمتی بھی ہوتی ہے اور نمازیوں اور تلاوت اور ذکر کرنے والوں کو تشویش بھی ہوتی ہے۔

حضرات فقہاء احنافؒ وغیرہم کی ایسی واضح اور صریح عبارات کی موجودگی میں اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور قرآن کریم کا تلاوت کے طور پر بالجہر پڑھنا (جب کہ مثلاً نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہو) درست اور خصوصاً فقہ حنفی کے مطابق ہے اور اس سے منع کرنے والا بدعتی ہے جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر اپنی کتاب میں یہ ثابت کرنے کے درپے ہیں بلکہ ص ۴۵ میں وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ الآیۃ کی تفسیر غلط سمجھ کر اور حضرات مفسرین کرامؒ کی مراد کو نہ سمجھتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ خدا خوفی اور دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اب آپ بلند آواز سے قرآن پڑھنے پر بھی بدعت اور حرام کا فتویٰ لگائیے وعظ اور ارشاد کی مجالس کو بھی بند کرائیے کیونکہ وہ بھی ذکر اللہ سے خالی نہیں جہری نمازوں کا سلسلہ بھی ختم کیجئے اور اگر یہ آیت وعظ و نصیحت قرأۃ قرآن اور نمازوں میں جہر کے منافی نہیں تو متنازعہ فیہ ذکر میں جہر کے کیسے منافی ہوگی کیونکہ یہ تمام ہی ذکر کے افراد ہیں۔

تو پھر کیا یہ خیانت اور بددیانتی کی انتہاء نہیں ہے کہ آپ نے ذکر کے ان افراد سے یکسر اغماض

کرلیا جو آپ کی امامت اور خطابت کے ضامن ہیں جس سے آپ کا پیٹ پلتا ہے اور جو آپ کی آمدنی میں افزائش کا باعث ہیں اھ۔

الجواب یہ جو کچھ لکھا ہے مؤلف مذکور کی نری جہالت اور فقہ حنفی سے ناواقفیت کا بیّن ثبوت ہے اوّلاً اس لئے کہ خیر سے خود ہی جہل مرکب کا شکار ہیں کیونکہ انہوں نے وَاذْکُرْ الآیۃ کی تفسیر میں ذکر اور قرآن کریم کی قراۃ وغیرہا کی تعمیم تو تفسیروں سے نقل کردی جس پر وہ پھوٹے نہیں سماتے لیکن خود قرآن کریم اور اپنی معتبر اور پسندیدہ تفسیروں سے آگے دُوْنَ الْجَھْرِ کی تفسیر گیارھویں شریف کا لذیذ حلوہ سمجھ کر کھا گئے ہیں جو ان کے مدعیٰ کے سراسر خلاف ہے جس کی بقدر ضرورت بحث باحوالہ پہلے گذر چکی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ آمدنی کی افزائش اور پیٹ پلنے کا طعنہ ہمیں دے رہے ہیں وثانیاً ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور جس صورت میں نمازیوں وغیرہم کو تکلیف ہوتی ہو اس صورت میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کا جائز نہ ہونا اور ضرورت سے زائد امام کے لئے قرأت میں جہر نہ کرنا یہ سب باتیں باحوالہ پہلے عرض ہو چکی ہے کیا یہ خیانت علمی اور انتہا درجہ کی بددیانتی نہیں کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے جہاں ذکر بالجہر درست ہے وہاں درست ہے اور جہاں منع ہے وہاں منع بھی ہے اور بدعت بھی لا یجوز بھی ہے اور مکروہ بھی (کما مر مفصلاً) حضرات فقہاء کرامؒ کی ان تصریحات سے اغماض کرنا کونسی دیانت ہے؟ مؤلف مذکور کو ہوش میں آکر جواب دینا چاہیئے کیونکہ ع کلاب مانیز زبانے وبیانے دارد وثالثاً وعظ ونصیحت میں آواز بلند کرنے کا تذکرہ اس سلسلہ میں کرنا مؤلف مذکور کی یا تو خیانت ہے یا جہالت کیونکہ وعظ وخطبہ کے موقع پر آواز کا بلند کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل تھا اور امت مسلمہ کا بلا اختلاف اس پر تعامل چلا آرہا ہے حضرت جابرؓ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ:۔

کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب خطاب فرماتے
اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ	تو آپ کی دونوں آنکھیں سُرخ ہو جاتیں اور
الحدیث (مسلم ج ۱ ص ۲۸۴ ومشکوۃ ج ۱ ص ۱۲۳)	آپ کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔

حضرت امام نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

یستدل بہ علی انہ یستحب للخطیب	اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ خطیب کے

ان یفخم امر الخطبة ویرفع صوتہ اھ
(شرح مسلم ج ۱ ص ۲۸۵)

لئے مستحب ہے کہ خطبہ کے معاملہ کو پر عظمت رکھے اور اپنی آواز بلند کرے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن اس قدر بلند اور صاف الفاظ سے وعظ اور خطاب ارشاد فرماتے تھے کہ عورتیں جو بالکل مردوں کی صفوں کے پیچھے دور ہوتی تھیں وہ بھی بخوبی سن لیتی تھیں بلکہ یاد بھی کر لیتی تھیں چنانچہ حضرت ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان اور حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی ہمشیرہ فرماتی ہیں (واللفظ للاولیٰ)۔ کہ

ما اخذت (وقال اخت عمرة ما حفظت) ق والقرآن المجید الا عن لسان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقرأھا کل جمعة علی المنبر اذا خطب الناس۔
(مسلم ج ۱ ص ۲۸۶ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۲۳)

میں نے سورۂ ق آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے سنکر یاد کی ہے آپ ہر جمعہ کے دن منبر پر جب لوگوں کو خطاب فرماتے تو اس کو پڑھتے تھے۔

ان صحیح اور صریح روایات سے معلوم ہوا کہ وعظ و نصیحت اور خطبہ کے موقع پر آواز بلند کرنا نہ صرف جائز ہی ہے بلکہ مستحب بھی ہے لہٰذا مؤلف مذکور کا خطابت کا اس ضمن میں تذکرہ کرنا خیانت یا جہالت ہے۔ مؤلف مذکور کے ہم ایک گونہ مشکور بھی ہیں کہ انہوں نے اذان میں رفع الصوت کا قصہ نہیں چھیڑ دیا ورنہ ہے تو وہ بھی ذکر اللہ ہی، خدا تعالیٰ ان کو ہدایت دے پھر ان کا بھلا کرے کہ ہمیں تفصیل کے ساتھ یہ جواب دینے کی اور اہتمام کے ساتھ حوالے نقل کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی کہ جب حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کو ملك منزل من السماء (یعنی وہ فرشتہ جس نے آسمان سے اتر کر ان کو بذریعۂ خواب) اذان و اقامت کے الفاظ کی تلقین اور تعلیم دی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:۔

فقم مع بلال فالق علیه ما رأیت فلیؤذن فانه اندیٰ صوتا منك
(ابوداؤد ج ۱ ص ۷۲ وترمذی ج ۱ ص ۲۶ وابن ماجہ ج ۱ ص ۵۱)

کہ تو بلالؓ کے پاس کھڑا ہو کر وہ الفاظ اس کو بتا جو تو نے خواب میں دیکھے ہیں تاکہ وہ اذان کہے کیونکہ اس کی آواز تیری آواز سے بہت بلند ہے

فرض نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت

دعا ایک عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت خوش اور راضی ہوتا ہے لیکن بعض مقامات، بعض اوقات، بعض اشخاص اور بعض کلمات کے ساتھ دعا بڑی ہی مقبولیت کا درجہ رکھتی ہے حضرت ابوامامہؓ (المتوفی ۸۶ھ) سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسی دعا زیادہ سنی جاتی اور قبول ہوتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ

جوف اللیل الآخر و دبر الصلوات المکتوبات (رواہ الترمذی ج۲ ص۱۸۸ ومشکوۃ ص۸۹)

رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد۔

اسی بنا پر اکثر امت کا یہ تعامل چلا آرہا ہے کہ وہ فرض نمازوں کے بعد اہتمام سے دعا کرتے ہیں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ

فیعزر تارک الدعوات بعد الصلوٰت ولا یعذر (علی ترکہا الکوکب الدری ج۲ ص۲۹۱)

(فرض) نمازوں کے بعد دعا کا تارک قابل تعزیر ہے اور اس کے ترک کی وجہ سے وہ معذور نہ ہوگا۔

حضرت امام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ (المتوفی ۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری میں ایک باب قائم کیا ہے باب الدعاء بعد الصلوٰۃ (ج۲ ص۹۳۷) شراح حدیث کا بیان ہے کہ حضرت امام بخاریؒ کا مقصد یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد دعا کا ثبوت ہے جن لوگوں نے انکار کیا ہے ان کی بات قابل التفات نہیں ہے، متاخرین میں حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے لیکن دلائل کے لحاظ سے ان کے انکار کی چنداں وقعت نہیں ہے غیر مقلدین حضرات میں نواب صدیق خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) نے دلیل الطالب میں اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارک پوریؒ (المتوفی ۱۳۵۳ھ) نے تحفۃ الاحوذی میں اس دعا کا نہ صرف یہ کہ اقرار ہی کیا ہے بلکہ قدرے وزنی دلائل سے اثبات بھی کیا ہے چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ راجح میرے نزدیک یہ ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا جائز ہے جس کا جی چاہے کرے اس میں ان شاء اللہ تعالیٰ کوئی حرج نہیں ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ج۱ ص۲۴۶)

تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔

ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کا ثبوت۔

حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ نے ایک شخص کو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے دیکھا تو اس سے نماز سے فراغت کے بعد فرمایا کہ

ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلوتہ رواہ الطبرانی قال الھیثمی رجالہ ثقات (مجمع الزوائد ج ص ۱۴۹) و مصنف ابن ابی شیبۃ ج ص و رسالۃ سنیۃ رفع الیدین فی الدعاء بعد الصلوٰۃ المکتوبۃ لمن شارح ص ۲۸ للعلامۃ محمدؒ بن عبد الرحمن الزبیدی الیمانیؒ۔ ونیل الفرقدین ص ۱۲۴ وقال فی ص ۱۲۷ قال السیوطی رجالہ ثقات)

بے شک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے۔ (امام ہیثمیؒ مجمع الزوائد میں اور امام سیوطیؒ اپنی کتاب فض الدعاء میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ (رجالہ ثقات)

اور حضرت الاسود العامریؒ اپنے والدؒ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ

صلیتُ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الفجر فلما انصرف رفع یدیہ ودعا۔ (رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ ج ص)

میں نے فجر کی نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

اور یہ دعا کافی دیر تک ہوتی رہتی تھی حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ

کان رسول اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ یدعو حتی انی لاسأم لہ ما یرفعھما (رواہ احمد بثلاثۃ اسانید ورجالھا کلھا رجال الصحیح مجمع الزوائد ج ص ۱۶۸)

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہاتھ اٹھا کر دعاء کیا کرتے تھے یہاں تک میں آپ کے دیر تک ہاتھ اٹھانے کی وجہ سے اکتا جاتی تھی۔

حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۷۲ھ) چند فقہی حوالے اور روایات نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

الحاصل یہ روایات فقہیہ ہیں جن سے صراحۃً ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد امام اور مقتدی سب مل کر دعا مانگیں اور دعا سے فارغ ہو کر ہاتھ منہ پر پھیریں۔

(نفائس مرغوبہ فی حکم الدعا بعد المکتوبہ ص۱۵)

اور سنتوں کے بعد دعا کے بارے ایک معترض کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

چہارم یہ کہ سنتوں کے بعد اجتماعی طور پر دعا مانگنے کا عدم جواز بھی اسی قول سے اور اسی دلیل سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس کا احادیث سے ثابت نہ ہونا اس سے زیادہ اظہر ہے پس معترض کا سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کو جائز کہنا اور فرضوں کے بعد کی دعا کو ناجائز کہنا تعسف و تحکم ہے (نفائس مرغوبہ ص۲۰) بعض علاقوں میں سنتوں اور نوافل کے بعد اجتماعی طور پر دعا کا خاصا اور خوب اہتمام کیا جاتا ہے اور دعا نہ کرنے والے کو نظر حقارت دیکھا جاتا ہے حالانکہ یہ کاروائی نری بدعت ہے علماء کو اس سے سختی کے ساتھ گریز کرنا چاہیئے اور علی الخصوص علماء حق کو جو بعض علاقوں میں رسمی اور رواجی طور پر اس بدعت اور مکروہ فعل میں گرفتار اور مبتلا ہیں۔

نماز کے بعد جماعتی صورت میں بلند آواز سے دعاء

سابق ابحاث سے یہ بات بخوبی معلوم ہو چکی ہے کہ ذکر اور دعا کا ایک ہی حکم ہے جس طرح بجز مستثنیٰ مواقع کے ذکر میں اخفاء اصل اور مطلوب ہے یہی حکم دعا کا بھی ہے مگر مزید چند صریح حوالے پیش کرنے میں کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔

(۱) امام ابراہیمؒ بن موسیٰؒ بن محمد۔ الشاطبی المالکیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ولو کان الاجتماع للدعاء اثر الصلوٰۃ جھرًا للحاضرین من باب البر والتقویٰ لکان اول سابق الیہ لکنہ لم یفعلہ اصلًا ولا احد بعدہ حتی حدث ما حدث فدل علی انہ لیس علی ذلک الوجہ بر ولا تقویٰ۔

(الاعتصام ج۱ ص۳۰۲ و ص۳۰۳ طبع مصر)

اگر نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کے لئے حاضرین کا اجتماع نیکی اور تقویٰ کے باب سے ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس میں سب سے پہلے سبقت لے جاتے لیکن یہ کاروائی نہ تو آپ نے کبھی کی اور نہ آپ کے بعد کسی اور نے کی یہاں تک کہ یہ بدعت پیدا ہوئی۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ نیکی اور تقویٰ کی مد سے نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نمازوں کے بعد جہراً دعا کرنا نہ تو آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ آپ کے بعد حضرات خلفاء راشدینؓ اور ائمہ دینؒ سے اگر یہ کارروائی نیکی اور تقویٰ کی مد میں ہوتی تو ان حضرات سے یہ کبھی نہ چھوٹتی اور سب سے پہلے اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عمل کرتے لیکن آپ نے ہرگز ایسا نہیں کیا لیکن یہ یاد رہے کہ تعلیم دعا کا حکم الگ ہے اور اسی کتاب میں متعدد حوالوں سے ذکر اور دعا کی تعلیم کے لئے بقدر ضرورت جہر کرنا صراحت سے مذکور ہے اس لئے بلا وجہ غلط فہمی یا عمداً غلط مبحث اہل علم کی شان کے مناسب نہیں ہے۔

(۲) حضرت امام ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

واما الدعاء فیسر به بلا خلاف (شرح مسلم ج ۱ ص ۳۱۱) بہرحال دعا بالاتفاق آہستہ کی جائے اس سے معلوم ہوا کہ دعا کے آہستہ ہونے میں سب کا اتفاق ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

(۳) امام سراج الدین الاودی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

یستحب فی الدعاء الاخفاء ورفع الصوت بدعة ورفع الصوت عند سماع القرآن والوعظ مکروہ ومایفعله الذین یدعون الوجد والمحبة لا اصل له یمنع الصوفیة من رفع الصوت وتخریق الثیاب۔	دعا میں مستحب یہ ہے کہ آہستہ ہو اور دعا میں آواز بلند کرنا بدعت ہے اور قرآن کریم کے سماع اور وعظ کے وقت بھی آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور جو کارروائی وہ لوگ کرتے ہیں جو وجد و محبت کا دعویٰ کرتے ہیں اس کی کوئی اصل نہیں اور حضرات صوفیاؒ کو آواز بلند کرنے اور کپڑے پھاڑنے سے روکا جائے گا۔

(رفتاوی سراجیہ ص ۳۰ طبع نولکشور لکھنؤ)

فتاوی سراجیہ کے حوالہ سے یہ عبارت فتاوی عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۳ طبع مصر میں بھی نقل کی گئی ہے۔

(۴) حضرت ملا ن القاریؒ الحنفیؒ امام حسن بصریؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ

ان القصص بدعة وان رفع الصوت بالدعاء لبدعة وان مد الایدی بالدعاء لبدعة وان اجتماع الرجال والنساء لبدعة۔ (موضوعات کبیر ص ۱۰۱ طبع محمدی لاہور)	قصے بیان کرنے اور دعا میں آواز بلند کرنا البتہ بدعت ہے اور دعا میں ہاتھوں کا زیادہ مبالغہ سے بلند کرنا بھی یقیناً بدعت ہے اور مردوں اور عورتوں کا اجتماع بھی بلاشبہ بدعت ہے۔

ایک ہے قاعدہ کے مطابق دعا میں ہاتھ اٹھانا جس کو حضرات محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ رفع الایدی فی الدعاء سے تعبیر فرماتے ہیں وہ ثابت اور صحیح ہے، اور احادیث سے اس کا ثبوت ہے، (سو حدیث اس میں مروی ہے اور دعا میں ہاتھ اٹھانے کی حدیثیں تواتر معنوی کو پہنچی ہوئی ہیں۔ تدریب الراوی ص۳۷۵ طبع مصر) اور ایک ہے افراط اور مبالغہ کے ساتھ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا یہ استسقار کے موقع پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے (ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ۱ ص۱۳۱) عمومی حالات میں نہیں اور اسی کو رفع الایدی بالدعاء لبدعۃ سے اس عبارت میں تعبیر کیا گیا ہے رہا قصوں کا بیان کرنا تو اس میں بھی تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر قصے صحیح سند سے ثابت ہوں اور عبرت اور موعظت کے لئے ان کو بیان کیا جائے تو بالکل بجا اور صحیح ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ اور فَلَمَّا قَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ اور فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ وغیرہ اس کا واضح ثبوت ہے اور قرآن کریم سے ثبوت کے بعد کسی اور ثبوت کی ضرورت باقی نہیں رہتی، حضرت امام حسن بصریؒ کے ارشاد میں جن قصوں کا تذکرہ ہے ان سے بے ثبوت اور بے سروپا قصے اور خود ساختہ حکایتیں مراد ہیں جن کو عموماً واعظ اور غیر مستند لوگ بیان کرتے رہتے ہیں جن کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا اور ایسے ہی قصہ گو لوگوں کے بارے میں جناب رسول کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

سیکون بعدی قصاص لا ینظر اللہ الیھم ابو عمرو بن فضالہ فی امالیہ عن علیؓ صحیح۔ (الجامع الصغیر ۲ ص۳۶ للسیوطیؒ)	میرے بعد قصے بیان کرنے والے ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر شفقت نہیں کرے گا یہ روایت صحیح ہے اس کو امام ابوبکر عمرو بن فضالہؒ نے اپنی کتاب امالی میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔

اور ایسے قصہ گو لوگوں کو حضرات سلف صالحینؒ مسجدوں سے نکال دیتے تھے اور ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ امام محمدؒ بن عثمان البلخیؒ الحنفیؒ (المتوفی سنہ) لکھتے ہیں کہ

وابتغوا من فضل اللہ لا باجتماع القصص فھو بدعۃ وکانوا یخرجون القصاص من المسجد (عین العلم ص۹۴ طبع لاہور)	اور تم اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو لیکن نہ قصے جمع کرنے سے کیونکہ یہ بدعت ہے اور حضرات سلفؒ ایسے قصہ گو لوگوں کو مسجد سے

نکال دیا کرتے تھے۔

مگر صد افسوس ہے کہ آج کل اکثر لوگوں کو بجائے قرآن و حدیث کے لطف ہی ان بے سروپا قصوں میں آتا ہے اور خالص توحید اور سنت کا بیان سننے سے ان کا مارے غصے کے حلیہ ہی بگڑ جاتا ہے نعوذ باللہ تعالیٰ منہ۔

(۵) مفسر قرآن حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ نداءً خفیاً کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ای سرًّا فی جوف اللیل لان الذکر والدعاء سرًّا اکثر اخلاصًا والاخفاء سنۃ الدعاء (تفسیر مظہری ج ۶ ص ۸۲)	کہ یعنی آہستہ رات کے اندر کیونکہ ذکر اور دعا میں اخفا ہی سے اخلاص زیادہ ہوتا ہے اور مخفی کرنا ہی دعا کی سنت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مسنون طریقہ ہی دعا کا یہ ہے کہ وہ آہستہ ہو کیونکہ اس میں اخلاص بھی زیادہ ہے اور ریا اور نمازیوں وغیرہم کو تشویش میں ڈالنے کا امکان بھی نہیں ہے۔

(۶) حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) دعا کے بارے میں طویل بحث نقل کرتے ہوئے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ۔

تیسرا جزو خوب سمجھ لیجئے کہ مذاہب اربعہ (یعنی حنفیہؒ، شافعیہؒ، مالکیہؒ، حنابلہؒ) میں اس بارہ میں کوئی اختلاف نہیں کہ (نماز کے بعد آہستہ دعا مانگنا امام اور منفرد کے لئے مستحب ہے اور مالکیہؒ اور شافعیہؒ امام کے لئے اس کی اجازت دیتے ہیں کہ دعا جہراً پڑھے تاکہ مقتدیوں کو تعلیم ہو یا وہ اس کی دعا پر آمین کہہ سکیں امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۶۵ طبع کراچی منسوب) حضرات مالکیہؒ اور شافعیہؒ کی ضروری عبارتیں اسی کتاب میں مذکور ہیں جن میں اس کی صراحت موجود ہے کہ تعلیم کے بعد پھر جہر ترک کر دینا چاہیئے اور آہستہ دعا کرنی چاہیئے دوام جہر ان کے نزدیک بھی نہیں ہے اور اسی بحث میں آگے حضرت تھانویؒ ایک عبارت کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ مراد بظاہر یہ ہے کہ اگر دعا کا جہر تعلیم حاضرین اور ان کے آمین کہنے کے قصد سے ہو تو علماء اس کو مکروہ نہیں کہتے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص ۵۶۹ و ص ۵۷۰) اور ذکر کے بارے میں لکھتے ہیں ذکر دونوں طرح مفید ہے، لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۶۸ حضرت

تھانویؒ نے ذکر بالجہر کی اجازت مشروط دی ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے مگر آجکل مشاہدہ ہے کہ تقریباً نوانوے فی صدی ذکر بالجہر نمازیوں، بیماروں پڑھنے پڑھانے والوں اور دیگر لوگوں کی تکلیف کا باعث ہوتے ہیں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۷۲ھ) تحریر فرماتے ہیں:-

نیز امام کا زور زور سے دعا مانگنا بھی مکروہ ہے اگرچہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ ہی ہے لیکن اس کے اختیار کرنے اور عادت بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے، مکروہ بہرحال مکروہ ہے اسے چھوڑنا ہی بہتر ہے اور اولیت اور بہتری اس کے خلاف میں ہے۔ (نفائس مرغوبہ فی حکم الدعاء بعد المکتوبہ ص طبع کراچی) اس کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے دو حوالے دیئے ہیں ایک السعایہ کا اور دوسرا فتاویٰ بزازیہ کا یہ حوالہ دوسری جگہ اسی کتاب میں مذکور ہے۔ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۹۲ھ) فرماتے ہیں کہ۔

فالاصل فی جملۃ الاذکار ھو الاخفاء نعم ورد الجھر بھا احیانا لفائدۃ و داعیۃ ولا تثبت بہ السنیۃ وانما تثبت لو ثبت ان اکثر عمل صلی اللہ علیہ وسلم کان بالجھر وقد ثبت عندی جھر الاذکار والادعیۃ کلھا تقریبًا غیر التشھد والتسبیحات حتی جھر الآیۃ فی السریۃ ایضًا فدل علی ان معاملۃ الجھر والاخفاء ھین عند الشرع لا ان الجاھر بالتامین متبع السنۃ والمسر بہ مخالف لھا وانما بالغ فیہ المبالغون فقط اھ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۱۵)

اصل تمام اذکار میں اخفاء ہی ہے ہاں بعض اوقات کسی فائدہ اور کسی داعیہ کی وجہ سے جہر بھی وارد ہوا ہے مگر اس سے سنیت ثابت نہیں ہوتی سنیت تو تب ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر عمل جہر کا رہا ہو اور میرے نزدیک بلاشبہ تمام اذکار و ادعیہ کا جہر بغیر تشہد اور تسبیحات کے تقریباً ثابت ہے حتیٰ کہ سری نماز میں بھی آیت کا جہر ثابت ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ جہر و اخفاء کا معاملہ شریعت میں نرم ہے یہی نہیں کہ بلند آواز سے آمین کہنے والا ہی متبع سنت ہے اور آہستہ آمین کہنے والا ہی سنت کا مخالف ہے مگر اس میں بلاوجہ مبالغہ کرنے والوں نے

مبالغہ کیا ہے ذکر بلند آواز سے آمین کہنے ہی
سے سنت پوری ہوتی ہے)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض اوقات بلند آواز کے ساتھ دعا اور ذکر کرنے سے اس کا سنت ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ مثلاً آپ کا بعض اوقات جہر کرنا تعلیم کی خاطر ہوتا تھا اور کبھی کوئی اور فائدہ اور داعیہ پیش نظر ہوتا تھا اور اسی نظریہ کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سری نمازوں میں بھی کبھی کوئی آیت کریمہ جہر سے پڑھی اور آمین بھی کبھار جہر سے پڑھی لیکن اس سے اس کی سُنّیت ثابت نہیں ہوتی اس کے لئے تو مواظبت اور آپ کے اکثر عمل سے ثبوت درکار ہے جو یہاں مفقود ہے۔ یہ یاد رہے کہ جن حضرات نے نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کو جائز کہا ہے انہوں نے بھی اس کو مطلق نہیں چھوڑا بلکہ تعلیم کی قید اور کوئی مانع عارض نہ ہو کی قید کو ملحوظ رکھا ہے۔

دعا میں تجاوز ناپسندیدہ بات ہے۔

مذہب اسلام ایک ایسا فطری اور معتدل مذہب ہے جس میں افراط و تفریط کی کوئی گنجائش نہیں اس برحق مذہب میں ہر چیز کو حد اعتدال پر اور موزوں و مناسب موقع اور محل پر رکھا گیا ہے ذکر اور دعا عبادت ہے اور ان میں اخلاص اور اخفاء مطلوب ہے اور حد سے تجاوز شرعاً ناپسندیدہ امر ہے۔ حضرت عبداللہ بن مغفل نے اپنے بیٹے کو دعا کرتے سُنا کہ وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ اے پروردگار میں تجھ سے جنت کے دائیں طرف سفید رنگ کا محل مانگتا ہوں اس پر والد محترم نے ان کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یقول یکون فی ھذا الامۃ قوم یعتدون فی الدعاء والطھور (مستدرک ج ۱ ص ۵۴۰ قال الحاکم والذہبی صحیح)

بے شک میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سُنا آپ نے فرمایا کہ اس امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو دعا اور طہارت میں تجاوز کریں گے۔

اور حضرت سعد بن ابی وقاص رفاتح ایران المتوفی ۵۵ھ کی روایت میں آتا ہے آپنے فرمایا کہ:۔

سیکون قوم یعتدون فی الدعاء (جمع الجوامع الصغیر ج ۲ ص ۳۶ طبع مصر) وعن سعد صحیح

عنقریب ایک قوم ایسی آئے گی جو دعا میں تجاوز کرے گی۔

اور ان کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ

انی سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سیکون قوم یعتدون فی الدعاء فایاک ان تکون منہم الحدیث۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۲۰۸)

بلاشبہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سُنا آپ نے فرمایا کہ بتاکید ایسی قوم آئے گی جو دعا میں تجاوز کرے گی پس تو اس سے گریز کرکہیں تو اُن میں سے ہو جائے۔

دعا میں اعتداء اور تجاوز کی کئی صورتیں ہیں ایک یہ کہ جہاں شرعاً دعا ثابت نہیں وہاں دعا کی جائے مثلاً جنازہ کے ساتھ شریک ہونے والے چند قدموں کے بعد اجتماعی صورت میں دعاء مانگیں اور نماز جنازہ کے بعد دفن سے پہلے دعا مانگیں اور تیجہ ساتواں اور اس قسم کے متعین ایام میں اہتمام کے ساتھ جمع ہو کر دعا مانگیں اور سنتوں اور نوافل کے بعد مل کر دعا مانگیں اور مثلاً جہاں بلند آواز کے ساتھ دعا ثابت نہیں وہاں بلند آواز سے دعا مانگیں جنازہ کے ساتھ ہو یا نماز کے بعد اور مثلاً یہ کہ جو چیز کسی کی حیثیت اور شان کے لائق نہ ہو وہ طلب کریں یہ اور اس قسم کی متعدد صورتیں اعتداء فی الدعاء میں داخل ہیں اور جیسا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے وہ پوری ہو کر رہی ہے اور یہ ساری صورتیں مشاہدہ میں آچکی ہیں اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو افراط و تفریط سے بچائے اور راہ ہدایت پر قائم رکھے اور پاکیزگی میں تجاوز یہ کہ مثلاً ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے پاس سے گذرے وہ وضو کر رہے تھے آپ نے فرمایا اے سعدؓ یہ اسراف کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ حضرت کیا وضو میں بھی اسراف ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں اور اگرچہ تو جاری نہر کے کنارے پر ہی ہو۔

افی الوضوء سرف قال نعم ولو کنت علی ضفۃ نہر جار (غنیۃ المستملی ص ۳۳ طبع دیوبند)

ظاہر بات ہے کہ نہر جاری ہو اور اس کے کنارے پر وضو کیا جائے تو پانی میں کیا کمی واقع ہو سکتی ہے؟ لیکن شرعاً اس موقع پر بھی ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی اور اس کو اسراف کہا ہے۔

نماز کے لئے بلند آواز سے نیت کرنا؟

اس میں حضرات فقہاء کرامؒ کا اختلاف ہے کہ آیا نماز کے لئے تلفظ بالنیۃ درست ہے یا نہیں؟

چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ زبان سے نیت کرنا مستحب ہے یا نہیں؟ سو ایک قول جس پر امام ابو حنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے اصحاب ہیں یہ ہے کہ تلفظ بالنیت مستحب ہے کیونکہ اس سے دل اور زبان کی موافقت اور تاکید و تائید ہوتی ہے اور دوسرا قول یہ ہے جس پر امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے کچھ اصحاب ہیں کہ تلفظ بالنیت مستحب نہیں ہے بلکہ بدعت ہے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ سے منقول نہیں اس کے بعد انہوں نے اپنا مختار دوسرا قول بتا کر آگے یہ لکھا ہے کہ۔

وقد اتفق الائمة علیٰ ان الجهر بالنیة وتکریرها لیس بمشروع بل من اعتاده فانه ینبغی له ان یؤدب تادیبًا یمنعه عن التعبد بالبدع وایذاء الناس برفع صوته واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۸ طبع مصر)

اس پر حضرات ائمہ کرامؒ کا اتفاق ہے کہ بلند آواز سے اور بار بار نیت کرنا جائز نہیں ہے بلکہ جو شخص نے اس کی عادت بنائی تو مناسب ہے۔ کہ اس کو ایسی سزا دی جائے جس سے وہ اس بدعت کے طریقہ سے عبادت کرنے اور آواز بلند کر کے لوگوں کو اذیت دینے سے باز آجائے واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض مراتی قسم کے لوگوں کا یہ وتیرہ ہے کہ جب تک زبان سے بلند آواز کے ساتھ نیت نہ باندھیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری نیت نہیں ہوئی اس لئے وہ بار بار ایسا کرتے ہیں اس میں کئی خرابیاں جمع ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ بلند آواز کے ساتھ نیت باندھنے کو ضروری سمجھنا بدعت ہے جن بعض حضرات فقہاء کرامؒ نے زبان سے نیت کرنے کو بدعت کہا ہے اس کا یہی مطلب ہے کہ بلند آواز سے نیت کو ضروری سمجھا جائے اور دوسری خرابی یہ ہے کہ ایسی کارروائی کا ثبوت حضرات ائمہ کرامؒ سے نہیں جب کہ دین وہی ہے جو ان حضرات سے منقول ہوا ہے اور جس پر انہوں نے عمل کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل اتباع کر کے ایک بہترین نمونہ امت مسلمہ کے لئے چھوڑا ہے اور تیسری خرابی یہ ہے بلند آواز کے ساتھ نیت کرنے والے کی اس کارروائی سے باقی نمازیوں کو تکلیف اور تشویش ہوتی ہے اور کسی دوسرے کے ذہن کو پریشان کرنا خصوصاً جب کہ وہ نماز میں مصروف ہو کسی طرح بھی کراہت سے خالی نہیں ہے اور چوتھی خرابی یہ ہے کہ بعض کم فہم اور جاہل لوگ

ایسے مراقی شخص سے یہ اخذ کریں گے کہ نیت بآواز بلند ہونی چاہیئے اور اس کی کاروائی ایک غلط امر کی ترویج واشاعت کا ذریعہ ہوگی اور پانچویں خرابی یہ ہے کہ مسجد میں بلا ضرورت آواز بلند کرنا ویسے مکروہ ہے اور اس کا یہ عمل اسی کراہت کا حامل ہے۔

الغرض ایسے مراقی لوگوں کی یہ کاروائی کئی خرابیوں کا موجب ہے لہذا اس کو حضرات ائمہ کرامؒ نے پسند نہیں کیا اور بقول حافظ ابن تیمیہؒ ایسے کاروائی پر اصرار کرنے والا واجب تعزیر و تادیب ہے تاکہ لوگوں کے لئے وہ عبرت بن سکے اور آئندہ کوئی شخص ایسی یعنی کاروائی کا بھولے سے بھی ارتکاب نہ کرے۔ حضرت ملا علی القاریؒ یہ فرماتے ہوئے کہ علماء کرامؒ نے اس اتفاق کے بعد کہ بلند آواز کے ساتھ نیت کرنا مشروع نہیں ہے اس میں اختلاف کیا ہے کہ کیا زبان کے ساتھ امام یا مقتدی یا منفرد کے لئے نیت کا تلفظ کرنا درست ہے یا نہیں؟ لکھتے ہیں کہ:-

فالاکثرون علی ان الجمع بینهما مستحب لیسهل تعقل معنی النیة واستحضارها (مرقات ج ۱ ص ۴۰)

علماء کی اکثریت اس پر ہے کہ دل اور زبان کی نیت کو جمع کرلینا مستحب ہے تاکہ نیت کے معنی کا سمجھنا اور اس کا حاضر کرنا آسان ہو۔

باب ششم

درود شریف کا حکم

درود شریف بھی ایک اعلیٰ اور عمدہ ذکر ہے اور جہر و اخفاء کے بارے میں جو حکم دیگر اذکار کا ہے وہی حکم درود شریف کا ہے لیکن اس کے باوجود حضرات فقہاء کرامؒ نے اس کا حکم الگ بھی بیان فرمایا ہے وہ یہ کہ اس میں اگر تعلیم مقصود نہ ہو تو اخفاء ہی مطلوب ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ:

قاص عنده جمع عظيم يرفعون اصواتهم بالتسبيح والتهليل جملة لا بأس به والاخفاء افضل ولو اجتمعوا في ذكر الله تعالىٰ والتسبيح والتهليل يخفون والاخفاء افضل عند الفزع في السفينة او ملاعبتهم بالسيوف وكذا الصلوٰة علىٰ النبي صلى الله عليه وآله واصحابه وسلم كذا في القنية انتهىٰ۔

(عالمگیری ج ۵ ص ۳۲۹ طبع مصر)

اگر کسی واعظ کے پاس کوئی بڑی جماعت ہو جو اٹھے ہو کر (داد تحسین دیتے ہوئے) تسبیح و تہلیل پڑھتے ہوئے آواز بلند کریں تو کوئی حرج نہیں مگر اخفاء افضل ہے اور اگر وہ جماعت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور تسبیح تہلیل پر جمع ہو تو آہستہ ہی پڑھے اور کشتی پر گھبراہٹ کے وقت اور تلواروں کے ساتھ کھیلتے وقت آہستہ ذکر کرنا ہی افضل ہے اور اسی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر درود بھی آہستہ ہی پڑھنا افضل ہے جیسا کہ قنیہ میں ہے۔

(نوٹ) عالمگیری کے بعض نسخوں میں طباعت کی غلطی کی وجہ سے بجائے قاص کے قاض طبع ہو گیا ہے جو بالکل غلط ہے مفتی احمد یار خاں صاحب نے ایک کمال تو یہ کیا کہ لا بأس به کے جملہ تک عبارت نقل کر دی اور آگے والاخفاء افضل الخ ساری عبارت ترک کر دی اور

دوسرا کمال یہ کیا کہ طباعت کی غلطی نہ سمجھ سکے اور معنی یوں کیا کسی قاضی کے پاس بڑی جماعت ہوا لخ (ملاحظہ ہو جاء الحق ص۳۳۲) اور مؤلف ذکر بالجہر نے جمع عظیم سے لے کر لا باس بہ تک مفید عبارت نقل کر دی ہے اور اول و آخر کی عبارت گیارھویں شریف کا لذیذ حلوہ سمجھ کر ہڑپ کر لی ہے۔ (دیکھئے ص۳۸) ظاہر بات ہے کہ درود شریف کا دلجمعی اور اخلاص سے پڑھنا جس طرح اللہ تعالیٰ کے تقرب کا ذریعہ ہے اسی طرح حضرت محمد صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت اور اظہار عقیدت کا ایک عمدہ اور بہترین وسیلہ ہے لیکن اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ درود شریف آہستہ پڑھنا ہی افضل ہے اور اس سے قبل بحر الرائق کا حوالہ بھی گذر چکا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک دو عبارتیں اس پر اور نقل کر دیں تاکہ بات بخوبی آشکارا اور عیاں ہو جائے حافظ ابن الہمام الحنفیؒ تلبیہ کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

والمعنی فیہ انہا من شعائر الحج والسبیل فیما ھو کذلک الاظہار والاشہار کالاذان ونحوہ ویستحب ان یصلی علی النبی المعلم للخیر صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من التلبیۃ ویخفض صوتہ بذلک الخ (فتح القدیر ج۲ ص۱۴۱ طبع مصر)	اس کا مطلب یہ ہے کہ تلبیہ شعائر حج میں سے ہے اور ایسی چیزوں کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا اظہار و اعلان اور تشہیر کی جائے جیسے اذان وغیرہ اور مستحب یہ ہے کہ تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو معلم خیر ہیں درود شریف پڑھے لیکن درود شریف پڑھتے وقت اپنی آواز کو پست رکھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تلبیہ تو بلند آواز سے پڑھے اس لئے کہ شرعاً اس کا اعلان و اظہار مقصود ہے لیکن جب درود شریف پڑھنے کی باری آئے تو پست آواز سے اور آہستہ پڑھے کیونکہ اس کا اعلان و اظہار مطلوب نہیں ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ بیان کرنے والا کوئی وہابی نہیں بلکہ ذمہ دار فقہاء احناف ہیں اور بحر الرائق، عالمگیری اور فتح القدیر فقہ حنفی کی مستند ترین کتابیں ہیں اور اہل علم سے یہ بات مخفی نہیں اور یہ مسئلہ صرف فقہاء احناف کے ہاں نہیں بلکہ دیگر فقہاء کرام بھی اس کو صاف لفظوں میں بیان اور تسلیم کرتے ہیں چنانچہ علامہ بدر الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی البعلی الحنبلیؒ (المتوفی ۷۷۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

واتفق المسلمون علی ان الصلوٰۃ علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم والدعاء کلہ سرًا افضل بل الجھر ورفع الصوت بالصلوٰۃ بدعۃ ورفع الصوت بذالک او بالتوضی قدام الخطیب فی الجمعۃ مکروہ او محرم بالاتفاق ومنھم من یقول سرًا ومنھم من یقول یسکت (مختصر الفتاوی المصریۃ ص۹۲ طبع مصر)

تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف اور دعا سب کی سب آہستہ افضل ہے بلکہ درود شریف کا بلند آواز سے جہرًا پڑھنا بدعت ہے اور جمعہ کے دن خطیب کے سامنے بلند آواز سے درود شریف یا حضرات صحابہ کرام کا نام سُنکر رضی اللہ تعالےٰ کے الفاظ بلند آواز سے پڑھنے بالاتفاق مکروہ یا حرام ہیں بعض یہ فرماتے ہیں کہ آہستہ پڑھے (یعنی دل میں) اور بعض فرماتے ہیں کہ بالکل خاموش رہے۔

جس طرح پہلے صاف اور صریح حوالوں سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ بلند آواز سے ذکر اور دعا کرنا بدعت ہے اسی طرح اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنا بھی بدعت ہے اور درود شریف اور دعا کے آہستہ افضل ہونے پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے جیسا کہ اس عبارت سے ظاہر ہے لیکن اہل بدعت اور خواہش نفسانی کی پیروی کرنے والوں کو مسلمانوں کے اجماع و اتفاق سے کیا واسطہ؟ اور ان کو نصوص قطعیہ صریحہ سے کیا لگاؤ؟ اور ان کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے صریح ارشادات اور کتب فقہ حنفی کی واضح عبارات سے کیا تعلق اور سروکار؟ ان کو تو نت نئی بدعات گھڑ گھڑ کے اپنے پیٹ کے دوزخ کے لئے ایندھن مہیا کرنا ہے اور گروہ بندی کو برقرار رکھنے کے لئے بجائے رب تعالےٰ کی خوشنودی کے عوام الناس کو اپنی کارگذاری بتانا ہوتی ہے ان کی ان بدعات پر عامل ہو کر کوئی تباہ و برباد ہو یا ان سے رستگاری حاصل کر کے نجات پالے اہل بدعت اس سے بے نیاز ہیں کیونکہ ؎

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام — کشتی کسی کی پار ہو یا درمیان رہے

علمی خیانت

مفتی احمد یار خان صاحب نے امام نوویؒ کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کی ہے لیکن درمیانی حصہ جو ان کے قدرے خلاف پڑتا تھا بالکل پی گئے ہیں ہم پوری عبارت نقل کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

يستحب لقارئ الحديث وغيره ممن في معناه اذا ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يرفع صوته بالصلوٰة عليه والتسليم ولا يبالغ في الرفع مبالغة فاحشة وممن نص على رفع الصوت الامام الحافظ ابوبكر الخطيب البغدادي وآخرون وقد نقلته الى علوم الحديث وقد نص العلماء من اصحابنا وغيرهم انه يستحب ان يرفع صوته بالصلوٰة على رسول الله صلى الله عليه وسلم في التلبية والله تعالى اعلم۔ (کتاب الاذکار ص۱۰۷ طبع مصر)

حدیث شریف وغیرہ اور جو اس کے ہم معنیٰ ہے پڑھنے والے کے لئے مستحب ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آئے تو بلند آواز سے آپ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے اور آواز بلند کرنے میں زیادہ مبالغہ نہ کرے جن بزرگوں نے آواز بلند کرنے کی تصریح کی ہے ان میں امام حافظ ابوبکر الخطیبؒ اور دوسرے حضرات شامل ہیں اور میں نے اس کو علوم الحدیث میں نقل کیا ہے۔ اور ہمارے اصحاب (شوافعؒ) وغیرہم نے تلبیہ کے موقع پر درود شریف بلند آواز سے پڑھنے کے استحباب کی تصریح فرمائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مفتی صاحب نے جاء الحق ص۳۳۳ میں درمیانی خط کشیدہ عبارت اور اس کا ترجمہ بالکل ترک کر دیا ہے نہ معلوم یہ کونسی علمی خدمت اور تقویٰ و دیانت ہے اس کا مطلب تو بالکل واضح اور صاف ہے کہ جس بزرگ ترین ہستی اور ذات (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حدیث پڑھی جا رہی ہے اس مبارک موقع پر قدرے بلند آواز سے درود شریف پڑھی جائے تاکہ آغاز ہی سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمتیں شامل حال ہوں اور سننے والے بھی متوجہ ہوں اور طلبۂ حدیث کو آگاہی ہو کہ ہمیں بھی اس نیک اور مبارک عمل میں ان کی اقتداء کرنی چاہیئے لیکن ساتھ ہی تصریح کر دی ہے کہ آواز بلند کرنے میں زیادہ مبالغہ اور افراط نہ اختیار کرنا چاہیئے بلکہ یہ رفع صوت حد اعتدال تک رہنا چاہیئے۔ امام نوویؒ کا یہ ارشاد کہ میں نے اس کو علوم الحدیث میں نقل کیا ہے یہ اشارہ ہے اس کی طرف جو انہوں نے تقریب النواوی میں امام خطیب بغدادی الشافعیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

قال الخطيب ويرفع بها صوته اھ

علامہ خطیبؒ نے فرمایا کہ درود شریف پڑھتے وقت

(تقریب النواوی مع شرح تدریب الراوی ص۳۴۱ طبع مصر) (جب حدیث پڑھ رہا ہو تب۔ صفدر) اپنی آواز کو بلند کرے۔

مفتی احمد یار خان صاحب کا امام نوویؒ کی کتاب الاذکار کی عبارت سے مطلقاً درود شریف کے بلند آواز کے ساتھ پڑھنے پر استدلال صحیح نہیں ہے اولاً تو اس لئے کہ اس عبارت میں صرف دو مقامات پر رفع الصوت ثابت ہے ایک یہ کہ تلبیہ کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھے اور دوسرے حدیث شریف پڑھتے وقت اور ایسے ہی اس سے ملتے جلتے موقع پر مثلاً درس و تدریس کے موقع پر اس سے ہر ہر مقام پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کا ثبوت کیسے ہوا؟ بس یہی ثابت ہوگا کہ ان مقامات میں بلند آواز سے پڑھے وثانیاً تلبیہ میں رفع الصوت خود شرعاً مطلوب ہے جیسا کہ باحوالہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور اس سے حضرات شوافع وغیرہم نے یہ سمجھا ہے کہ درود شریف بھی بلند آواز سے ہو، چنانچہ ان کی عبارت میں وقد نصّ العلماء من اصحابنا وغیرھم الخ اس کا واضح قرینہ ہے۔ اور امام نوویؒ نے المجموع شرح المہذب ج۸ ص۱۱۵ طبع مصر میں بھی تلبیہ کیطرح درود شریف بھی بلند آواز سے پڑھنے کا تذکرہ کیا ہے لیکن علماء احنافؒ نے جن کی فقہی بصیرت مسلم ہے اور ان میں سے علی الخصوص حافظ ابن الہمام الحنفیؒ جن کو مولوی احمد رضا خان بریلوی بھی المحقق حیث اُطلِق سے تعبیر کرتے ہیں صرف تلبیہ میں رفع الصوت کے قائل ہیں چنانچہ ان کا حوالہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ جب تلبیہ سے فارغ ہو تو مستحب یہ ہے کہ درود شریف آہستہ پڑھے کیونکہ آواز بلند کرنے کا حکم صرف تلبیہ میں وارد ہوا ہے تو یہ اپنے مورد پر بند رہے گا اور درود شریف چونکہ ذکر ہے اس لئے اصل قاعدہ کے مطابق اس میں اخفاء ہی افضل ہوگا۔

اذان سے قبل اور بعد بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھنا۔

اذان شعائر دین میں سے ہے اور نماز کی طرف دعوت دینے کا ایک شرعی ضابطہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرامؓ اور خیر القرون میں اسی شرعی حکم کو نماز کی دعوت لئے کافی سمجھا جاتا تھا مگر شعبان ۷۹۱ھ میں سرزمین مصر میں ایک ظالم اور راشی حاکم نجم الدین البلبندی کے حکم سے اذان کے بعد بلند آواز کے ساتھ درود شریف پڑھنے کی بدعت ایجاد ہوئی اور اس علاقہ میں اس کا اس قدر رواج ہوا کہ اس کو کار ثواب سمجھا جانے لگا حتیٰ کہ بعض جید مصری علماء کرامؒ نے

اس کو بدعت مانتے ہوئے بھی اس کے ساتھ حسنہ کا پیوند لگایا لیکن اس کے حسنہ ہونے کی کوئی عقلی یا نقلی معقول دلیل وہ نہ پیش کر سکے اس کے برعکس دیگر علماء کرام نے اپنے اپنے انداز سے اس کی تردید کی اور لوگوں پر واضح کیا کہ یہ بدعت ہے اور نجات اور کامیابی سلف صالحینؒ کی پیروی میں ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

اما ما احدث الناس قبل وقت الجمعة من الدعاء اليها بالذكر والصلوٰة على النبي صلى الله عليه وسلم فهو في بعض البلاد دون بعض واتباع السلف الصالح اولى۔

بہر حال لوگوں نے جمعہ کے وقت سے پہلے جمعہ کی طرف دعوت دینے کے سلسلہ میں ذکر اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کی جو بدعت ایجاد کی ہے وہ بعض شہروں میں ہے اور بعض میں نہیں ہے لیکن سلف صالحینؒ کا اتباع ہی سب سے بہتر ہے۔

انتهى (فتح الباری ج ۲ ص ۴۵ طبع مصر)

حافظ ابن حجرؒ نے خالص علمی اور تحقیقی زبان میں نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ اس کاروائی کو بدعت کہہ کر سلف صالحینؒ کی پیروی کی تلقین فرمائی ہے حضرت ملا القاری الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

فما يفعله المؤذنون الآن عقب الاذان بالصلوٰة والسلام مرارًا اصله سنة والكيفية بدعة لان رفع الصوت بالذكر فيه كراهة سيما في المسجد الحرام لتشويشه على الطائفين والمصلين والمعتكفين۔

پس جو کاروائی اذان کے بعد اب مؤذن کرتے ہیں کہ بار بار الصلوٰۃ والسلام پڑھتے ہیں اصل درود شریف پڑھنا تو سنت ہے مگر یہ کیفیت بدعت ہے کیونکہ بلند آواز سے ذکر کرنے میں کراہت ہے خصوصاً مسجد حرام میں کیونکہ اس سے طواف کرنے والوں، نمازیوں اور اعتکاف کرنے والوں کو تشویش ہوتی ہے۔

(مرقات ج ۲ ص ۱۶۱ طبع ملتان)

شیخ الصوفیہ امام عبدالوہاب الشعرانی الشافعیؒ (المتوفی ۹۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ

قال شيخنا لم يكن التسليم الذي يفعله المؤذنون في ايام حياته ولا الخلفاء

ہمارے شیخؒ نے فرمایا کہ آجکل مؤذن جس طرح سلام پڑھتے ہیں یہ طریقہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ

الراشدین بل کان فی ایام الروافض بمصر اھ (کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۴۷ طبع مصر)

وسلم کی زندگی میں تھا اور نہ حضرات خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں بلکہ اس کی ایجاد مصر میں رافضیوں کے دور حکومت میں ہوئی۔

تاریخ الخلفاء سیوطیؒ ص ۴۹۸ در مختار ج ۱ ص ۶۴ اور طحطاوی ص ۱۰۴ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ بدعت ۹۶۱ھ میں جاری ہوئی۔ اصل واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک جاہل صوفی نے یہ طریقہ خواب میں دیکھا (حالانکہ مدار شریعت خوابوں پر نہیں اور نہ وہ شرعاً حجت ہیں) تو مصر کے ایک ظالم اور راشی حاکم کے سامنے اس کو پیش کیا اس بے دین نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً قانوناً یہ بدعت جاری کردی۔ چنانچہ علامہ مؤرخ اسلام مقریزیؒ لکھتے ہیں۔ کہ وہ جاہل صوفی قاہرہ کے محتسب کے پاس گیا جو اس وقت نجم الدین محمد البطبندی تھا جو ایک جاہل شیخ تھا قضا و محاسبہ میں بداخلاق تھا ایک ایک درہم پر جان دیتا تھا اور کمینگی اور بے حیائی کا پتلہ تھا حرام اور رشوت لینے سے دریغ نہیں کرتا تھا اور کسی مومن کی قرابت اور ذمہ کا اس کو پاس نہ تھا گناہوں پر بڑا حریص تھا اور اس کا جسم حرام سے پلا ہوا تھا اس کے نزدیک علم کا کمال بس دستار و جبہ تھا اور وہ یہ سمجھتا تھا کہ قضائے الٰہی اللہ تعالیٰ بندوں کو کوڑے لگانے اور عہدۂ قضا پر برابر چپٹے رہنے سے ہے اس کی جہالتوں کے قصے اور اس کے گندے افعال کی کہانیاں ملک میں مشہور تھے۔ (بحوالہ الابداع فی مضار الابتداع ص ۱۶۱ طبع مصر)

امام ابن حجر المکی الشافعیؒ اپنے فتاوی الکبریٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

وقد استفتی مشائخنا و غیرھم فی الصلوٰۃ والسلام علیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد الاذان علی الکیفیۃ التی یفعلہ المؤذنون فافتوا بان الاصل سنۃ والکیفیۃ بدعۃ (بحوالہ الابداع ص ۱۶۳)

ہمارے مشائخ وغیرہم سے یہ فتوی طلب کیا گیا کہ اذان کے بعد جس کیفیت سے (چلا چلا کر آجکل) مؤذن صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں کیا یہ درست ہے؟ تو انہوں نے فتوی دیا کہ اصل درود شریف پڑھنا تو سنت ہے لیکن یہ کیفیت بدعت ہے۔

"فتاوی ذخیرۃ السالکین" میں لکھا ہے کہ:۔

الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اذان سے پہلے اور اذان کے بعد آنحضرت

قبل الاذان وبعده من محدثات الامور التي لم يكن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدين والتابعين وتبعهم رضوان الله تعالى عليهم اجمعين۔ (بحوالہ غایۃ الکلام ص۱۲۸)

صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا ان امور بدعات میں سے ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدینؓ اور حضرات تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے زمانہ میں نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی سب پر رضا ہو۔

اور مؤلف مجالس الابرار فرماتے ہیں کہ اہل بدعت نے صرف اذان میں اکتفا نہیں کی بل زادوا عليها بعض الكلمات من الصلوٰة والتسليم على النبي صلى الله عليه وسلم وان كان مشروعا بنص الكتاب والسنة وكان من اكبر العبادات واجلها لكن اتخاذها عادة في الاذان على المنارة لم يكن مشروعا اذ لم يفعله احد من الصحابة والتابعين ولا غيرهم من ائمة الدين وليس لامرء ان يضع العبادات الا في مواضعها التي وضعها فيها الشرع ومضى عليه السلف (مجالس الابرار ص۳۰۰ طبع کانپور)

بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر صلوٰۃ وسلام کے بعض کلمات بھی زیادہ کئے ہیں درود شریف اگرچہ کتاب وسنت کی نص سے ثابت ہے اور بڑی اور درجے والی عبادات میں سے ہے لیکن منارہ پر اذان کے وقت اس کے پڑھنے کو عادت بنالینا مشروع نہیں کیونکہ حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؒ اور ان کے علاوہ ائمہ دینؒ میں سے کسی نے یہ کارروائی نہیں کی اور کسی آدمی کو یہ حق حاصل نہیں کہ عبادات کو ان جگہوں میں کرنا پھرے جہاں شریعت نے ان کو نہیں رکھا اور جس پر سلف صالحینؒ کا تعامل نہیں۔

اور علامہ ابن الحاج المالکیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فالصلوٰة والتسليم على النبي صلى الله عليه وسلم احدثوها في اربعة مواضع لم تكن تفعل فيها في عهد من مضى والخير كله في الاتباع لهم مع انها قريبة العهد بالحدوث جدًا او

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام کو ان (اہل بدعت) نے چار جگہوں میں ایجاد کیا ہے کہ ان مواقع میں سلف صالحینؒ کے زمانہ میں ایسا نہیں ہوتا تھا اور بھلائی سب ان کی پیروی میں ہے حالانکہ اس بدعت کی ایجاد کا زمانہ بہت ہی

هی عند طلوع الفجر من کل لیلة وبعد اذان العشاء لیلة الجمعة اھ (المدخل ج ۲ ص ۲۴۹ طبع مصر)

قریب ہے ان میں ایک جگہ ہر رات طلوع فجر کے وقت اور جمعہ کی رات عشاء کی اذان کے بعد ہے اھ

ذکر بالجہر بھی مشروط ہے:۔

جن اکابر نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے اس میں انہوں ان شرائط کو نظر انداز نہیں کیا جو ذکر بالجہر کے جواز کے لئے ضروری ہیں۔ چنانچہ علامہ شامیؒ رفع صوت بذکر کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اقول اضطرب کلام صاحب البزازیة فی ذالك فتارةً قال انه حرام وتارةً قال انه جائز و فی الفتاوی الخیریة من الکراهیة والاستحسان جاء فی الحدیث ما اقتضی طلب الجهر به نحو وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملأ خیر منهم رواه الشیخان وهناك احادیث اقتضت طلب الاسرار والجمع بینهما بان ذالك یختلف باختلاف الاشخاص والاحوال کما جمع بذالك بین احادیث الجهر والاخفاء بالقرأة ولا یعارض ذالك حدیث خیر الذکر الخفی لانه حیث خیف الریاء او تأذی المصلین او النیام فان خلا عنها ذکر فقال بعض اهل العلم ان الجهر افضل لانه اکثر عملاً ولتعدی فائدته الی السامعین ویوقظ قلب الذاکر فیجمع

میں کہتا ہوں کہ صاحب بزازیہ کا کلام اس مقام میں مضطرب ہے کبھی تو وہ ذکر بالجہر کو حرام کہتے ہیں اور کبھی جائز کہتے ہیں اور فتاویٰ خیریہ (ص ۱۸۱ ج ۱ طبع مصر مؤلفہ علامہ خیر الدین الرملی الحنفیؒ المتوفی ۱۰۸۱ھ استاد علامہ حصکفیؒ) کے باب الکراہیت والاستحسان میں ہے کہ حدیث میں ایسا ثبوت بھی آیا ہے جو طلب جہر کو چاہتا ہے مثلاً یہ کہ (رب العزت فرماتے ہیں) اگر کسی نے کسی جماعت میں میرا ذکر کیا تو میں اس کا ذکر اس سے بہتر جماعت میں کرتا ہوں بخاریؒ اور مسلمؒ نے اس کو روایت کیا ہے اور اس سلسلہ میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جو آہستہ ذکر کا تقاضا کرتی ہیں اور ان میں تطبیق یوں ہے کہ یہ اشخاص واحوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف حالات پر محمول ہیں جیسا کہ بلند آواز سے ..... اور آہستہ قرأت کرنے والی حدیثوں کو اسی طرح جمع کیا گیا ہے اور یہ اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں آتا ہے کہ بہترین ذکر وہ ہے

همه الی الفکر ویصرف سمعه الیه ویطرد النوم ویزید النشاط اھ ملخصًا وتمام الکلام ھناك فراجعهٗ وفی حاشیة الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا وخلفًا علی استحباب الذکر الجماعة فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصل او قاریٔ اھ انتھی۔

(الشامی ج ۱ ص ۶۱۸ طبع مصر)

جو آہستہ ہو اس لئے کہ وہ اس پر محمول ہے جہاں ریاء کا خوف یا نمازیوں یا سونے والوں کی اذیت کا خطرہ ہو پس اگر ان مذکورہ مجبوریوں سے خالی ہو تو بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سامعین تک متعدی ہے اور یہ ذاکر کے دل کو بیدار کرتا ہے سو اس طریقہ سے وہ اپنی دلجمعی سے فکر کرے گا اور اپنا کان اس کی طرف متوجہ کرے گا اور نیند کو دور کرے گا اور خوشی کو بڑھائیگا الخ (ملخصا) اور ان کی پوری عبارت وہیں مراجعت کرکے دیکھ لیں اور حموی کے حاشیہ میں امام شعرانیؒ سے نقل کیا ہے کہ سلفؒ وخلفؒ کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ مساجد وغیرہ میں جماعتی شکل میں ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا کسی تلاوت کرنے کرنے والے کو تشویش ہوتی ہے تو پھر جہر درست نہیں ہے۔

علامہ شامیؒ کی اس عبارت میں بعض باتیں قابل توجہ ہیں جن کو سمجھ لینا ضروری ہے تاکہ الجھن باقی نہ رہے۔

(الف) یہ کہ صاحب بزازیہ کے کلام میں اضطراب ہے کبھی تو وہ ذکر بالجہر کو حرام اور کبھی جائز کہتے ہیں اور مؤلف ذکر بالجہر نے ص۵۹ میں بھی اس کا یوں ذکر کیا ہے۔ صاحب بزازیہ کا کلام ذکر بالجہر کے بارے میں بظاہر مضطرب ہے لیکن حقیقت میں کوئی اضطراب نہیں کیونکہ وہ ذکر بالجہر کو اس وقت منع کرتے ہیں جب اس میں کوئی مصلحت نہ ہو اور جب اس میں مصلحت ہو تو پھر جائز ہے۔ انتہی بلفظہٖ مؤلف مذکور کے بس کا تو روگ نہیں البتہ علامہ شامیؒ پر ضرور تعجب ہوتا ہے کہ

اتنے بلند پایہ اور وسیع النظر محقق فقیہ کو صاحب بزازیہ کے کلام میں اضطراب کیسے نظر آیا؟ ہمیں تو ان کے کلام میں سرے سے کوئی اضطراب ہی نظر نہیں آرہا۔ اگر قارئین کرام غور سے ملاحظہ فرمائیں گے تو یہ بات ان کو بھی بحمداللہ تعالیٰ آسانی سے سمجھ آجائے گی ہاں ضد کا کوئی علاج نہیں۔ اضطراب کے لئے یہ شرط ہے کہ نفی اور اثبات (اور یہاں ذکر جہر اور سر) کا مورد اور محل ایک ہو اگر محل الگ الگ ہو تو پھر اضطراب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ پھر مصلحت اور غیر مصلحت کے ہیوند سے تطبیق دینے کی ضرورت پیش آتی ہے بات دراصل یہ ہے کہ صاحب بزازیہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیگر محققین علماء احنافؒ کے مطابق جہاں شریعت میں ذکر بالجہر ثابت نہیں اس مقام میں ذکر بالجہر کو حرام کہتے ہیں کیونکہ ایسے موقع پر اصل ہی اخفاء ہے اور ذکر بالجہر کرنا اللہ تعالیٰ کے امر اور حکم کے مخالف بھی ہے اور بدعت بھی اور جہاں خود شریعت نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے اس موقع پر وہ ذکر بالجہر کو جائز قرار دیتے ہیں مثلاً اذان خطبہ اور تلبیہ وغیرہ اور ان مقامات میں شرعاً جہر ثابت اور مطلوب ہے۔ الغرض جہاں انہوں نے ذکر بالجہر کو حرام کہا وہ اور مقام ہے اور جہاں اجازت دی وہ اور محل ہے جب محل الگ الگ ہے تو پھر اضطراب اور تعارض کیسے؟ ان کی پوری عبارت گزر چکی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:-

واما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبة والحج اھ (بزازیہ ج ۴ ص ۳۷۵ علی ہامش الہندیۃ)	اور بہرحال ذکر کے لئے آواز بلند کرنا جائز ہے جیسے اذان اور خطبہ اور حج میں۔

اس عبارت میں موصوف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جہاں شرعاً ذکر میں رفع الصوت محمود و مقصود ہے وہاں رفع الصوت جائز ہے اور اس کی مثال میں وہ اذان خطبہ اور حج میں تلبیہ کا ذکر کرتے ہیں اذان اور خطبہ کے بارے میں رفع الصوت کا باحوالہ تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور تلبیہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یوں ہے کہ

اتانی جبرائیل فامرنی ان امر اصحابی ان یرفعوا اصواتھم بالاھلال او بالتلبیۃ (ترمذی ج ۱ ص ۱۲۰ وقال حسن صحیح و موطا امام مالک ص ۱۲۹ و ابن ماجہ ص ۲۱۵)	میرے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے ساتھیوں کو تلبیہ میں آواز بلند کرنے کا حکم دوں۔

اور حضرت ابوبکر الصدیقؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا حضرت! کونسا حج افضل ہے؟ آپ نے فرمایا العجّ والثجّ۔ امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذیؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) اس کا معنیٰ یوں کرتے ہیں کہ

والعج ھو رفع الصوت بالتلبیۃ	عجّ کا معنیٰ تلبیہ میں آواز بلند کرنا اور ثجّ کا معنیٰ
والثج ھو نحر البدن (ترمذی ج ۱ ص ۱۰۲)	اونٹ وغیرہ جانور ذبح کرنا (یعنی قربانی کرنا)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حج اور احرام کی حالت میں بلند آواز سے لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ الخ کہنا شرعاً مطلوب ہے۔ الغرض صاحب بزازیہؒ نے نہ تو عموماً ذکر جہر کو جائز کہا ہے اور نہ مل کر بلند آواز سے لا الہ الا اللہ مسجدوں میں پڑھنے کو اور نہ بلند آواز سے درود شریف پڑھنے کو جائز کہا ہے اس کو تو وہ بہرکیف حرام کی حد میں شمار کر کے حضرت ابن مسعودؓ کا عمل اس پر دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے ایسی کارروائی کرنے والوں کو بدعتی کہا اور مسجد سے نکال باہر کیا۔ اور خود علامہ شامیؒ بھی صاحب بزازیہؒ کے حوالہ سے یہ لکھتے ہیں۔

واما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی	اور بہرحال ذکر میں آواز بلند کرنا جائز ہے جیسے
الاذان والخطبۃ والجمعۃ والحج اھ۔	اذان اور خطبہ اور جمعہ اور حج میں۔

(شامی ج ۵ ص ۵۳۰)

الحاصل ایسے صاف اور صریح الفاظ اور واضح مثال کے ہوتے ہوئے صاحب بزازیہ کے کلام سے عمومی طور پر ذکر بالجہر کے جواز پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ انہوں نے اس ساری عبارت میں وہی کچھ فرمایا ہے جو حضرت امام ابوحنیفہؒ اور دیگر حضرات فقہا احنافؒ نے فرمایا ہے کہ عمومی طور پر ذکر بالجہر بدعت ہے صرف ان مقامات اور مواقع میں جائز ہے جہاں شریعت نے اجازت دی ہے مثلاً اذان وغیرہ علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہم نے صاحب بزازیہؒ کے حوالہ سے یہ بات بھی پہلے عرض کی ہے کہ جب امام مقتدیوں کو ماثور دعائیں سکھلا رہا ہو اور مقتدی سیکھ رہے ہوں تو اس وقت تک جہر جائز ہے اور جب سیکھ چکے ہوں تو پھر ان کا جہر کرنا بدعت ہوگا دیکھئے کتاب الصلوٰۃ ص ۵۵) گویا اس حوالہ کے پیش نظر اس عبارت کا مطلب یہ نکلا کہ ذکر اور دعا سیکھنے اور یاد کرنے کے زمانہ میں جہر جائز ہے اور بعد کو بدعت ہے ایک کا زمانہ اور ہے اور دوسرے کا زمانہ اور ہے جب

دونوں حکموں کا محل اور مورد و زمانہ جدا جدا اور الگ الگ ہے تو اس صورت میں تعارض اور اضطراب کا کیا معنیٰ ؟

(ب) حدیث وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُہٗ فِیْ مَلَاءٍ (الحدیث) (بخاری ج۲ ص۱۱۰۱ ومسلم ج۲ ص۳۴۱ و مشکوٰۃ ج۱ ص۱۹۶) سند کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے لیکن اس سے علی التعیین اور قطعی طور پر عمومی ذکر مراد لینا ہی متعین نہیں بلکہ اس سے وعظ و نصیحت اور خطبہ و درس وغیرہ مراد لینا زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ الفاظِ حدیث کہ اگر کوئی شخص کسی جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس جماعت سے بہتر جماعت (یعنی فرشتوں) میں اس کا ذکر کرتا ہوں اس کی زیادہ تائید کرتے ہیں کیوں کہ ظاہر بات ہے کہ ایک آدمی جب جماعت میں ذکر کرتا ہو اور باقی سن رہے ہوں تو یہ وعظ و نصیحت اور خطبہ وغیرہ پر زیادہ چسپاں ہے اس سے عمومی ذکر پر استدلال قطعی نہیں اور پھر جہر کا اس میں صراحتہً نہیں بلکہ اقتضاءً ذکر ہے۔ اور علامہ آلوسیؒ ذکر بالجہر اور ذکر بالسر میں فقہاء کرامؒ اور علماء اسلام کے اختلاف کو مدنظر رکھ کر تطبیق دینے کے لئے یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

وفصل آخرون فقالوا الاخفاء افضل عند خوف الریاء او کان فی الجھر تشویش علیٰ نحو مصل او نائم او قاریٔ او مشتغل بعلم شرعی و بتقدیم الجھر علی الاخفاء فیما اذا خلا عن ذٰلک وکان فیہ قصد تعلیم جاھل او نحو ازالۃ وحشۃ عن مستوحش او طرد نعاس او کسل عن الداعی نفسہ او ادخال سرور علیٰ قلب مؤمن او تنفیر مبتدع عن بدعتہ او نحو ذٰلک۔

(روح المعانی ج ۸ ص۱۴۰)

اور دوسرے حضرات نے یہ تفصیل کی ہے اور کہا ہے کہ اخفاء اس مقام میں افضل ہے جہاں ریاء کا خوف ہو یا جہر کرنے کی وجہ سے مثلاً نمازی یا سونے والے یا تلاوت کرنے والے یا علم شرعی میں مشغول ہونے والے کو تشویش ہوتی ہو اور جہر اخفاء پر مقدم ہوگا جو مقام ان خرابیوں سے خالی ہو اور اس میں کسی جاہل کی تعلیم یا کسی گھبرائے ہوئے کی وحشت کو یا اونگھنے والے کی اونگھ کو یا خود دعا کرنے والے کی اپنے نفس سے سستی کو دور کرنا مقصود ہو یا کسی مومن کے دل میں خوشی داخل کرنے یا کسی بدعتی کو اسکی بدعت سے باز رکھنے کیلئے جہر کیا جائے یا اس جیسی کوئی اور وجہ ہو تو جہر بہتر ہے۔

مفتی احمد یار خان صاحب شامی کے حوالہ سے ایک عبارت نقل کرتے ہیں (جو اس کتاب میں نقل کی گئی ہے) اور اس کا وہ یوں ترجمہ کرتے ہیں متقدمین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ کہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی ہو۔ (جاء الحق ص ۳۳۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جہاں بھی کسی نماز، نیند، قرأت و تلاوت اور مطالعہ کتب اور تعلیم میں خلل پڑنے کا احتمال ہو وہاں ذکر بالجہر نہیں کرنا چاہیئے ہاں جہاں ایسا کوئی عارضہ نہ ہو اور اسکے ساتھ دوسرے اُمور (جن کا ذکر علامہ آلوسیؒ کی عبارت میں موجود ہے) میں سے کوئی امر ہو تو ذکر بالجہر میں کوئی مضائقہ نہیں مثلاً کسی جنگل بیابان میں یا اپنے مکان کی اندرونی کوٹھری میں جس سے آواز باہر نہ نکلتی ہو یا کوئی ایسی مسجد ہو جو بالکل خالی ہو یا کوئی خانقاہ ہو جس میں ذکر بالجہر سے کسی کے سکون و آرام میں خلل نہ پڑتا ہو تو بڑے شوق سے ذکر کرتا رہے۔

حضرت عائشہ (المتوفاۃ ۵۸ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو ایک شخص کی قرأت سنی جو مسجد میں پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے اس نے مجھے فلاں سورت کی فلاں فلاں آیت یاد کرادی جو مجھے بھول گئی تھی۔ (بخاری ج ۲ ص ۷۵۳ و مسلم ج ۱ ص ۲۶۷)

حضرت امام نوویؒ اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

منها جواز رفع الصوت بالقرأة في الليل وفي المسجد ولا كراهة فيه اذا لم يوذ احدًا ولا تعرض للرياء والاعجاب ونحو ذالك (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۶۷)	ان میں سے ایک یہ ہے کہ رات کے وقت اور مسجد میں بلند آواز سے قرأت کرنا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں جب کہ جہر سے کسی کو اذیت نہ دے اور نہ ریاء اور خود پسندی وغیرہ کا شکار ہو۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ اسی مضمون کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

الجواب:۔ اپنے ذکر کے اخفاء و اظہار میں آپ مختار ہیں اگر نیت اچھی ہے تو مضائقہ نہیں ہے مگر حتی الوسع اپنے عمل کا اخفاء مناسب ہے کیونکہ مآل کار ریاء کا اندیشہ ہو جاتا ہے، فقط والسلام رشید احمد عفی عنہ (فتاوی رشیدیہ ج ۳ ص ۱۰۸)

(ج) اس عبارت میں ذکر بالجہر اور ذکر بالسر کے اختلاف کو مختلف اشخاص اور احوال پر حمل کیا گیا ہے۔ اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں کہ نہ تو ہر شخص کے لئے ذکر بالجہر جائز ہے اور نہ ہر حالت میں یہ جائز ہے۔

(د) اس عبارت میں اپنی شرائط کے ساتھ ذکر بالجہر کی اجازت دی گئی ہے، اور جماعتی شکل میں مل کر بھی مگر اس میں اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔ کہ اگر ذکر بالجہر سے کسی نمازی یا سونے والے یا تلاوت وغیرہ کرنے والے کو تکلیف ہوتی ہو تو پھر ذکر جہر کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ تو سعیدی صاحب اور ان کی جماعت ہی اپنے اپنے اہل محلہ سے پوچھ لیں کہ لاؤڈ سپیکر پر جب وہ چلا چلا کر ذکر کیا کرتے ہیں آیا اس سے لوگوں کی نمازوں، نیند اور سکون میں کچھ خلل پڑتا ہے یا نہیں؟ عیاں راچہ بیان۔

علامہ ابن الحاج المالکیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وھذہ المسئلۃ لا یعلم فیھا خلاف بین احد من المتقدمین من اھل العلم انی منع رفع الصوت بالقرأۃ والذکر فی المسجد مع وجود مصل یقع لہ التشویش بسببہ اھ (المدخل ج ۱ ص ۱۰۶)

جب مسجد میں کوئی نمازی موجود ہو اور اس کو جہر کی وجہ سے تشویش لاحق ہوتی ہو تو مسجد میں بلند آواز سے تلاوت اور ذکر کرنے سے منع کیا جائیگا اس مسئلہ میں متقدمین اہل علم کا کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسجد میں صرف ایک ہی نمازی ہو اور قرأۃ اور ذکر سے اس کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہو تو تمام متقدمینؒ کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ اس کو جہر قرأۃ اور ذکر سے منع کیا جائے گا جو کچھ حضرات متقدمینؒ نے فرمایا متاخرین نے بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا جیسا کہ شامیؒ وغیرہ کی عبارات آپ دیکھ چکے ہیں۔ اور اس سے قبل علامہ ابن الحاج المالکیؒ لکھتے ہیں۔

فاذا دخل الی المسجد یجد التشویش برفع الصوت بالذکر فی المسجد علی صلوتہ فیمنع کل ما یشوش علی المصلی اھ۔ (المدخل ج ۱ ص ۱۰۵)

یعنی مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے والا مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنے سے ضرور اپنی نماز میں تشویش پائیگا سو جو کارروائی نمازی کیلئے باعث تشویش ہو اس سے منع کیا جائے گا۔

ذکر بالجہر کے بارے میں مولانا عبدالحی لکھنوی کا فتویٰ

مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبدالحیؒ میں ہے۔ استفتاء اس دیار میں عرصہ دو ماہ سے لوگوں نے عجیب ایک نئی صورت ذکر کی جاری کی ہے وہ یہ ہے کہ نماز فرض کے سلام کے بعد زور سے تین چار بار سب مقتدی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں اور سر بھی دھنتے ہیں جب اللہ اکبر کہتے ہیں کیا اس طرح سر دھننا دھن کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ اللہ اکبر کہا کرتے تھے فرض نماز کے بعد یا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانے میں کیا کرتے تھے یا ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں یہ دستور ہوا یا امام کے شاگردوں سے یہ صورت کذائی ذکر کی منقول ہے اگر اس طرح کے ذکر ان حضرات میں سے کسی معتبر کتاب میں منقول ہوں تو ہم لوگ بھی ذکر خیر و کار خیر جان کر ذکر مذکور کو بہیئت کذائی رواج دیں اور اگر اس طرح کے ذکر امام اور شاگردانِ امام سے منقول نہیں تو پھر اس ذکر محدث کو کیا کہیں گے۔ اور ایسے ذکر سے لوگوں کو بصورت اختیار باز رکھیں یا اجازت کرنے کی دیویں اور ہمارے حنفی مذہب میں علاوہ اس محل خاص کے جو ذکر کہ ثابت ہے وہاں زور سے ذکر کرنا افضل ہے یا آہستہ۔ بینوا توجروا ——— ھو المصوب۔

اس قسم کا ذکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے اور ائمہ وغیرہ سے منقول نہیں اور بہ تصریح علماء حنفیہ وغیر حنفیہ ذکر بعد نماز کے سِرًا مستحب ہے نہ جہرًا البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ بعد نماز کے جہرًا تکبیر کہتے تھے جیسا کہ بخاری اور مسلم میں ہے (اس کی بحث آگے اپنے مقام پر آرہی ہے انشاء اللہ العزیز صفدر) ابن عباسؓ سے قال کنت اعرف انقضاء صلوٰۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم بالتکبیر انتہیٰ فتح الباری میں ہے الظاھر انہ لم یکن یحضر الجماعۃ لانہ کان صغیرًا (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات کے وقت بخاری ج ۲ ص ۶۳۷ کی روایت کے مطابق ان کی کل عمر دس سال کی تھی صفدر) لا یواظب علیٰ ذالک فکان یعرف انقضاء الصلوٰۃ بما ذکر وقال غیرہ یحتمل ان یکون حاضرًا فی اٰخر الصفوف فکان لا یعرف انقضاءھا بالتسلیم وانما کان یعرفھا بالتکبیر انتہیٰ لیکن شراح حدیث نے اس کو حالت جہاد وغیرہ پر محمول کیا اور سر کو جہر سے افضل قرار دیا اور بعضوں نے اس کو بعض اوقات پر محمول کیا اور التزام کو اس کے منع کیا کتاب المدخل لابن الحاج

المالکیؒ میں ہے (اس کے بعد مدخل کی طویل عبارت نقل کی ہے جو اس حدیث سے متعلق ہے آخر میں ایک جواب میں مجاہدین اسلام کو بیان کر کے لکھتے ہیں صفدر)

فیستحب لھم ان یکبروا جھرًا یرفعون اصواتھم لیرھبوا العدو فان لم یحمل علی ذٰلک فیکون منسوخا بالاجماع لانہ لا یعلم احد من العلماء یقول بدا نتھٰی

(پس ان کے لئے مستحب ہے کہ وہ جہر کرتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہیں تاکہ وہ دشمنوں کو خوف زدہ کریں اگر اس توجیہ پر اس حدیث کو حمل نہ کیا جائے تو یہ اجماعًا منسوخ ہوگی کیونکہ علماء میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ان کی بات ختم ہوئی)

اور بھی مدخل میں دوسرے مقام میں ہے کہ

والیحذروا جمیعًا من الجھر بالذکر والدعاء عند الفراغ من الصلوٰۃ ان کان فی جماعۃ فان ذٰلک من البدع انتھٰی

(اور مناسب ہے کہ سب کو نماز سے فارغ ہونے کے بعد جماعتی رنگ میں بلند آواز سے ذکر اور دعا کرنے سے منع کیا جائے کیونکہ یہ بدعت ہے۔)

اور علامہ شیخ الاسلام بدرالدین العینی الحنفیؒ بنایہ شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں۔

قال ابوبکر الرازی قال مشائخنا التکبیر جھرًا فی غیر ایام التشریق والاضحٰی لا یسن الا بازاء العدو والقصوص و قیل وکذا فی الحریق والمخاوف کلھا انتھٰی وفی نصاب الاحتساب اذا کبروا علی اثر الصلوٰۃ جھرًا یکرہ وانہ بدعۃ یعنی سوی ایام النحر والتشریق انتھٰی (بنایہ ج ۲ ص)

(کہ امام ابوبکر الرازیؒ نے فرمایا کہ ہمارے مشائخؒ فرماتے ہیں کہ ایام تشریق کے علاوہ بلند آواز سے تکبیر کہنا مسنون نہیں مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور کہا گیا ہے کہ اسی طرح آگ لگنے اور بقیہ خطرات میں بھی ان کی بات ختم ہوئی اور نصاب الاحتساب میں ہے جب لوگ نمازوں کے بعد آواز سے تکبیر کہیں تو یہ مکروہ اور بدعت ہے مگر قربانی اور تشریق کے دنوں میں)

اور عبارات حنفیہ اس قسم کی بہت ہیں جن سے کراہت ذکر جہری بجز چند مواضع مستثناۃ کے ثابت ہوتی ہے تفصیل اس کی میرے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر میں موجود ہے الحاصل ذکر جہری بعد نماز کے سوائے ایام تشریق وغیرہ کے اگر احیانا ہو تو کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ جہر مفرط

نہ ہو اور ایسی اگر مقصود جہر سے تعلیم ہو اور بدون ان اغراض کے اس کا التزام و اہتمام کرنا جیسا کہ سوال میں مذکور ہے خلاف طریقۂ نبویہ و طریقۂ سلف صالح ہے واللہ اعلم حررہ الراجی عفو ربہ القوی ابو الحسنات محمد عبد الحی تجاوز اللہ عن ذنبہ الجلی والخفی۔ (مجموعہ فتاوی ج ۲ ص ۴۶ و ص ۴۷ و ص ۴۸ طبع یوسفی برقی پریس فرنگی محل لکھنؤ)

اور دوسرے مقام پر ذکر بالجہر کے بارے میں طویل بالحوالہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وفی النہایۃ شرح الہدایۃ المستحب عندنا فی الاذکار الخفیۃ الا ما تعلق باعلائہ مقصود کالاذان والتلبیۃ انتہی وصرح کثیر من الحنفیۃ منہم صاحب الہدایۃ ان الجہر بالذکر بدعۃ والاصل فیہ الاخفاء والحاصل ان الجہر وان کان جائزا لکن المفرط منہ منہی عنہ والسر افضل من الجہر الغیر المفرط ایضا کیف والجہر المفرط یستلزم مفاسد منہا ایقاظ النیام ومنہا شغل قلوب المصلین وہو یفضی الی سہوہم ومنہا ترک الخشوع عما ینبغی الی غیر ذالک من المفاسد التی لا تحصی وان شئت زیادۃ التفصیل فی ہذا فارجع الی رسالتی سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر

(مجموعہ فتاوی مولانا عبد الحیؒ ج ۲ ص ۳۰۲)

نہایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ ہمارے نزدیک اذکار کو آہستہ پڑھنا ہے مگر جس چیز کے اظہار سے کوئی مقصود وابستہ ہو مثلاً اذان اور تلبیہ ان کی بات ختم ہوئی اور فقہاء احناف کی اکثریت نے جن میں صاحب ہدایہ بھی ہیں یہ تصریح کی ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اور اصل ذکر میں اخفاء ہے اور حاصل یہ ہے کہ جہر اگرچہ جائز ہے لیکن جہر مفرط ممنوع ہے اور آہستہ ذکر جہر غیر مفرط سے بھی افضل ہے اور کیوں افضل نہ ہو جبکہ جہر مفرط کئی خرابیوں کو مستلزم ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ سونے والوں کو جگانا ہے اور ایک یہ کہ نمازیوں کے دلوں کو (توجہ الی اللہ سے) مشغول رکھنا اور یہ ان کو بھلانے تک نوبت پہنچاوے گا اور ایک یہ کہ اس طرح ترک خشوع لازم آتا ہے اور اس قسم کے کئی مفاسد ہیں جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا اگر اس مسئلہ کی تو تفصیل چاہتا ہے تو ہمارے رسالہ سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر کی طرف مراجعت کر۔

مولانا لکھنوی نے المدخل کا جو حوالہ دیا ہے اس کی کچھ مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔ امام ابو عبد اللہ محمد رح

بن محمدؒ بن محمد العبدری الفاسی المالکیؒ المتوفی ۷۳۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

فان قیل قد وردت احادیث تدل علیٰ جواز الذکر والقراۃ جھرًا وجماعۃً فالجواب ان الاحادیث الواردۃ فی ذالک محتملۃ للوجھین وجاء فعل السلف باحدھما فلاشک انہ المرجوع الیہ الخ (المدخل ج ۱ ص ۱۰۰ و ۱۰۱ طبع مصر)

اگر یہ کہا جائے کہ بلند آواز سے اور جماعتی صورت میں ذکر اور قرأت کے بارے میں جواز کی حدیثیں وارد ہوئی ہیں ان کا کیا جواب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو حدیثیں اس سلسلہ میں آئی ہیں وہ دو وجہوں کا احتمال رکھتی ہیں (ایک جہر کا اور دوسری اخفاء کا) اور سلفؒ کا تعامل ان میں سے ایک وجہ (آہستہ قرأت و ذکر) سے آیا ہے تو کوئی شک نہیں کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے ذکر بالجہر کے جواز اور اثبات پر دو حدیثوں کا حوالہ دیا ہے ایک حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ کی اور دوسری حضرت ابن عباسؓ کی پھر ان کے دو جواب دیئے ہیں جس کی بحث آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

امام شاطبیؒ نماز کے بعد دعا اور ذکر کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ثم نقول ان العلماء یقولون فی مثل الدعاء والذکر الوارد علیٰ اثر الصلوٰۃ انہ مستحب لا سنۃ ولا واجب وھو دلیل علیٰ امرین احدھما ان ھذہ الادعیۃ لم تکن منہ علیہ السلام علی الدوام والثانی انہ لم یجھر بھا دائمًا ولا یظھرھا للناس فی غیر مواطن التعلیم اذ لو کانت علی الدوام وعلی الاظہار لکانت سنۃ ولم یسع للعلماء ان یقولوا فیھا بغیر السنۃ اذ خاصیتہ حسبما ذکروہ الدوام والاظہار فی مجامع الناس اھ

پھر ہم کہتے ہیں کہ بلاشبہ علماء نے کہا ہے کہ دعاء اور ذکر جو نماز کے بعد وارد ہوا ہے وہ مستحب ہے سنت اور واجب نہیں ہے اور یہ دو چیزوں کی دلیل ہے اوّل یہ کہ یہ دعائیں آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں دواماً نہیں ہوتی تھیں اور دوسری یہ کہ آپ ہمیشہ ان کو بلند آواز سے نہیں ادا فرماتے تھے اور نہ تعلیم کی جگہوں کے بغیر ان کو لوگوں کے سامنے ظاہر فرماتے تھے کیونکہ اگر یہ دعائیں ہمیشہ ہوتیں اور جہر کے ساتھ ہوتیں تو یہ سنت ہوتی پھر علماء کے لئے یہ گنجائش کہاں سے ہوئی کہ وہ اس کو سنت قرار نہ دیں؟ مسنون چیز کی خاصیت

(الاعتصام ج ۱ ص ۲۸۹)

علماء کرام کے بیان کے مطابق یہ ہے کہ وہ دوامًا ہو اور لوگوں کے مجمعوں میں اس کو ظاہر کیا جائے۔

علامہ شاطبیؒ نے علمی اور فقہی طور پر جو نکتہ اٹھایا ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے اور یہی علامہ شاطبیؒ چند جائز اور مستحب امور پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فهذه امور جائزة او مندوب اليها ولكنهم كرهوا فعلها خوفًا من البدعة الخ۔

پس یہ امور جائز یا مستحب ہیں لیکن حضرات علماء کرام نے ان کے کرنے کو مکروہ سمجھا ہے اس خوف کے مارے کہ بدعت پر عمل نہ ہو جائے الخ

(الاعتصام ج ۱ ص ۳۸۶)

ہمارے حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالےٰ اجماعتہم نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ جائز اور مستحب چیزوں پر اصرار کرنا بدعت ہے۔ (اس کی مزید تحقیق "راہ سنت" میں ملاحظہ فرمائیں)

باب ہفتم

مساجد میں رفع اصوات

مساجد کا ادب و احترام جس طرح شریعت نے ملحوظ رکھا ہے اور اس کی تاکید کی ہے کوئی بھی باشعور مسلمان اس سے بے خبر نہیں ہو سکتا مساجد میں اذان و اقامت اور وعظ و نصیحت اور جہری نمازوں میں امام کی آواز کا بلند ہونا اور اسی طرح جو جواذ کار جہر سے ثابت ہیں) شرعًا ثابت ہے۔ اس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جس کو شریعت سے کوئی تعلق نہیں لیکن مستثنیٰ امور کے علاوہ مسجدوں میں آواز بلند کرنا شرعی اصول کے خلاف ہے۔ حضرت سائب بن یزید رضؓ فرماتے ہیں کہ میں مسجد (نبوی) میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے میری طرف سنگریزہ پھینکا میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر رضؓ تھے انہوں نے مجھ سے فرمایا جاؤ ان دو آدمیوں کو میرے پاس لے آؤ میں گیا اور ان کو لے آیا انہوں نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم کس قبیلہ اور کس خاندان سے تعلق رکھتے ہو؟ یا یہ فرمایا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ وہ بولے ہم طائف کے باشندہ ہیں حضرت عمر رضؓ نے فرمایا کہ اگر تم اس (مدینہ کے) شہر کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔

ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری ج ۱ ص ۶۷)	تم آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو۔

بلاشبہ مسجد نبوی میں آواز بلند کرنا بایں وجہ بھی ممنوع ہے کہ روضۂ اقدس کے اندر اپنی قبر مبارک میں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم آرام فرما ہیں اور عند القبر آپ صلوٰۃ وسلام وغیرہ سنتے ہیں اس لئے بھی آپ کی موجودگی میں نص قرآنی لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ الآیۃ

کے پیش نظر وہاں آواز بلند کرنا آپ کی اذیت اور تکلیف کا موجب ہے۔ جس کا ممنوع ہونا ایک واضح حقیقت ہے لیکن اس روایت میں حضرت عمرؓ نے مسجد کو بھی علت کے طور پر پیش کیا ہے اور اہل علم پر مخفی نہیں کہ ایک حکم کی متعدد علتیں بھی ہو سکتیں ہیں۔ حضرت نعمانؓ بن بشیرؓ فرماتے ہیں کہ میں منبر رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس تھا اتنے میں ایک شخص نے کہا کہ مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ میں اسلام لانے کے بعد کوئی اور کام نہ کروں بجز حاجیوں کو پانی پلانے کے (یعنی پانی پلانے کا درجہ زیادہ ہے) دوسرا بولا کہ مجھے بھی پرواہ نہیں کہ میں مسجد حرام کی تعمیر و خدمت کے بغیر کوئی اور کام نہ کروں تیسرا بولا کہ ان امور سے جن کا تم نے ذکر کیا ہے جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ زیادہ ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ۔

لا ترفعوا اصواتکم عند منبر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الحدیث	تم اپنی آواز کو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر کے پاس بلند نہ کرو۔

(مسلم ج ۲ ص ۱۳۴)

اس حدیث کی شرح حضرت امام نوویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

فیہ کراھۃ رفع الصوت فی المساجد یوم الجمعۃ وغیرہ وانہ لا یرفع الصوت بعلم ولا غیرہ عند اجتماع الناس للصلوٰۃ لما فیہ من التشویش علیھم وعلی المصلین والذاکرین واللہ تعالےٰ اعلم (شرح مسلم ج ۲ ص ۱۳۴)	اس روایت سے ثابت ہوا کہ جمعہ وغیرہ کے دن مسجدوں میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب لوگ نماز کے لئے جمع ہوں اس وقت علم وغیرہ کی آواز بھی بلند نہ کی جائے کیونکہ اس طرح سے مسجدوں میں جمع ہونے والوں اور نمازیوں اور ذکر کرنے والوں کو تشویش ہوتی ہے۔ واللہ تعالےٰ اعلم

حضرت امام نوویؒ کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ سب مساجد کا یہی حکم ہے کہ ان میں آواز بلند نہ کی جائے علم کی ہو یا ذکر وغیرہ کی کوئی اور آواز لیکن یہ قید بھی لگاتے ہیں کہ جب لوگ نماز کے لئے جمع ہوں (عند اجتماع الناس للصلوٰۃ) اور اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ایسا کرنے سے نمازیوں کی نماز میں خلل واقع ہوتا ہے اور اسی طرح جو حضرات اپنے ذکر اور ورد میں مصروف ہوتے ہیں ان کی

توجہ میں کمی واقع ہوتی ہے لہٰذا مسجدوں میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اس کی بحث انشاء اللہ العزیز اپنے مقام پر آرہی ہے کہ جب ذکر بالجہر نمازوں میں خلل پیدا کرتا ہے تو تم نمازوں کے بعد درس کیوں دیتے ہو؟۔

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت علیؓ (المتوفی ۴۰ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے (اس حدیث میں تقریباً پندرہ نشانیاں بیان فرمائی ہیں کہ ان کا ضرور ظہور ہوگا۔ ان میں ایک نشانی یہ بھی بیان فرمائی کہ۔

وظهرت الاصوات فی المساجد۔ — مسجدوں میں آوازیں بلند ہوں گی۔

(مشکوٰۃ ج۲ ص۴۷۲ وقال رواہ الترمذی والحدیث فی الترمذی ج۲ ص۴۴)

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وقد نص بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام۔ — ہمارے بعض حضرات علماء کرامؒ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنی حرام ہے اگرچہ ذکر کی آواز ہی کیوں نہ ہو۔

(مرقات ج۱۰ ص۱۷۱ طبع ملتان)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی تصریح ہے کہ مسجدوں میں آواز بلند کرنا اگرچہ ذکر ہی کی آواز کیوں نہ ہو حرام ہے اور علامہ علاؤ الدین محمدؒ بن علیؒ الحصکفی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۸۸ھ) آداب مسجد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

ویحرم فیه السوال ویکره الاعطاء مطلقا وقیل ان تخطی وانشاد[1] ضالۃ اوشعرا — مسجدوں میں سوال حرام ہے اور دینا مطلقاً مکروہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر گردنیں پھاند کر

---

[1] حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جس نے کسی شخص کو سنا کہ وہ مسجد میں کسی گمشدہ چیز کو طلب اور اس کا اعلان کر رہا ہے تو تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ چیز واپس نہ دلائے کیونکہ مسجدیں تو اس لئے بنائی گئیں (کہ تم ان میں گم شدہ اشیاء کے بارے میں اعلان کرتے رہو) مسلم ج۱ ص۲۱۰ و مشکوٰۃ ج۱ ص۶۸) مگر صد افسوس ہے کہ اس وقت مسجدیں ہی ایسے اعلانات کا مرکز بنی ہوئی ہیں فوا اسفا۔

لہٰذا حکمران طبقہ کو چاہیئے کہ گمشدہ چیزوں کے اعلانات کیلئے الگ لاؤڈ سپیکروں کا انتظام کرے تاکہ مساجد کی بے حرمتی بھی نہ ہو اور حضور (صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ارشاد کی نافرمانی بھی نہ ہو۔

مافیہ ذکر ورفع صوت بذکر الا للمتفقہۃ اھ (درمختار مع شرح ردالمحتار ج۱ ص۶۶۱ طبع مصر)

سائل کو دیا تب مکروہ ہے اور اسی طرح گم شدہ چیز کا تلاش کرنا اور شعر پڑھنا بھی مگر ایسے اشعار جن میں نصیحت ہو اور اسی طرح ذکر کرتے ہوئے آواز بلند کرنا بھی حرام ہے مگر علم اور فقہ حاصل کرنے والوں کے لئے۔

یہ عبارت بھی صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہے کہ مسجد میں ذکر کرتے ہوئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ علامہ حلبی الحنفیؒ نے غنیۃ المستملی کے آخر میں احکام المساجد کی ایک فصل قائم کی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ یجب ان تصان عن ادخال الرائحۃ الکریھۃ الی قولہ ورفع الصوت والخصومۃ اھ یعنی واجب ہے کہ مسجدوں کو اس سے بچایا جائے کہ ان میں بدبودار چیزیں داخل کی جائیں ..... اور اسی طرح آواز بلند کرنے اور جھگڑوں سے بچانا بھی ضروری ہے اس کے بعد مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے باسند حضرت معاذ بن جبل کی روایت نقل کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

جَنِّبُوْا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم الحدیث (کبیری ص۵۶۶ و۵۶۷)

مسجدوں کو اپنے بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ نیز خرید و فروخت اور جھگڑوں سے بچاؤ اور اسی طرح مساجد میں اپنی آوازیں بلند کرنے سے بھی گریز کرو۔

یہ روایت مصنف عبدالرزاق ج۱ ص۴۴۲ طبع بیروت میں موجود ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجدوں میں آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے اور اس سے ایسی آواز مراد ہے جو بلا حاجت ہو اور ضرورت سے زائد ہو کما سیجئ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فخر متاخرین علامہ سید محمود آلوسی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) ذکر بالجہر کے بارے میں تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔

وتری کثیرًا من اھل زمانک یعتمدون الصراخ فی الدعاء خصوصًا فی الجوامع

تم اپنے زمانہ میں بہت سے لوگوں کو دیکھو گے جو دعا کے وقت چلانے کو اپنا شعار بنائے

حتی یعظم اللغط ویشتد و تسمع	ہوئے ہیں خصوصیت سے جامع مسجدوں میں
المسامع وتشتد ولا یدرون انهم	حتی کہ ان میں اس قدر شدت سے شور وغل ہوتا ہے
جمعوا بین بدعتین رفع الصوت و	کہ کان بند ہوجاتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ انہوں
کون ذلك فی المسجد اھ	نے دو بدعتیں جمع کرلی ہیں ایک دعا کے وقت آواز
(روح المعانی ج ۸ ص ۱۳۹)	بلند کرنا اور دوسری مسجد میں آواز بلند کرنا۔

یہ شکوہ تو علامہ آلوسیؒ اپنے دور کا کررہے ہیں جو تقریباً سوا سو سال آج سے پہلے کا دور ہے اور خیر القرون کے قریب ہے اور اغلب ہے کہ اس دور میں لاؤڈ سپیکر بھی نہ ہوں گے اگر ہوتے بھی تھے تب بھی بہت شاذ و نادر ہوں گے۔ علامہ موصوفؒ اگر آج ہمارے دور اور ہمارے علاقہ میں ہوتے تو خدا جانے کیا کیا شکوے کرتے؟

حافظ ابن تیمیہ الحنبلیؒ (المتوفی ۷۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ورفع الصوت فی المساجد نهی عنه و	مسجدوں میں آواز بلند کرنا ممنوع ہے اور مسجد
هو فی مسجد النبی صلے اللہ علیہ وسلم	نبوی میں اور سخت ممنوع ہے۔
اشد اھ (مناسک الحج ص ۳۶ طبع مصر)	

اصل بات یہ ہے کہ مسجدوں میں ذکر بالجہر عموماً نام ونمود اور شہرت اور اپنے گروہی تعصب اور دوسرے عقائد کے لوگوں کو نیچا دکھانے اور تنگ کرنے کے لئے ہوتا ہے گویا یوں کہہ دیجئے کہ اس کارروائی میں حبِ علیؓ کم اور بغضِ معاویہؓ زیادہ ہوتا ہے اور اسی چیز کا شکوہ امام ابراہیمؒ بن موسیٰ الشاطبی المالکیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ) یوں کرتے ہیں:۔

واما ارتفاع الاصوات فی المساجد	بہرحال مسجدوں میں آوازیں بلند کرنا تو یہ دین میں
فناشئ عن بدعة الجدال فی الدین	جھگڑا کھڑا کرنے کی وجہ سے بدعت گھڑی گئی
(الاعتصام ج ۲ ص ۹ طبع مصر)	ہے۔

امام شاطبیؒ کے اس حوالہ کے پیشِ نظر مسجدوں میں آواز بلند کرنا اور چلا چلا کر ذکر اور دعائیں کرنا للّٰہیت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض جھگڑا اور جدال پیدا کرنے کے لئے یہ بدعت اختیار کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو بدعات سے بچائے اور محفوظ

رکھے اور دوسروں کو بھی اس کی توفیق ارزاں فرمائے اس کے لئے کوئی شئی مشکل نہیں ہے۔
جمع ہو کر مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا۔

امام حافظ الدین محمد بن محمد البزازی الحنفیؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں:۔

وفی فتاوی القاضی رفع الصوت بالذکر حرام وقد صح عن ابن مسعودؓ انہ سمع قوماً اجتمعوا فی مسجد یھللون ویصلون علیہ الصلوٰۃ والسلام جھراً فراح الیھم فقال ما عھدنا ذالک علی عھدہ علیہ السلام وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذالک حتی اخرجھم عن المسجد اھ
(فتاوی بزازیہ ج۳ ص۳۷۵ علی ھامش الہندیۃ)

قاضی صاحبؒ کے فتاویٰ میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا حرام ہے اور حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے صحت کے ساتھ یہ روایت ثابت ہے کہ انہوں نے سنا کہ کچھ لوگ مسجد میں جمع ہو کر بلند آواز سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور درود شریف پڑھتے ہیں چنانچہ حضرت ابن مسعودؓ ان کے پاس گئے اور فرمایا کہ ہم نے یہ کاروائی آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک عہد میں نہیں دیکھی اور میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں بار بار یہ فرماتے رہے یہاں تک کہ ان کو مسجد سے نکال دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جماعتی شکل میں مسجد کے اندر بلند آواز سے ذکر کرنا اور درود شریف پڑھنا بقول حضرت ابنؓ مسعود بدعت ہے اور انہوں نے بدعتیوں کی اس جماعت کو مسجد سے نکال دیا تھا حضرات صحابہ کرامؓ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود کا تفسیر فقہ اور علوم دینیہ میں جو مقام ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو تمہارے لئے ابن مسعودؓ پسند کرے میں بھی تمہارے لئے اس چیز کو پسند کرتا ہوں اور اس پر راضی ہوں۔ (مستدرک ج۳ ص۳۱۹ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح) اور ایک روایت میں ہے کہ جس چیز کو ابن مسعودؓ میری امت کے لئے پسند کرے میں اس پر راضی ہوں (ایضاً ج۳ ص۳۱۷) اور نیز ارشاد فرمایا کہ جس چیز کو عبداللہؓ بن مسعود پسند نہ کرے میں بھی اس چیز کو تمہارے لئے پسند نہیں کرتا۔ (الاستیعاب ج۱ ص۳۵۹) ملاحظہ فرمائیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پر کس طرح اعتماد کا اظہار فرما رہے ہیں؟۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کی امت کے لئے ایک زرین نصیحت مشکوٰۃ شریف میں رزین کے حوالہ

سے یوں نقل کی گئی ہے۔

وعن ابن مسعودؓ قال من کان مُستَنًّا فلیستنَّ بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیه الفتنة اولئك اصحاب محمد صلے اللہ علیه وسلم کانوا افضل هذه الامة ابرّها قلوبًا واعمقها علمًا واقلها تکلفا اختارهم الله لصحبة نبیّه ولاقامة دینه فاعرفوا لهم فضلهم واتبعوهم علیٰ اثرهم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقهم وسِیَرهم فانهم کانوا علیٰ الهدی المستقیم (رواه رزین (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۳۲)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص تم میں سے کسی کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے تو اسے ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے جو فوت ہو چکے ہیں کیونکہ زندہ انسان پر فتنہ میں مبتلا ہونے کا کوئی اطمینان نہیں ہوتا وہ بزرگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ ہیں وہ اس امت کے افضل ترین لوگ تھے وہ بہت نیک دل اور بہت گہرے علم والے تھے اور بہت کم تکلف کیا کرتے تھے اللہ تعالےٰ نے ان کو اپنے نبی صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبت اور رفاقت کے لئے چنا تھا اور دین کے قائم کرنے کے لئے ان کو انتخاب کیا تھا سو تم ان کی فضیلت کو پہچانو اور ان کے نشانات کی پیروی کرو اور جتنی بھی تمہیں توفیق ہو ان کے اخلاق اور ان کی عادات سے تمسک کرو کیونکہ وہ راہ راست اور ہدایت پر قائم تھے۔

حضرت ملا علی القاری الحنفی رح اقلها تکلفا کے جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ ذکر اور درود شریف مسجدوں یا گھروں میں حلقے بنا بنا کر بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے (مرقات ج ۱ ص ۲۱۴)

اس روایت کو بریلوی جماعت کے محقق اور مصنف عالم مولوی عبدالسمیع صاحب نے بھی نقل اور تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

چنانچہ حموی میں ہے فی فتاوی القاضی الجهر بالذکر حرام وقد صح عن ابن مسعودؓ انه سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یهللون ویصلون علیه الصلوٰة والسلام جهرًا

فراح اليهم وقال ما عهدت ذالك على عهدك عليه الصلوٰة والسلام وما اراكم الا مبتدعين فمازال يذكرذلك حتى اخرجهم من المسجد اور روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے ان لوگوں کو فقط احداث ہیئت جدیدہ کے لئے نہیں بلکہ یہ سمجھ کر نکالا تھا کہ یہ ذکر جہر کرنا ہی انکار سول اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہے اور یہ ہی ہم کہتے ہیں کہ جو احداث مخالف امر شارع کی ہو وہ منع ہے الخ (بلفظہٖ انوار ساطعہ ص۳۸ و ۳۹) یہ تو ایک بریلوی عالم کا مسلک اور عندیہ ہے اب آپ دو دیوبندی بزرگوں کا حوالہ بھی سُن لیں حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری (المتوفی ۱۳۵۲ھ) مسجد میں بلند آواز سے ذکر کے حرام ہونے کی بحوالہ حضرت ملا علی القاریؒ تصریح فرماتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو العرف الشذی ص۱۲۰) اور عہد حاضر کے جید عالم محدث اور فخر الاماثل حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم بھی مسجد میں بلند آواز سے ذکر کی ممانعت کی صراحت فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو معارف السنن ج۲ ص۳۴۲) رہا مؤلف ذکر بالجہر کا ص۶ میں) یہ حوالہ کہ امام احمد بن حنبلؒ کی کتاب الزہد میں حضرت ابووائلؒ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود کے بارے گمان کرتے ہیں کہ وہ ذکر سے روکتے تھے حالانکہ میں نے ان کے ساتھ کسی مجلس میں شرکت نہیں کی مگر وہ اس مجلس میں ذکر بالجہر کرتے تھے (محصلہ) تو ان کو سود مند نہیں اولاً اس لئے کہ اس کی سند اور پھر اس کی صحت اور اتصال درکار ہے محض حدیث صحیح کہنے سے صحیح نہیں ہو جاتی یا کم از کم مستند علماء اس کو صحیح قرار دیتے ہوں بخلاف ان کی نہی کی روایت کے جس کو وہ قدصحیح سے تعبیر کرتے ہیں وثانیاً نہ تو اس روایت میں مسجد کی قید ہے اور نہ اجتماعی رنگ کا ذکر ہے وثالثاً اگر ثابت بھی ہو تو یہ تعلیم پر محمول ہوگا۔ حافظ ابن حجرؒ نے حضرت امام اعظمؒ کے مسلک کے سمجھنے میں ایک غلطی کی ہے۔ حضرت ملا علی القاریؒ ان پر گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وفيه نظر من وجوه منها نسبة نفي مطلق الكراهة الى الامام الاعظم وهو افتراء عليه اذ مذهبه كراهة رفع الصوت في المسجد ولو بالذكر نعم يجوز التدريس في المسجد والبحث فيه حيث لم يشوش على المصلين اولم يكن هناك	کہ اس میں کئی وجوہ سے کلام ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ مطلقاً کراہت کی نفی کی نسبت حضرت امام ابوحنیفہؒ پر افترا ہے کیونکہ آپ کا مذہب یہ ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے اگرچہ ذکر ہی کی آواز کیوں نہ ہو ہاں انہوں نے مسجد میں تدریس اور علمی بحث

المصلون (مرقات ج۲ ص۲۲۳ طبع امدادیہ ملتان) کی اجازت دی ہے جب کہ اس سے نمازیوں کو تشویش نہ ہو یا مسجد میں سرے سے نمازی ہی نہ ہوں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ آپ جب یہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں تو اس سے آپ کی کیا مراد ہوتی ہے؟ فرمایا التحریم یعنی حرام (حاشیہ ہدایہ ج۴ ص۱۸۲) اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمدؒ سے صراحت کے ساتھ یہ ثابت ہے کہ وہ مکروہ کو حرام سمجھتے ہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں ھو الی الحرام اقرب (ہدایہ ج۴ ص۱۸۵) کہ مکروہ حرام کے قریب تر ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

پس مکروہ ہے کہ مقابل مباح است مکروہ تحریمی است۔ پس جو مکروہ مباح کے مقابل ہوتا ہے وہ مکروہ تحریمی ہوتا ہے۔

(مکتوب ۲۹ دفتر اوّل حصہ اوّل ص۷۰ طبع لاہور)

جن حضرات فقہاء احناف رحمہم اللہ نے مسجد میں بلند آواز سے ذکر کو حرام کہا ہے (جیسا کہ مرقات ہی کا ایک حوالہ پہلے گذر چکا ہے) تو اس فتویٰ کی بنیاد بھی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اس مسلک پر ہے اور جن حضرات نے مثلاً علامہ حصکفیؒ وغیرہ کما مر) کراہت کا اطلاق کیا ہے تو اس سے مراد بھی کراہت تحریم ہے، اب حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مسلک واضح سے واضح تر ہو گیا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا جداً بدعت ہے اور مسجد میں بلند آواز سے ذکر کرنا الگ بدعت ہے جیسا کہ علامہ آلوسیؒ کے حوالہ سے یہ بات پہلے عرض ہو چکی ہے کہ مساجد میں بلند آواز سے ذکر کرنے والے دو بدعتوں کے مرتکب ہیں یعنی دُہل بدعتی ہیں۔ اب سعیدی صاحب اور ان کے حواری ہی بتلائیں کہ مسجدوں میں بلند آواز سے ذکر کرنے والے حنفی ہیں یا منع کرنے والے؟ اور مسجدوں میں ذکر بالجہر کرنے والے بدعتی ہیں یا منع کرنے والے؟ بات صاف ہو۔

ستعلم لیلیٰ ای دین تدائنت واتی غریم فی التقاضی غریمھا

مساجد میں دنیوی باتیں اور شور وغل وغیرہ درست نہیں۔

مسجد ایک ایسا مقام ہے جہاں سے معرفت خداوندی اور سنت نبوی علیٰ صاحبہا الف

الف تحیۃ) حاصل ہوتی ہے اس کا ادب و احترام ہر مسلمان کا فریضہ ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ اس پر شاہد عدل ہے، اللہ تعالیٰ کے ان پاکیزہ گھروں اور دین اسلام کے ان مضبوط قلعوں کی ظاہری و باطنی حفاظت اسلام کا بنیادی تقاضا ہے مگر صد افسوس ہے کہ آجکل بعض مسجدیں محض پیٹ پروری کا ذریعہ اور سستی شہرت کا وسیلہ سمجھی جاتی ہیں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا تأتوھا تسعون وأتوھا تمشون وعلیکم السکینۃ فما ادرکتم فصلوا وما فاتکم فاتموا۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۸۴)

جب نماز قائم کی جائے تو تم دوڑ کر نماز کی طرف نہ آؤ، بلکہ آہستہ چل کر آؤ اور تم پر سکون اور آہستگی لازم ہے سو جو حصہ تم امام کے ساتھ حاصل کر لو تو اس کے ساتھ پڑھو اور جو حصہ تم سے چھوٹ گیا ہو اس کو پورا کرو۔

اور اس نہی کی ایک وجہ یہ ہے کہ دوڑ کر نماز میں شامل ہونے سے مسجد کی بے حرمتی ہوگی جو انتہائی قبیح امر ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

لیلینی منکم اولوا الاحلام والنھٰی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم وایاکم وھیشات الاسواق (مسلم ج ۱ ص ۱۸۱ ترمذی ج ۱ ص ۳۱ ومشکوٰۃ ج ۱ ص ۹۸)

مناسب ہے کہ تم میں سے تجربہ کار اور عقل والے میرے قریب ہوں پھر ان کے پیچھے وہ ہوں جو تمیز میں اُن کے قریب ہوں پھر ان کے پیچھے وہ ہوں جو ان کے قریب ہوں اور تم بازاروں کی طرح (مسجدوں میں) شور و شغب سے پرہیز کرو۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اور خصوصیت کے ساتھ جماعت کے وقت بازاروں کی طرح شور و غل کرنا مذموم فعل ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ بازاروں میں آوازیں بلند کرنا اور شور و غل برپا کرنا کوئی نیکی اور کار ثواب ہے عام بازاری قسم کے لوگ شاید اس کو جائز یا ہنر تصور کرتے ہوں مگر اسلام نے اس پر بھی پابندی عائد کی ہے اسلام کسی کے سکون میں خلل اندازی کو ہرگز برداشت نہیں کرتا بخاری شریف میں تورات کے مجموعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو خوبیاں اور کمالات بیان کئے

گئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔

ولا صخاب فی الاسواق (بخاری ج ۱ ص ۲۸۵ و ج ۲ ص ۷۱۷)

کہ آپ بازاروں میں شور وغل بپا نہیں کریں گے۔

حضرت امام بخاریؒ نے پہلی جلد میں اس حدیث پر باب یہ قائم کیا ہے باب کراھیۃ الصخب فی السوق۔ یعنی وہ باب جس میں یہ بیان ہوگا کہ بازار میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ کتاب یسعیاہ باب ۴۲ آیت ۲ میں ہے وہ نہ چلائے گا اور نہ شور کریگا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی دے گی۔ اور ظاہر امر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ بنا کر بھیجا ہے سو آپ کا یہ نمونہ امت پر بھی لازم ہے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یبغض کل جعظری جواظ صخاب فی الاسواق جیفۃ باللیل حمار بالنہار عالم بامر الدنیا جاھل بامر الآخرۃ (موارد الظمآن ص ۴۸۵)

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ ہر ایسے شخص سے بغض کرتا ہے جو متکبر اور مال جمع کرنے والا اور خرچ نہ کرنے والا ہو اور بازاروں میں شور مچاتا ہو، رات کو مُردار کی طرح پڑا رہے (نماز تہجد سے غافل ہو) اور دن کو (کام کے لئے) گدھا بنا رہے، دنیا کے کاموں کو تو خوب جانتا ہو اور آخرت کے معاملہ سے غافل ہو

یعنی دنیوی امور کا تو وہ ماہر ہو مگر دین اور آخرت کے مسائل سے وہ بالکل ناواقف ہو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے۔ مگر نہایت افسوس ہے کہ آجکل مساجد کا شرعی ادب واحترام بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اور اب تو وہ دور آگیا ہے اور وہ زمانہ آگیا ہے جس کے بارے میں جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذیل کی حدیثوں میں فرمائی گئی پیشگوئیاں حرف بحرف پوری نظر آتی ہیں:۔

حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

سیکون فی آخر الزمان قوم یکون حدیثھم

آخر زمانہ میں ایسے لوگ آئیں گے جن کی باتیں مسجدوں

فی مساجدھم لیس للہِ فیھم حاجۃ
(موارد الظمآن ص۹۹)

میں ہوں گی ان کی اللہ تعالےٰ کو کوئی حاجت نہیں (یعنی وہ ان سے راضی نہیں)

یہ باتیں دین کی تو ہو نہیں سکتیں کیونکہ شرعی قواعد کے مطابق ان باتوں کی نشر و اشاعت کے مراکز ہی مساجد ہیں اور مساجد ہی سے صدیوں یہ کارِ خیر وابستہ چلا آرہا ہے۔ یہ باتیں دنیوی ہو سکتی ہیں اور آجکل مساجد میں ان کی کوئی کمی نظر نہیں آتی چنانچہ امام نصر بن محمدؒ بن ابراہیم السمرقندی الحنفیؒ (المتوفی ۳۹۳ھ) یوں روایت کرتے ہیں۔

ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم قال یاتی علیٰ امتی زمان یکون حدیثھم فی مساجدھم لامر دنیاھم لیس للہ فیھم حاجۃ فلا تجالسوھم
(تنبیہ الغافلین ص۱۱۲ طبع مصر)

آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر ایک ایسا زمانہ آئیگا کہ ان کی دنیوی باتیں ہی مسجدوں میں ہوں گی اللہ تعالےٰ کو ان کی کوئی ضرورت نہیں سو تم ان کے پاس نہ بیٹھو۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

یأتی علی الناس زمان یتحلقون فی مساجدھم ولیس ھمتھم الا الدنیا لیس للہ فیھم حاجۃ فلا تجالسوھم۔
(مستدرک ج۴ ص۳۲۳ قال الحاکمؒ والذھبیؒ صحیح وقال العراقیؒ صحیح الاسناد تخریج الاحیاء ج۱ ص۱۳۶ للعراقیؒ)

لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں لوگ مسجدوں میں حلقے باندھیں گے اور ان کا مقصد صرف دنیا ہوگی اللہ تعالےٰ کو ان کی کوئی حاجت نہیں پس تم ان کے پاس نہ بیٹھو۔

مساجد میں صرف دنیا کمانے کی خاطر تعلیم و تدریس اور ختم شریف اور گیارھویں وغیرہ کے نام پر تحصیل زر سب اس کا مصداق ہیں اور حضرت عبداللہؓ عمرؓ فرماتے ہیں کہ

یأتی علی الناس زمان یجتمعون فی مساجدھم ویصلون ولیس فیھم مؤمن۔
(مستدرک ج۴ ص۴۲۲ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ وہ اپنی مسجدوں میں جمع ہوں گے اور نماز میں بھی پڑھیں گے مگر ان میں ایک بھی مومن نہ ہوگا۔

یہ حدیث اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے ختم نبوت کے منکر، منکرین حدیث اور غالی مشرک وغیرہ سب اس حدیث کی زد میں ہیں، اللہ تعالیٰ بچائے اور محفوظ رکھے۔

حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ

وقد صرح ابن الهمام بان المباح من الكلام فى المسجد مكروه يأكل الحسنات فكيف فى الطواف وهو فى حكم الصلوٰة الخ (المسلك المتقسط ص۱۱۱)

امام ابن الہمامؒ نے تصریح کی ہے کہ مباح کلام بھی مسجد میں مکروہ ہے اور یہ کلام نیکیوں کو کھا جاتا ہے پس بوقت طواف یہ کلام کیونکر درست ہوگا طواف نماز کے حکم میں ہے۔

یعنی جس طرح نماز عبادت اور بندگی ہے اسی طرح طواف کعبہ بھی عبادت ہے مگر اس میں بضرورت کلام کی اجازت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ طواف نماز ہی کی مثل ہے مگر اس میں تم کلام کر سکتے ہو (وکما قال المسلك المتقسط ص۱۱۱ طبع مصر)

علامہ حسینؒ بن محمد سعید عبد الغنی المکی الحنفیؒ اس قول کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ

قيده فى الظهيرية بان يجلس لاجله فانه حينئذ لا يباح بالاتفاق لان المسجد ما بنى لامور الدنيا و فى صلوٰة الجلابى الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز فى المسجد و ان كان الاولىٰ ان يشتغل بذكر الله تعالىٰ كذا فى التمرتاشى هندية۔ (ارشاد الساری الیٰ مناسك ملا علی القاریؒ ص۱۱۱ طبع مصر)

ظہیریہ میں اس کو اس بات سے مقید کیا ہے کہ دنیوی کلام ہی کی خاطر مسجد میں بیٹھے تب بالاتفاق مباح نہیں ہے کیونکہ مسجد دنیوی امور کے لئے نہیں بنائی جاتی اور جلابی میں نماز کی بحث میں ہے کہ دنیوی مباح قسم کی بات مسجد میں جائز ہے اگرچہ بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو اسی طرح تمرتاشی میں ہے۔ (عالمگیری)

اس سے معلوم ہوا کہ دنیوی امور کی باتیں کرنے کے لئے قصداً مسجد میں بیٹھنا بالاتفاق مباح نہیں ہے، ہاں اگر مسجد میں نماز تعلیم و تعلم اور وعظ و نصیحت سننے کے لئے گیا ہو اور بالتبع ضمناً دنیوی باتیں بھی ہو جائیں تو تمرتاشیؒ (امام شمس الدین محمد بن عبد اللہؒ بن احمد التمرتاشی الحنفیؒ

المتوفی ۱۰۰۴ھ مؤلف تنویر الابصار وغیرہ) کے حوالے کے پیش نظر گنجائش ہے لیکن اس کے ساتھ یہ تفصیل بھی ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ یہ مباح کلام بوقت حاجت اور بقدر ضرورت ہو اگر حاجت کے بغیر محض دل لگی کے لئے ہو یا قصداً و ارادۃً ضرورت سے زیادہ ہو تو پھر بھی اس کی اجازت نہ ہوگی حضرت ملا علی القاریؒ طواف کے وقت مکروہات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

الکلام الفضول اما ما یحتاج الیہ بقدر الحاجۃ فمباح کما سبق اھ (المسلک المتقسط ص۱۱۲)

فضول کلام بھی مکروہ ہے ہاں جس کلام کی حاجت ہو تو بقدر حاجت وہ مباح ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اور ارشاد الساری میں ہے کہ

قید الشیخ عبد اللہ العفیف فی منسکہ اباحۃ الکلام باحتیاجہ الیہ وبہ یزول التناقض اھ (ص۱۱۱)

شیخ عبد اللہ العفیفؒ نے اپنی منسک میں یہ قید لگائی ہے کہ کلام مباح کی اس وقت گنجائش ہے جب اس کی حاجت پڑے اور اس سے تعارض دور ہو جائے گا۔

فتاوٰی ہندیہ کی جس عبارت کا اوپر حوالہ آیا ہے وہ پوری اس طرح ہے کہ :۔

الجلوس فی المسجد للحدیث لا یباح بالاتفاق لان المسجد ما بنی لامور الدنیا وفی خزانۃ الفقہ ما یدل علی ان الکلام المباح من حدیث الدنیا فی المسجد حرام قال ولا یتکلم بکلام الدنیا وفی صلوٰۃ الجلابی الکلام المباح من حدیث الدنیا یجوز فی المساجد وان کان الاولیٰ ان یشتغل بذکر اللہ تعالیٰ کذا فی التمرتاشی (عالمگیری ج۵ ص۳۵۶ طبع مصر)

مسجد میں باتوں کے لئے بیٹھنا بالاتفاق مباح نہیں ہے کیونکہ مسجد دنیوی امور کے لئے تو نہیں بنائی جاتی اور خزانۃ الفقہ میں ایسا مضمون ہے جو اس پر دلالت کرتا ہے کہ دنیوی مباح قسم کی باتیں مسجد میں حرام ہیں انہوں نے کہا ہے کہ دنیوی باتیں نہ کرے اور جلابی کے باب الصلوٰۃ میں ہے کہ دنیوی مباح باتیں مسجد میں جائز ہیں اگرچہ بہتر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے اسی طرح تمرتاشی میں ہے۔

لیکن مجوزین حضرات کے نزدیک سابق تفصیل کو ملاحظہ رکھنا چاہیئے کہ کلام مباح بوقت حاجت ہو اور بقدر ضرورت ہو۔ علما اسلام میں جو زیادہ آزاد خیال گذرے ہیں وہ علامہ ابن حزم الظاہری (المتوفی ۴۵۶ھ) ہیں مگر وہ بھی یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ۔

والتحدث فی المسجد بما لا اثم فیه	مسجد میں دنیوی معاملات کی ایسی باتیں کرنا
من امور الدنیا مباح وذکر اللہ تعالٰی	جن میں گناہ نہیں مباح ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر
افضل (محلی ابن حزم ج ۴ ص ۲۴۱ طبع منیریہ مصر)	افضل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس بات میں گناہ ہو مثلاً یہ کہ کسی کی غیبت ہو کسی سے تمسخر ہو یا کسی کی دل آزاری کی بات ہو وغیرہ وغیرہ تو وہ جس طرح مسجد کے باہر جائز نہیں مسجد کے اندر بھی اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے بلکہ مسجد میں ان خلاف شرع امور کا گناہ اور وبال اور زیادہ ہوگا ہاں جائز قسم کی باتیں بقدر ضرورت وحاجت مباح ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ان سے بہت افضل و بہتر ہے۔

مسجد میں تعلیم کے لئے آواز بلند کرنا جائز ہے۔

مرقات کے سابق حوالہ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مسجد میں تعلیم و تدریس اور علمی بحث اور گفتگو کی اجازت دی ہے لیکن اس شرط سے کہ نمازیوں کو تشویش نہ ہو لہٰذا سعیدی صاحب کا یہ طنزیہ مشورہ کہ پھر تو تقریریں اور درس بھی بلند آواز سے ختم کر دینا چاہیئے لیکن درس اور تقریریں اس لئے تم ختم نہیں کرو گے کہ تمہاری روزی کا معاملہ ہے (محصلہ ص۱۰) ایک لغلانہ مشورہ ہے جس کا جواب یہ ہے۔

الجواب۔ اہل السنت والجماعت مسجدوں میں اس لئے بلند آواز سے تقریریں اور درس نہیں دیتے کہ یہ ان کی روزی کا مسئلہ ہے روزی کے ذرائع اللہ تعالیٰ نے بے شمار رکھے ہیں اور وہ اسی میں بند نہیں یہ حضرات تقریر اور درس اس لئے بلند آواز سے دیتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ کے موقع پر وعظ و نصیحت کرتے ہوئے آواز بلند کی (کما مر) اور اس لئے یہ آواز بلند کرتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے مسجدوں میں اس کی اجازت دی ہے اور حنفی المسلک کو اپنے امام کی پیروی کرنی چاہیئے اور

بحمداللہ تعالیٰ ہم دیگر عقائد اور مسائل کی طرح اس میں بھی حضرت امام اعظمؒ کی پیروی کرتے ہیں آپ لوگ جس کی چاہیں پیروی کریں کیونکہ ع

نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا کہ جو شخص میری اس مسجد میں آئے اور اس کے آنے کی غرض صرف یہ ہو کہ وہ خیر یعنی علم و عمل سیکھنا چاہتا ہے یا سکھانا چاہتا ہے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے مجاہد فی سبیل اللہ الحدیث (ابن ماجہ ص۲۰ والبیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ ج ۱ ص۷)

اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں :-

یتعلمہ او یُعلمہ او للتنویع وفیہ دلالۃ ظاھرۃ علیٰ جواز التدریس فی المسجد خلافا لما تقدم عن الامام مالکؒ ولعلہ منع رفع الصوت المشوش فھو بمنزلۃ المجاھد فی سبیل اللہ من حیث ان کلا منھما فرض کفایۃ اھ (مرقات ج ۲ ص۲۲۱)

سیکھے یا سکھائے اس میں حرف او (تشکیک کے لئے نہیں بلکہ) تنویع کے لئے ہے اور اس میں کھلی دلالت ہے کہ مسجد میں تدریس جائز ہے بخلاف اس کے جو پہلے حضرت امام مالکؒ کے حوالہ سے بیان ہوا کہ مسجد میں علم کی آواز بھی نہیں بلند کی جاسکتی، اور شاید کہ انہوں نے ایسی آواز سے منع کیا ہو جو موجب تشویش ہوتی ہو تو ایسا شخص مجاہد فی سبیل اللہ ہے کیونکہ (علم حاصل کرنا اور جہاد کرنا) دونوں فرض کفایہ ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح عام حالات میں (نہ کہ دشمن کے حملہ کی صورت میں کیونکہ اس موقعہ پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے) جہاد فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح (ضروریات دین سے زائد کا علم کیونکہ اس حد تک علم حاصل کرنا فرض عین ہے) علم حاصل کرنا بھی فرض کفایہ ہے تو ایسے دونوں شخص فی سبیل اللہ کا مصداق ہیں دیگر علماء نے بھی لکھا ہے اور حضرت امام نوویؒ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ اور ان کے علاوہ حضرات علماء کرامؒ کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ مسجد میں علم

وغیرہ کے لئے آواز بلند کرنا مکروہ ہے۔ لیکن حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ بن مسلمہ المالکیؒ نے علم اور آپس کے بحث و مباحثہ کے سلسلہ میں آواز بلند کرنے کی اجازت دی ہے کیونکہ لوگ مسجدوں میں جمع ہوتے ہیں اور اس کارروائی سے ان کو کوئی چارہ نہیں (محصلہ شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱۱) اور خود حضرت ملا علی القاریؒ نے بھی حضرت امام مالکؒ کا یہ مسلک چند جگہوں میں نقل کیا ہے مثلاً مرقات (ج ۲ ص ۲۲۳) میں حضرت امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں ممکن ہے کہ حضرت امام مالکؒ کا رفع الصوت بالعلم سے منع کرنا مطلق نہ ہو بلکہ ایسی آواز کے ساتھ مقید ہو جس سے تشویش پیدا ہوتی ہو اور بظاہر یہی بات حق اور صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ وعظ و نصیحت کے سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا آواز بلند کرنا اور صبح کی نماز کے بعد آپ کا حضرات صحابہ کرامؓ سے عموماً یہ دریافت فرمانا کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے دیکھا ہوتا تو آپ اسکی تعبیر بیان فرما دیتے تھے ایسے ہی موقع پر آپ نے اپنا ایک طویل خواب بیان فرمایا جو بخاری (ج ۱ ص ۱۸۵ و ج ۲ ص ۱۰۴۳) میں مذکور ہے، ظاہر بات ہے کہ حضرات صحابہؓ کرام کے مجمع میں یہ کارروائی بغیر رفع الصوت کے نہیں ہو سکتی تھی اور آپ جو فرماتے تھے وہ دین ہی ہوتا تھا کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ ایسی واضح باتیں بھی حضرت امام مالکؒ پر مخفی رہیں؟۔

باب ہشتم

ذکر بالجہر کے جواز کے دلائل

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان دلائل کا بھی اختصاراً تذکرہ کر دیں جن سے ذکر بالجہر کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کو زیر بحث مسئلہ کے دونوں پہلو یا بالفاظ دیگر تصویر کے دونوں رُخ آسانی سے نظر آجائیں اور دلائل کا توازن اور تقابل کرنے کی اہلیت رکھنے والے حضرات بسہولت صحیح اور راجح بات کو سمجھ سکیں کیونکہ ع

وبضدھا تتبین الاشیاء اہل علم کے ہاں مشہور بات ہے۔

قرآن کریم سے استدلال

مجوزین ذکر بالجہر نے قرآن کریم سے بھی اس پر استدلال کی سعی کی ہے، اب پڑھنے والے ملاحظہ کرلیں کہ وہ حضرات اپنے اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہیں۔

پہلی آیت کریمہ:۔

مؤلف ذکر بالجہر نے اس ذیل کی آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے کہ:۔ اور جس جہر میں ہمارا کلام ہے وہ قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت میں صراحۃً منصوص ہے اُذْکُرُوا

اللہ کَذِکْرِکُمْ آبَاءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا (قرآن کریم) "اللہ کا ذکر کرو جیسے تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ" مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں کفار کا طریقہ یہ تھا کہ وہ حج سے فارغ ہونے کے بعد بیت اللہ کے سامنے کھڑے ہوتے اور اپنے باپ دادا کے کارناموں کو فخر کے ساتھ بیان کرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بجائے آباء کے ذکر کے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو اور اہل فہم پر مخفی نہیں ہے کہ لوگوں کے سُنانے کے لئے جو ذکر ہوگا وہ بالجہر ہی ہوگا، پس اس آیت کریمہ سے صراحۃً ذکر بالجہر کا جواز ثابت ہوا چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:۔

دیگر آنکہ جہر مشروع است بے شبہ الیٰ ان قال از اوّلہ ان است قول حق سبحانہ وتعالیٰ کَذِکْرِکُمْ آبَاءَکُمْ۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۲۷۸ ذکر بالجہر ص ۱۶۱)

جان لو ذکر بالجہر بلاشبہ جائز ہے اور اس کے دلائل میں سے اللہ سبحانہ کا فرمان ہے کَذِکْرِکُمْ آبَاءَکُمْ

الجواب:۔ مؤلف مذکور کا یہ بیان صحیح نہیں ہے اوّلاً اس لئے کہ مؤلف مذکور نے حضرات مفسرین کرامؒ کے حوالہ سے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ یہ بیت اللہ کے سامنے ذکر ہوتا تھا جس سے بظاہر یہی تبادر ہوتا ہے کہ سب یا اکثر مفسرین کرامؒ اس ذکر کا محل وقوع بیت اللہ کے سامنے بتاتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے اکثر مفسرین کرامؒ اس کا محل وقوع منیٰ کا مقام بتاتے ہیں چنانچہ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ جب اہل جاہلیت افعال حج سے فارغ ہو جاتے تو وقفوا عند الجمرۃ وذکروا آباءھم الخ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۲۹۶ طبع مصر) یعنی جمرہ کے پاس کھڑے ہو کر اپنے آباء کا ذکر کرتے تھے تفسیر بیضاوی ص ۲۹ (تقطیع کلاں) اور تفسیر ابوالسعود (ج ۱ ص ۱۶۰ طبع مصر) میں منیٰ کا لفظ موجود ہے تفسیر جلالین میں جمرۃ العقبۃ کے الفاظ موجود ہیں (ملاحظہ ہو ص ۳۰ طبع اصح المطابع دہلی) حافظ ابن کثیرؒ لفظ موسم نقل کرتے ہیں (تفسیر ابن کثیرؒ ج ۱ ص ۲۴۳ طبع مصر) اور یہ لفظ بڑا عام ہے کہ کسی جگہ کی تعیین نہیں اور ایک تفسیر میں لفظ موقف آیا ہے (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۳) اگرچہ مناسک حج میں موقف کا لفظ مزدلفہ، عرفات اور منیٰ وغیرہ پر بولا جاتا ہے مگر حضرت مجاہدؒ وغیرہ کی صریح تفسیر کے موافق یہاں موقف سے منیٰ ہی مراد ہے انہی تفسیروں کے پیش نظر حضرت تھانویؒ نے منیٰ میں جمع ہو کر الخ سے اس کی تعبیر

کی ہے (بیان القرآن ج ۱ ص ۱۰۵) اور حضرت شیخ الہند محمود الحسنؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) تحریر فرماتے ہیں زمانہ قیام منیٰ میں اللہ کا ذکر کرو الخ (حاشیہ ص ۲۹) البتہ امام ابوبکرؒ بن عیاشؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

اذا فرغوا من الحج قاموا عند البیت اھ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۲۹۶) کہ جب وہ حج سے فارغ ہو جاتے تو بیت اللہ کے پاس کھڑے ہوتے اور غالباً اسی تفسیر کو مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے پیش نظر رکھ کر یہ لکھا ہے حج کے بعد کعبہ کے قریب اپنے باپ دادا کے فضائل بیان کرتے تھے (حاشیہ ص ۴۷) اور یہی تفسیر بظاہر مؤلف مذکور کے سامنے ہے لیکن یہ تفسیر سب یا اکثر مفسرین کرامؒ کی بیان کردہ نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کی عبارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے اور مقام منیٰ کعبہ شریف سے تقریباً چار میل دور ہے بالکل قریب نہیں و ثانیاً اس آیت کریمہ سے ذکر بالجہر مقصود نہیں بلکہ مقصود صرف کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ہے ضمناً اور بالتبع اس سے ذکر بالجہر ثابت ہوتا ہو تو اس کو صراحۃً ذکر بالجہر نہیں کہتے اور نہ اس میں ذکر بالجہر صراحۃً منصوص ہے جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر کو یہ مغالطہ اور دھوکہ لگا ہے یا وہ سینہ زوری سے کام لے رہے ہیں چنانچہ حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیلؒ بن کثیر الشافعیؒ (۷۷۴ھ) اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

والمقصود منہ الحث علی کثرۃ الذکر للہ عزوجل الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۲۴۳)	اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے کثرت ذکر پر آمادہ کرنا ہے۔

یعنی اس آیت کریمہ میں مقصود کثرتِ ذکر ہے جہر بالذکر نہیں جیسا کہ مؤلف مذکور کا بے جا دعویٰ ہے۔ اور قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقولہ تعالیٰ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا لیس فیہ التشبیہ فی الجہر بل فی اکثار الذکر اھ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۴۰۸)	اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسے کہ تم اپنے آباء کا ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ ذکر تو اس میں تشبیہ جہر میں نہیں بلکہ کثرت سے ذکر کرنے میں ہے۔

اس عبارت سے صراحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہو گئی کہ اس آیت میں مطلوب اور مقصود

ذکر بالجہر نہیں اور نہ مل کر جماعتی شکل میں ذکر کرنا مقصود ہے جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب کو دھوکہ ہوا ہے (ملاحظہ ہو حاشیہ ص۴۷) بلکہ اس سے مراد صرف کثرت ذکر ہے یعنی جس طرح تم اس موقع پر کثرت کے ساتھ اپنے آباء و اجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے ہو اسی طرح اس مقام پر تم اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر کرو اور اس کی حمد و ثنا میں اپنا وقت گذارو۔ وثالثاً حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا یہ فرمانا کہ یہ آیت کریمہ ذکر بالجہر کے اولہ میں سے ہے قابل غور ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں جہر کا تو کوئی تذکرہ ہی نہیں بلکہ اس آیت کریمہ سے مقصود اکثار ذکر ہے اور تشبیہ صرف کثرت ذکر میں ہے نہ کہ جہر میں (کما مرّ) علاوہ بریں اگر یہ تسلیم بھی کر لیا کہ اس آیت کریمہ سے جہر ضمناً اور تبعاً ثابت ہوتا ہے تب بھی حضرت شیخؒ کی مراد یہ ہوگی کہ جہاں حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے نزدیک جہر ثابت ہے وہاں جہر ہوگا دوسرے مواقع میں ذکر بالجہر مکروہ ہوگا چونکہ حضرت شیخ صاحبؒ حنفی مسلک سے وابستہ تھے اس لئے حضرات احنافؒ کے اس واضح مسلک کو وہ کیوں کر چھوڑ سکتے ہیں؟ یقین نہ آئے تو ہم حضرت شیخ صاحبؒ ہی سے یہ منوا دیتے ہیں چنانچہ وہ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی روایت رجس کی ضروری بحث آگے آرہی ہے انشاء اللہ العزیز) کا ایک جواب یوں نقل کرتے ہیں کہ

وقیل کان ذلک فی ایام التشریق بمنیٰ وھذا اوفق لمذھب الحنفیۃ فی کراھتھم الجھر بالذکر فیما عدا ما ورد ولھذا لا یوجبون قضاء تکبیرات العید والتشریق ذکرہ الشیخ فی اللمعات انتھیٰ (حاشیہ مشکوٰۃ ج۱ ص۸۸ طبع اصح المطابع دہلی)	کہا گیا ہے کہ یہ منیٰ کے اندر ایام تشریق میں تھا اور یہی توجیہ احنافؒ کے مذہب کے زیادہ موافق ہے کیونکہ وہ جہاں جہر کا حکم وارد نہیں وہاں ذکر بالجہر کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ عید اور تشریق کی تکبیروں کی قضاء واجب نہیں سمجھتے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات میں اس کا ذکر کیا ہے۔

دیکھئے اس عبارت میں حضرت شیخ صاحبؒ اس کی تصریح فرما رہے ہیں کہ حضرات فقہاء احنافؒ کے نزدیک ذکر بالجہر مکروہ ہے مگر صرف اس مقام میں جہاں شرع میں ذکر بالجہر وارد ہوا ہے اور اس کو اگرچہ وہ لفظ قیل سے ذکر کرتے ہیں لیکن تصریح فرماتے ہیں کہ احناف کے مذہب سے یہی زیادہ موافقت رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مثلاً اگر کسی سے نماز عید کی پہلی رکعت امام کے ساتھ

چھوٹ جائے تو امام کی فراغت کے بعد اس پر تکبیرات کی قضا واجب نہیں کیونکہ ان کا محل فوت ہو چکا ہے اور دوسرے مقام میں جہراً تکبیر مشروع نہیں اور اسی طرح اگر کوئی شخص ایام تشریق میں کسی وجہ سے تکبیر نہیں پڑھ سکا یا فرض کر لیجئے کہ ان دنوں اس کی نماز ہی قضا ہو گئی ہو تو اب اس پر تشریق کی تکبیرات کی قضا واجب نہیں کیونکہ ان کا محل اور موقع ہاتھ سے نکل گیا ہے اور غیر محل میں جہراً تکبیر کا حکم وارد نہیں ہوا۔

حضرت شیخ صاحبؒ کی اور جن جن عبارات میں ذکر بالجہر کی مشروعیت کا تذکرہ آتا ہے (مثلاً اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۸۰ و ج ۱ ص ۴۱۹ و ج ۱ ص ۵۳۷ وغیرہ جن کا حوالہ ذکر بالجہر ص ۲۸ و ۲۹ وغیرہ میں دیا گیا ہے) اس سے بھی ان کی اس واضح عبارت کے پیش نظر اس مقام پر ذکر بالجہر مراد ہو گی جہاں شریعت سے ثبوت ہے ورنہ بقول ان کے حضرات حنفیہؒ کا مذہب ہی یہ ہے کہ ذکر بالجہر مکروہ ہے۔

اور حضرت شیخ صاحبؒ یہ رفع صوتہ بالثالثۃ کی حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ

فی الحدیث دلیل علی شرعیۃ الجہر بالذکر وھو ثابت فی الشرع بلا شبۃ لکن الخفی منہ افضل فی غیر ما ثبت فی المأثور۔	اس حدیث میں ذکر بالجہر کی مشروعیت کی دلیل ہے اور بلاشبہ شریعت میں ذکر بالجہر ثابت نہیں ہے لیکن جہاں نقل کے ساتھ جہر ثابت نہیں وہاں آہستہ ذکر افضل ہے

(لمعات، ہامش مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۲)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ جہاں شرعاً ذکر بالجہر منقول نہیں وہاں حضرت شیخ ذکر بالسر ہی کو افضل قرار دیتے ہیں مطلقاً ذکر بالجہر کے وہ ہرگز قائل نہیں ہیں جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر وغیرہ کا بے بنیاد دعویٰ ہے اور نیز یہ مدعی سست اور گواہ چست کا مصداق ہے۔

دوسری آیت کریمہ۔

مؤلف مذکور لکھتے ہیں۔ نیز قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ۔	پس جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے اور لیٹے ہوئے۔

پھر اس کے بعد اس آیت کریمہ کی تفسیر میں (در منثور ج ۲ ص ۲۱۴ تفسیرات احمدیہ ص ۲۰۸ اور احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۰۱ کے حوالہ سے) حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر نقل کی ہے ہم مؤلف مذکور کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے رات اور دن میں دریا اور خشکی میں سفر اور حضر میں فراغت اور تنگدستی میں بیماری اور صحت میں سر اور جہر سے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرو بلفظہٖ (ص ۱۷۹)

الجواب :- اس سے ذکر بالجہر پر استدلال تام نہیں اولاً اس لئے کہ تفسیرات احمدیہ میں اس آیت کریمہ کے چار معانی بیان کئے گئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے مؤلف مذکور کا ان دیگر معانی کا ذکر نہ کرنا جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ اس کا صرف یہی معنیٰ ہے ایک علمی مغالطہ ہے وثانیاً اس لئے کہ اس آیت کریمہ میں جہر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اور مابہ النزاع ہی یہ لفظ ہے بخلاف اس آیت کریمہ کے جس سے حضرت امام ابوحنیفہؒ وغیرہ نے عدم جہر پر استدلال کیا ہے کیونکہ اس میں خفیۃ کا لفظ جو اخفت پر دلالت کرتا ہے صراحت سے موجود ہے۔ لہٰذا صریح کے مقابلہ میں محتمل سے استدلال کا کوئی مقام نہیں ہے وثالثاً پہلے باحوالہ یہ بحث گذر چکی ہے کہ اپنی شرائط کے ساتھ ذکر بالجہر کی بھی گنجائش ہے لیکن ہر مقام پر نہیں بلکہ اسی مقام میں جہاں شرعاً جہر کی اجازت ملتی ہے اگر ہر مقام پر ذکر بالجہر کی اجازت اور گنجائش ہوتی تو حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا محتاط طبقہ کبھی کسی جگہ پر ذکر بالجہر اور دعاً بالجہر کو مکروہ بدعت اور خلاف سنت نہ کہتا، لیکن معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے حوالے پہلے گذر چکے ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ورابعاً حضرت ابن عباسؓ کی عبارت میں سراً وجہراً کے جو الفاظ موجود ہیں وہ بجا ہیں اپنے وقت اور اپنے موقع پر جہراً بھی ذکر جائز ہے، اس کا کون منکر ہے؟ جس طرح ان کی عبارت میں دن اور رات دریا اور خشکی سفر اور حضر فقر و تنگدستی بیماری اور صحت کے الفاظ الگ الگ حالت پر دلالت کرتے ہیں اسی طرح سر اور جہر کی حالتیں بھی الگ اور جدا ہیں جہاں سراً ذکر مطلوب ہے وہاں سراً ہوگا اور ذکر میں اصل ہی یہی ہے کما مرّ اور جہاں جہراً ذکر مطلوب ہے وہاں جہراً ذکر ہوگا، اس عبارت میں لفظ جہر کو ہر مقام اور ہر جگہ اور ہر موقع پر حمل

کرکے خوش ہو جانا حضرات فقہاء احنافؒ کی تصریحات سے بے خبری پر مبنی ہے۔ اس آیت کریمہ سے استدلال کے سلسلہ میں ذکر بالجہر ص۱۶ کے حاشیہ میں حضرت تھانویؒ کا حوالہ بھی دیا گیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی دیوبندی (رحمۃ اللہ تعالیٰ۔ صفدر) ذکر بالجہر پر یوں استدلال کرتے ہیں وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا۔ اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو مساجد میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر سے منع کرتا ہے اور مساجد کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے ظاہر ہے کہ منع بدوں اطلاع ذکر ممکن نہیں اور اطلاع بدون جہر غیر متصور ہے (فتاوی امدادیہ جلد چہارم ص۴۳ مجتبائی پریس)

الجواب:۔ حضرت مولانا تھانویؒ نے ذکر بالجہر کی اجازت دی ہے مگر مطلقاً نہیں بلکہ یہ جہر مشروط ہے خود ان کی عبارتیں اس پر صراحۃً دلالت کرتی ہیں غور سے ملاحظہ کریں۔

(۱) وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ الآیۃ کی تفسیر کے فائدہ میں لکھتے ہیں۔

(ف) حاصل ادب کا یہ ہے کہ دل اور ہیئت میں تذلل اور خوف ہو اور آواز کے اعتبار سے جہر مفرط نہ ہو یا تو بالکل آہستہ ہو یعنی مع حرکت لسانی کے اور یا جہر معتدل ہو اور جہر فی نفسہ ممنوع نہیں ہے جن حدیثوں میں اس کی ممانعت آئی ہے مراد اس سے مفرط ہے البتہ اگر کسی عارضہ کی وجہ سے مثل دفع خطرات یا دفع قساوت و تحصیل رقت وغیرہ ان شرائط کے ساتھ ہو کہ کسی شیخ محقق نے تجویز کیا ہو کسی نائم یا مصلی کو تشویش نہ ہو ورنہ بستی سے باہر چلا جاوے اس جہر کو قربت نہ جانتا ہو بلکہ علاج سمجھتا ہو تو اجازت ہے کیونکہ جو مفاسد علل نہی کے تھے وہ اس میں نہیں ہیں واللہ اعلم اور مع حرکت لسانی کی قید اس لئے لگائی کہ اس میں دونوں عضو مشغول عبادت رہتے ہیں دل بھی اور زبان بھی اور اس مسئلہ میں بھی کلام طویل الذیل ہے احقر نے اپنی تحقیق لکھ دی ہے انتہی (بیان القرآن ج۴ ص۶۶) اور حضرت تھانویؒ کی یہ عبارت بھی پہلے گذر چکی ہے۔ مگر اس کے جواز کی یہ شرط ہے کہ کسی مصلی یا نائم کو تشویش و ایذاء نہ ہو کما صرح بہ الفقہاء (امداد الفتاوی حصہ۵ ص۱۶۳)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت تھانویؒ جہر مفرط کے قائل نہیں ہیں اور خود اس عبارت میں

تشریح فرماتے ہیں کہ جہر مفرط وہ ہے جس سے کسی سونے والے یا نمازی کو تکلیف اور تشویش ہو اور ایسے جہر کو نہ تو وہ عبادت و قربت سمجھتے ہیں اور نہ بستیوں اور آبادیوں میں ایسے ذکر کی اجازت دیتے ہیں وہ تو صرف ایسے جہر کی اجازت دیتے ہیں جو معتدل ہو مثلاً یہ کہ بالکل قریب بیٹھنے والے ہی سن سکیں۔ اب سعیدی صاحب ہی بتائیں کہ آج کل بریلوی حضرات لاؤڈ اسپیکر پر جو چلا چلا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے اور ذکر کرتے ہیں، کیا اس سے سونے والوں اور نمازیوں کو تشویش ہوتی ہے یا نہیں؟ اور آیا یہ ان کی اصطلاح میں جہر مفرط ہے یا نہیں؟ اور آیا وہ اس کو عبادت و قربت سمجھ کر کرتے ہیں یا یوں ہی شغل میلہ سمجھتے ہیں؟

(۲) ذکر دونوں طرح مفید ہے لیکن جہر اچھا معلوم ہوتا ہے آپ بھی جہر کریں مگر اس قدر جہر نہ ہو کہ لوگوں کو تکلیف پہنچے (فتاوٰی امدادیہ جلد چہارم ص۲۰ مجتبائی یہ حوالہ ذکر بالجہر ص۱۹ کے حاشیہ میں بھی موجود ہے) اور نزاع بھی اسی جہر میں ہے جس سے لوگوں کو تکلیف پہنچے کہ نہ تو وہ نماز دلجمعی سے پڑھ سکیں اور نہ تلاوت و مطالعہ کر سکیں اور نہ چین کیساتھ سو سکیں اور نہ بیمار ہی آرام و سکون سے رہ سکیں۔

(۳) مؤلف ذکر بالجہر ص۳۶ میں طحطاوی اور فتاوٰی امدادیہ کے حوالہ سے امام شعرانیؒ سے نقل کرتے ہیں:۔

قال فی الفتاوٰی لا یمنع من الجهر بالذکر فی المساجد احتراز عن الدخول تحت قوله تعالٰی وَمَنْ اظلم ممن منع مساجد اللّٰهِ ان یذکر فیها اسمه کذا فی البزازیة ونصّ الشعرانی فی ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور مالفظه۔ واجمع العلماء سلفا وخلفاً علی استحباب ذکر اللّٰه تعالٰی جماعة فی المساجد

فتاوٰی میں کہا ہے کہ مسجدوں میں ذکر بالجہر سے نہیں منع کیا جائے گا اس سے بچتے ہوئے کہ اللہ تعالٰی کے اس ارشاد کی زد میں آجائے اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے مسجدوں میں اللہ تعالٰی کے ذکر سے منع کیا اسی طرح بزازیہ میں ہے اور امام شعرانیؒ نے اپنے رسالہ ذکر الذاکر للمذکور والشاکر للمشکور میں لکھا ہے کہ حضرات سلفؒ و خلفؒ کے علماء مساجد وغیرہا میں جماعتی شکل میں اللہ تعالٰی کے

وغیرھا من غیر نکیر الا ان یشوش جھرھم بالذکر علی نائم او مصل او قارئ قرآن کما فی کتب الفقہ وفی الحلبی الافضل الجھر بالقراۃ ان لم یکن عند قوم مشغولین بما لم یخالطہ ریاء۔

(طحطاوی ص۱۹۰ فتاوی امدادیہ جلد چہارم ص۴۵ مطبوعہ مجتبائی)

ذکر کے مستحب ہونے پر متفق ہیں کسی نے کوئی انکار نہیں کیا مگر یہ کہ ان کے ذکر بالجہر سے کسی سونے والے یا کسی نمازی یا کسی تلاوت کرنے والے کو تشویش ہوتی ہو جیسا کہ کتب فقہ میں ہے اور حلبی میں ہے کہ افضل یہ ہے کہ بلند آواز کے ساتھ قرأت کی جائے اگر وہاں کوئی ایسی قوم نہ ہو جو مشغول و مصروف ہو اور ذکر بالجہر سے ان کے کام میں خلل نہ پڑتا ہو، ہاں جب ریا کا خطرہ ہو تو پھر جہر نہ کرے۔

فتاوی امدادیہ وغیرہ کے اس حوالہ سے ثابت ہوا کہ جس جہر سے سونے والے یا نمازی یا تلاوت کرنے والے کو تشویش ہو اس کی گنجائش نہیں اور اسی طرح قرآن کریم کی قرأت اس وقت افضل ہے جب کہ کسی کے شغل میں خلل نہ پڑتا ہو اور ریا سے خالی ہو۔

نوٹ ضروری:۔ ذکر بالجہر ص۱۷ کے حاشیہ پر امداد الفتاوی ج۴ ص۴۵ و۴۶ کی جو دو عبارتیں مشروعیت ذکر بالجہر پر نقل کی گئی ہیں ان عبارتوں میں بھی یہ قیود اور شرائط ملحوظ رکھنے ہونگے جنکی تشریح خود حضرت تھانویؒ نے ان عبارات میں کردی ہے کہ جہر سے سونے والوں اور نمازیوں کو تشویش نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

تیسری آیت کریمہ۔

مؤلف ذکر بالجہر ص۱۷ میں لکھتے ہیں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ۔ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا۔

قرآن کریم کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کرنیکا حکم دیا ہے اور ذکر سر یا جہر کے ساتھ مقید کرنا اس کے عموم اور اطلاق کو ظاہر کرتا ہے اور اصول حنفیہ میں مقرر ہے کہ نصوص مطلقہ کو انکے اطلاق اور عموم پر محمول کیا جاتا ہے۔ اھ۔ الجواب:۔ یہ آیت کریمہ مدعیٰ سے غیر متعلق ہے کیونکہ بتصریح مؤلف مذکور اس میں سر اور جہر کی قید موجود نہیں اور جھگڑا اسی میں ہے نفس ذکر اور کثرت ذکر کا کوئی منکر نہیں اور ہم نے پہلے جو آیتیں بالتفسیر نقل کی ہیں ان میں خفیۃً فی نفسک اور دون الجہر کی قید موجود ہے اور حضرت مجدد الفثانیؒ

کے حوالہ سے یہ بات آرہی ہے انشاء اللہ تعالیٰ کہ حضرات احناف کے نزدیک روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنا لازم ہے۔ الغرض ذکر یا الجہر کے اثبات پر قرآن کریم کی کوئی بھی ایسی آیت کریمہ پیش نہیں کی جاسکی۔ جس میں صراحت کے ساتھ جہر کا لفظ موجود ہو جب کہ نزاع بھی صرف اسی میں ہے محض اِدھر اُدھر سے غیر متعلق حوالے نقل کرنے سے کچھ نہیں ہوتا۔

باب نہم

مؤلف مذکور نے عنوان قائم کیا ہے۔ ذکر بالجہر پر احادیث سے دلائل پھر اس پر انہوں نے چند احادیث سے استدلال کیا ہے :۔

پہلی حدیث۔ (ترجمہ مؤلف مذکور کا ہے ہم ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں) بخاری اور مسلم نے یہ حدیث ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اختتام کو اللہ اکبر کہنے سے پہچانا کرتا تھا۔ (متفق علیہ مشکوٰۃ ۸۸)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد انہوں نے پھر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور امام نوویؒ کی عبارتیں بھی اپنی تائید میں پیش کی ہیں مگر افسوس کہ ادھوری۔

الجواب:۔ یہ روایت بخاری ج۱ ص۱۱۷ اور مسلم ج۱ ص۲۱۷ و ابوداؤد ج۱ ص۱۴۳ میں مروی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم معتبر اور مستند شراح حدیث کی وہ عبارتیں جو انہوں نے اس کی شرح میں تحریر فرمائی ہیں نقل کر دیں اور وہ خود ہی بفضلہ تعالیٰ اس کا مفصل جواب ہیں۔

(۱) امام اہل السنت حضرت محمد بن ادریس الشافعیؒ المتوفی ۲۰۴ھ حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایتوں کا حوالہ دینے کے بعد ان کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

واختار للامام والمأموم ان یذکر اللّٰہ	میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام اور مقتدی نماز
بعد الانصراف من الصلوٰۃ ویخفیان	سے فارغ ہونے کے بعد دونوں آہستہ اللہ تعالیٰ
الذکر الا ان یکون اماما یحب ان یتعلم	کا ذکر کریں مگر جب کہ امام اس بات کو پسند کرتا ہو
منہ فیجھر حتی یری انہ قد تعلم منہ	کہ اس سے دعاء سیکھی جائے تو اس وقت وہ

ثم یسر فان اللہ عزوجل یقول ولا تجھر بصلوتک ولا تخافت بھا یعنی واللہ تعالیٰ اعلم الدعاء ولا تجھر لا ترفع ولا تخافت حتی لا تسمع نفسک واحسب ماروی ابن الزبیرؓ من تھلیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وماروی ابن عباسؓ من تکبیرہ کما روینا ہ قال الشافعیؒ واحسبہ انما جھر قلیلاً لیتعلم الناس منہ الخ

(کتاب الام ج ۱ ص ۱۱۱ طبع بولاق مصر)

جہر کرے یہاں تک کہ جب اس سے دعاء سیکھ لی جائے تو پھر وہ آہستہ دعا کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو اپنی دعا میں نہ جہر کر اور نہ آہستہ یعنی اللہ تعالیٰ تو اپنی مراد کو خوب جانتا ہے لیکن ہمارا دانست میں اس سے دعا مراد ہے مطلب یہ ہے کہ تم جہر سے دعا نہ کرو اور نہ اس قدر آہستہ دعاء کرو کہ تم اپنے نفس کو بھی نہ سنا سکو باقی حضرت عبداللہؓ بن الزبیرؓ سے جو یہ روایت مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ وسلم لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے اور حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت کہ آپ تکبیر پڑھا کرتے تھے تو ہمارے خیال میں اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے تھوڑا عرصہ جہر کیا تاکہ لوگ آپ سے سیکھ لیں (پھر جہر ترک کر دیا تھا)

حضرت امام شافعیؒ کی یہ عبارت بالکل صاف اور واضح ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی یہ روایت منسوخ ہے اور اب جہر کا حکم باقی نہیں رہا۔

(۲) امام ابوبکر احمدؒ بن حسین البیہقی الشافعیؒ (المتوفی ۴۵۸ھ) نے امام شافعیؒ کا یہ جواب ان کے حوالہ سے سنن الکبریٰ (ج ۲ ص ۱۸۴ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) میں نقل کیا ہے۔

(۳) امام النووی الشافعیؒ لکھتے ہیں کہ

ھذا دلیل لما قالہ بعض السلف انہ یستحب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقب المکتوبۃ وممن استحبہ من المتأخرین ابن حزم الظاھری ونقل ابن بطال وآخرون ان اصحاب المذاھب

یہ دلیل ہے بعض سلفؒ کے قول کی جو یہ کہتے ہیں کہ فرضی نماز کے بعد بلند آواز سے اللہ اکبر کہنا اور ذکر کرنا مستحب ہے اور متاخرین میں سے جس نے اس کو مستحب قرار دیا ان میں ابن حزم ظاہریؒ بھی ہیں اور محدث ابن بطالؒ اور دوسرے

المتبوعة وغيرهم متفقون على عدم استحباب رفع الصوت بالذكر والتكبير وحمل الشافعي رحمه الله تعالى هذا الحديث على انه جهر وقتا يسيرا حتى يعلمهم صفة الذكر لا انه جهر دائما قال فاختار الامام والمأموم يذكر الله تعالى بعد الفراغ من الصلوة ويخفيان ذالك الا ان يكون اماما يريد ان يتعلم منه فيجهر حتى يعلم انه قد تعلم منه ثم يسر وحمل الحديث على هذا وقوله كنت اعلم اذا انصرفوا ظاهره انه لم يكن يحضر الصلوة في الجماعة في بعض الاوقات لصغره انتهى (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۱۷)

بزرگوں نے فرمایا کہ ان مذاہب والے جن کی بکثرت پیروی کی گئی ہے اور ان کے علاوہ دوسرے سب اس پر متفق ہیں کہ ذکر اور تکبیر میں آواز بلند کرنا مستحب نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے تھوڑا عرصہ جہر کیا تھا تاکہ لوگوں کو آپ ذکر کا طریقہ بتادیں یہ مطلب نہیں کہ آپ نے ہمیشہ جہر کیا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ امام اور مقتدی دونوں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں لیکن آہستہ ذکر کریں مگر یہ کہ امام اس کا ارادہ کرے کہ اس سے دعاء سیکھی جائے تو وہ اس وقت تک جہر کرسکتا ہے جب تک اس سے دعاء سیکھی جائے پھر وہ دعاء آہستہ کرے اور اس حدیث کو امام شافعیؒ نے اسی پر حمل کیا ہے رہا حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول کہ میں تکبیر سے اس کو پہچان لیتا تھا کہ وہ نماز سے فارغ ہو چکے ہیں تو بظاہر یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ کم سنی کی وجہ سے بعض اوقات وہ جماعت کی نماز میں حاضر نہیں ہوتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حنفی، مالکی، شافعی، اور حنبلی وغیرہ تمام وہ مذاہب و مسالک جن کی بکثرت پیروی کی گئی ہے اس بات پر متفق ہیں کہ نماز کے بعد بلند آواز کے ساتھ ذکر اور تکبیر مستحب نہیں علامہ ابن حزم ظاہریؒ وغیرہ اس کے خلاف ہیں وہ اس کے استحباب کے قائل ہیں رہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فعل تو حسب تصریح حضرت امام شافعیؒ تعلیم کے سلسلہ میں تھا اور وہ

بھی تھوڑے عرصہ تک رہا لہٰذا اس سے دوامی طور پر ذکر بالجہر پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۲) علامہ شمس الدین محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی (المتوفی ۷۸۶ھ) اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وقول ابن عباسؓ کان علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدل علی انہ لم یکن الصحابۃ یفعلونہ حین حدث ابن عباسؓ بہ کانہم راؤا ان ذالک لیس بلازم فترکوہ خشیۃ ان یظن القاصرون انہ مما لاتتم الصلوۃ الا بہ وقد قال بعض المالکیۃ یستحب التکبیر فی العساکر والثغور اثر صلوٰۃ الصبح والعشاء تکبیرًا عالیًا ثلاث مرات وھو قدیم من شان الناس انتھی (الکواکب الدراری ج ۵ ص ۱۹ طبع مصر)

حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا ہوتا تھا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب حضرت ابن عباسؓ نے یہ حدیث بیان کی تو اس وقت حضرات صحابہ کرامؓ ایسا نہیں کیا کرتے تھے گویا حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ خیال کیا کہ تکبیر کہنا لازم نہیں ہے اس لئے انہوں نے اس ڈر کے مارے اس کو ترک کر دیا تھا تاکہ کوتاہ فہم یہ خیال نہ کر لیں کہ نماز بغیر اس تکبیر کے پوری نہیں ہوتی اور بعض مالکیوں نے کہا ہے کہ لشکروں میں اور سرحدوں پر صبح اور عشاء کی نماز کے بعد بلند آواز سے تین مرتبہ تکبیر کہنی چاہیئے۔ اور قدیم زمانہ سے لوگوں کا اس پر عمل چلا آرہا ہے۔

اس عبارت سے بھی یہ بات بالکل آشکارا ہو گئی ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث پر برائے تعلیم تھوڑا سا وقت عمل ہوتا رہا پھر اس پر ترک کر دیا گیا تھا۔

(۳) حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی (المتوفی ۸۵۲ھ) رقمطراز ہیں کہ۔

وفیہ دلیل علی جواز الجھر بالذکر عقیب الصلوٰۃ قال الطبری فیہ الابانۃ عن صحۃ ما کان یفعلہ بعض الامراء عن التکبیر عقب الصلوٰۃ

اس میں نماز کے بعد ذکر بالجہر کے جواز کی دلیل ہے، امام طبریؒ فرماتے ہیں کہ اس میں اس چیز کی صحت کا اظہار ہے جس کو بعض امراء کیا کرتے تھے وہ یہ کہ نماز کے بعد وہ تکبیر کہتے تھے لیکن

وتعقبہ ابن بطال بانہ لم یقف علی ذلک عن احد من السلف الا ما حکاہ ابن حبیب فی الواضحۃ انہم کانوا یستحبون التکبیر فی العساکر عقب الصبح والعشاء تکبیرا عالیا ثلاثا قال وھو قدیم من شان الناس قال ابن بطال و فی العتبیۃ عن مالک ان ذلک محدث قال وفی السیاق اشعار بان الصحابۃ لم یکونوا یرفعون اصواتہم بالذکر فی الوقت الذی قال فیہ ابن عباسؓ ما قال قلت فی التقیید بالصحابۃ نظر بل لم یکن حینئذٍ من الصحابۃ الا القلیل وقال النووی حمل الشافعی ھذا الحدیث علی انہم جہروا بہ وقتا یسیرا لاجل تعلیم صفۃ الذکر لا انہم داوموا علی الجہر بہ والمختار ان الامام و المأموم یخفیان الذکر الا ان احتیج الی التعلیم انتہی ۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۴۶۹ طبع مصر)

محدث ابن بطالؒ نے اس پر گرفت کی ہے کہ سلفؒ میں سے کسی ایک سے بھی اس پر اطلاع نہیں پائی جا سکی مگر یہ کہ ابن حبیبؒ نے اپنی کتاب الواضحۃ میں بیان کیا ہے کہ لشکروں میں صبح اور عشاء کی نماز کے بعد تین دفعہ بلند آواز سے تکبیر کو سلفؒ پسند کرتے تھے اور قدیم زمانہ سے لوگوں کا معاملہ اسی پر چلا آرہا ہے ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ عتبیہ میں حضرت امام مالکؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ یہ بدعت ہے اور اس حدیث کے سیاق سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ اس وقت جبکہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ حدیث بیان کی بلند آواز سے ذکر نہیں کرتے تھے میں کہتا ہوں کہ حضرات صحابہ کرامؓ سے اس کو مقید کرنے میں کلام ہے کیونکہ اس وقت حضرات صحابہ کرامؓ بہت کم تھے تو مطلب یہ ہوا کہ اس وقت حضرات صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعینؒ بلند آواز سے تکبیر نہیں کہتے تھے) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعیؒ نے اس کو اس پر حمل کیا ہے کہ ذکر کا طریقہ بتانے کے لئے تھوڑا سا عرصہ انہوں نے جہر کیا تھا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے اس پر مداومت کی تھی اور امام اور مقتدی دونوں کے لئے پسندیدہ امر یہ ہے کہ وہ دونوں آہستہ ذکر کریں مگر جب کہ تعلیم کی حاجت پڑے۔

فائدہ :۔ جن حوالوں سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر بلند آواز سے تسبیح و تہلیل پڑھا کرتے تھے ان سے یہی تعلیمی دور مراد ہے نہ کہ دوام مثلاً حضرت شیخ محمد تھانویؒ استاد حدیث حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی لکھتے ہیں کہ :۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یجھر مع الصحابۃؓ بالاذکار والتھلیل والتسبیح بعد الصلوٰۃ۔

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر نماز کے بعد اذکار تہلیل اور تسبیح پڑھتے تھے۔

(دلائل الاذکار ص۹ طبع دہلی)

(۴) علامہ بدر الدین محمودؒ بن احمد العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

استدل بہ بعض السلف علی استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقیب المکتوبۃ وممن استحبہ من المتاخرین ابن حزم وقال ابن بطال اصحاب المذاھب المتبعۃ وغیرھم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر حاشا ابن حزم وحمل الشافعیؒ ھذا الحدیث علی انہ جھر لیعلمھم صفۃ الذکر لا انہ کان دائما قال واختار للامام والمأموم ان یذکر اللہ بعد الفراغ من الصلوٰۃ ویخفیان ذلک الا ان یقصد التعلیم فیعلما ثم یسرا ھ

(عمدۃ القاری ج ۶ ص ۱۲۶ طبع مصر)

اس حدیث سے بعض سلفؒ نے فرض نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر اور ذکر کرنے کے مستحب ہونے پر استدلال کیا ہے اور جن حضرات متاخرین میں سے اس کو مستحب قرار دیا ہے ان میں ابن حزمؒ بھی ہیں محدث ابن بطالؒ فرماتے ہیں کہ ان مذاہب والے حضرات جن کی بکثرت پیروی کی گئی ہے اور ان کے علاوہ دوسرے سب اس پر متفق ہیں کہ بلند آواز سے تکبیر اور ذکر مستحب نہیں ہے بجز ابن حزمؒ کے اور حضرت امام شافعیؒ نے اس حدیث کو اس پر حمل کیا ہے کہ آپ نے حضرات صحابہ کرامؓ کو ذکر کا طریقہ بتانے کے لئے جہر کیا تھا نہ یہ کہ ہمیشہ ایسا کیا کرتے تھے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد امام اور مقتدی دونوں اللہ تعالیٰ کا آہستہ ذکر کریں مگر یہ کہ دونوں کا مقصد تعلیم ہو تو تعلیم و تعلم

کی حد تک جہر کریں پھر دونوں آہستہ کہیں۔

فائدہ:۔ علامہ ابو محمد علی بن احمد ابن حزم الظاہریؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) یہ مسئلہ لکھتے ہیں کہ:

رفع الصوت بالتکبیر اثر کل صلوٰۃ حسن انتہیٰ (محلی ج ۲ ص ۲۴۵ طبع مصر)

ہر نماز کے بعد بلند آواز سے تکبیر کہنا اچھا ہے پھر اس کی دلیل میں حضرت ابن عباسؓ کی یہ مذکور حدیث بیان کرتے ہیں لیکن آپ ملاحظہ کر چکے کہ جمہور سب ان کے خلاف ہیں اور وہ بلند آواز سے تکبیر کو مستحب نہیں سمجھتے۔

(۵) امام ابن الحاج المالکیؒ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت اور حضرت ابن زبیرؓ کی عنقریب بیان ہونے والی حدیث کا ذکر کرنے کے بعد ان کے جواب میں یوں رقمطراز ہیں کہ:۔

فالجواب من وجهين احدهما ما ذكره الامام الشافعي رحمه الله تعالى في الام قال واختار للامام والمأموم ان يذكرا الله بعد الانصراف من الصلوٰة ويخفيا الذكر الا ان يكون اماما يجب ان يتعلم منه فيجهر حتى يرى انه قد تعلم منه ثم يسر الى ان قال) وما روى عن ابن عباس من تكبيره كما روينا ه انما جهر قليلاً ليتعلم الناس منه اهـ (المدخل ج ۱ ص ۱۰۱)

پس جواب دو طریقوں سے ہے ایک تو وہ جو امام شافعیؒ نے اپنی کتاب الام میں ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ میں امام اور مقتدی کے لئے اس کو پسند کرتا ہوں کہ نماز سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کا آہستہ ذکر کریں مگر یہ کہ امام اس کو پسند کرتا ہو کہ اس سے دعا سیکھی جائے تو وہ اس لئے جہر کر سکتا ہے حتیٰ کہ وہ یہ سمجھ لے کہ اس سے دعا سیکھ لی گئی ہے پھر آہستہ دعا کرے (پھر آگے فرمایا) حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں جس تکبیر کا ذکر ہے وہ بھی اس پر محمول ہے کہ کچھ عرصہ جہر کیا تاکہ لوگ دعا سیکھ لیں۔

اس کے بعد دوسرا جواب وہ یوں نقل کرتے ہیں کہ:۔

والجواب الثاني ما ذكره الشيخ الامام ابو الحسن بن بطال رحمه الله تعالى في شرح البخاري لما اذ تكلم على حديث

اور دوسرا جواب وہ ہے جو الشیخ الامام ابو الحسنؒ بن بطالؒ نے بخاری کی شرح میں حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے سو

ابن عباسؓ فقال یحتمل ان یکون اراد بہ المجاھدین فان کان کذالک فھو الی الآن وعلیہ العمل وھو ان المجاھدین اذا صلوا الخمس فیستحب لھم ان یکبروا جھرًا یرفعون اصواتھم لیرھبوا العدو قال فان لم یحمل علی ھذا فیکون منسوخا بالاجماع قال لانہ لا یعلم احد من العلماء یقول بہ والاجماع لا یجتمع علیہ انتھی وقال القاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ واما رفع الصوت بذکر فان کانوا جماعۃ فستحسن لیرھبوا العدو بذالک وان کان وحدہ فغیر مستحسن اھ (المدخل ج ۲ ص ۱۰۹)

فرمایا کہ احتمال ہے کہ اس سے مجاہدین کی تکبیر مراد ہو جو اس وقت تک بدستور چلی آرہی ہے اور اسی پر عمل ہے وہ یہ کہ مجاہدین جب پانچ نمازیں پڑھ چکیں تو ان کے لئے بلند آواز سے تکبیر کہنا مستحب ہے تاکہ وہ اپنے دشمنوں کو مرعوب کریں فرمایا کہ اگر اس پر اس حدیث کو نہ حمل نہ کیا جائے تو بالاجماع یہ حدیث منسوخ ہوگی کیونکہ علماء میں سے کوئی معلوم نہیں جو اس کا قائل ہو اور اجماع کے مقابلہ میں کوئی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ بہرحال ذکر کے لئے آواز بلند کرنا اگر جماعتی شکل میں ہو تو پسندیدہ ہے تاکہ وہ اس طریقہ سے دشمنوں کو مرعوب کرسکیں اور اگر انفرادی صورت میں ہو تو وہ مستحسن نہیں ہے۔

اس عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ بلند آواز سے تکبیر کہنے کا معاملہ پہلے تھا اور اس کے بعد تمام مشہور و معروف مذاہب کے علماء کا اس کے منسوخ ہونے پر اجماع ہوگیا ہے اور اجماع ایک ایسی وزنی دلیل ہے جس کے مقابلہ میں کوئی دلیل کارگر نہیں ہے۔

(۶) علامہ ابوالعباس احمد بن محمد القسطلانی الشافعیؒ (المتوفی ۹۲۳ھ) نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کی شرح میں وہی عبارت نقل کی ہے جو امام نوویؒ نے حضرت امام شافعیؒ کے حوالہ سے نقل کی ہے (ملاحظہ ہو ارشاد الساری شرح البخاری ج ۲ ص ۱۱۳ طبع نولکشور لکھنؤ)

(۷) اور علامہ الساعاتیؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

وھو محمول علی انہ صلی اللہ علیہ وسلم فعل ذالک لتعلیم الناس الذکر فقط وغیر ذالک کان یسر بہ قالہ

یہ حدیث اس پر محمول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ کاروائی صرف اس لئے کی کہ لوگوں کو ذکر کے طریقہ کی تعلیم دیں اور اس کے

الامام الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الام اھ
(بلوغ الامانی ج ۴ ص ۱۰ طبع مصر)

علاوہ آپ آہستہ ذکر کیا کرتے تھے جیسا کہ حضرت امام شافعیؒ نے کتاب الام میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اس کے بعد وہی عبارت نقل کی ہے جو کتاب الام کے حوالہ سے نقل کی جا چکی ہے۔

(۸) مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالرحمٰن شرف الحق الشہیر بمحمد اشرف بن امیرؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت کا وہی مطلب بیان کیا ہے (ملاحظہ ہو عون المعبود ج ۱ ص ۲۸۳ طبع الانصاری دہلی)

فائدہ:۔ ان عبارات میں جس ابن بطالؒ کا لفظ آیا ہے وہ اپنے وقت کے بہت بڑے امام محدث، فقیہ اور صحیح بخاری کے شارح تھے نام ان کا الامام ابوالحسن علیؒ بن خلف المغربی المالکیؒ ہے (المتوفی ۴۴۹ھ) (کذا فی الدیباج المذہب لابن فرحونؒ ص ۲۰۴ وتقدمۃ الاوجز مع البذل ص ۱۳۳)

(۹) شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ

واختلاف کردہ اند شراح در بیان تکبیر بعض گفتہ اند کہ مراد بتکبیر ایں جا ذکر است چنانکہ در صحیحین از ابن عباسؓ است کہ رفع صوت بذکر وقت انصراف مردم از نماز فرض در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہود بود وگفت ابن عباسؓ شنا ختم من انقضاء صلوٰۃ رابداں پستر آوردہ است بخاری ایں حدیث را پس معلوم شد کہ مراد بتکبیر مطلق ذکر است وبعض گفتہ اند کہ مراد تکبیر است کہ در تسبیح وتحمید وتکبیر کہ بعد از نماز دہ دہ بار یا سی وسہ بار میگویند واقع است وبعض گویند کہ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعد از نماز تکبیر میگفتند یک بار یا سہ بار وبعض میگویند کہ ایں در ایام منیٰ بود

شراح حدیث نے تکبیر کے بیان میں اختلاف کیا ہے بعض فرماتے ہیں کہ اس جگہ تکبیر سے مراد ذکر ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرضی نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا معہود تھا اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ میں اس تکبیر کی وجہ سے نماز کے ختم ہونے کو پہچانتا تھا اس کے بعد حضرت امام بخاریؒ نے یہ حدیث بیان کی ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر سے مطلق ذکر مراد ہے اور بعض نے کہا ہے کہ تکبیر سے مراد نماز کے بعد دس دس بار یا تینتیس تینتیس بار تسبیح وتحمید اور تکبیر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ نماز کے بعد ایک مرتبہ یا تین مرتبہ تکبیر کہا کرتے تھے اور بعض فرماتے

کہ بتکبیرات تشریق میگفتند اھ
(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۷۰۹ طبع مصطفائی ج ۱ ص ۴۱۸)

ہیں کہ یہ تکبیر ایام منیٰ میں ہوتی تھی جس کو تکبیر تشریق کہتے ہیں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ لفظ تکبیر کے معنی اور مراد کی تعیین میں علماء کرام کے متعدد اور مختلف اقوال ہیں یقینی طور پر صرف مطلق ذکر ہی مراد نہیں جیسا کہ مؤلف ذکر بالجہر نے صفحہ ۲۸ میں مطلق ذکر است تک ہی عبارت نقل کر کے دھوکہ دیا ہے بلکہ حضرت شیخ صاحبؒ کی آخری توجیہ کے مطابق یہ تکبیر ایام تشریق اور ایام منیٰ سے متعلق ہے اور لمعات کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے کہ یہی توجیہ اور مطلب حضرات احنافؒ کے مذہب سے زیادہ موافق ہے۔ کیونکہ وہ ذکر بالجہر اور بلند آواز سے تکبیر کو مخصوص مواقع کے علاوہ اور مقامات میں مکروہ کہتے ہیں:۔

(۱۰) حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) ابوداؤد کی شرح بذل المجہود میں حضرت امام نوویؒ کی سابق عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وقیل محمول علی ما کانوا یکبرون فی ایام التشریق بمنیٰ وغیرہ وھذا اوفق بمذھب الحنفیۃ فی کراھتھم الذکر بالجھر ولذا لا یوجبون قضاء تکبیرات العید والتشریق انتھیٰ
(بذل المجہود ج ۲ ص ۱۳۴)

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ منیٰ وغیرہ میں ایام تشریق کی تکبیر پر محمول ہے اور حضرات احنافؒ کے مذہب سے یہی زیادہ موافق ہے کیونکہ وہ ذکر بالجہر کو مکروہ کہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ عید اور تشریق کی تکبیروں کی قضا کو واجب نہیں سمجھتے۔

(۱۱) حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری الحنفیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

ولم یقل احد بسنیۃ الجھر بالذکر بعد الصلوٰۃ الا ابن حزم الاندلسیؒ وقد ثبت الجھر فی مواضع للتعلیم اھ
(العرف الشذی ص ۱۲۵ مکتبہ رحیمیہ رائے پور ونحوہ فی معارف السنن ج ۲ ص ۳۶۸)

نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کے سنت ہونے کا کوئی بھی بجز ابن حزم اندلسیؒ کے قائل نہیں ہے ہاں تعلیم کی خاطر کئی جگہوں میں ذکر بالجہر ثابت ہے۔

اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ:۔

تمسك بظاهره ابن حزمؒ وذهب الى سُنّيّةِ الجهر بالتكبير دبر الصلوٰة وانكرها الجمهور اھ (فیض الباری ج۱ ص۳۱۵)

اس حدیث کے ظاہر سے ابن حزمؒ نے استدلال کیا ہے اور نمازوں کے بعد بلند آواز کے ساتھ تکبیر کے مسنون ہونے کا مذہب اختیار یہ کیا ہے مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔

قارئین کرام ان صریح عبارات سے آپ اندازہ لگا چکے ہوں گے کہ حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں جس تکبیر کا ذکر ہے اس کی مراد اور معنی کے بارے میں کئی باتیں کہی گئی ہیں جن میں ایک ایام تشریق کی تکبیر بھی ہے اور پھر آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے تعلیم کی خاطر تھوڑا سا عرصہ اس پر عمل کیا دوام نہیں فرمایا یہی وجہ ہے کہ امام ابن حزم ظاہریؒ وغیرہ کے علاوہ دیگر تمام مذاہب کے حضرات فقہاء کرامؒ کا اس پر عمل نہیں رہا جو اس کے منسوخ ہونے کی واضح دلیل ہے بلکہ بقول امام ابن امیر الحاج المالکیؒ یہ اجماعاً منسوخ ہے حوالہ پہلے گزر چکا ہے اندریں حالات اس سے عمومی طور پر ذکر بالجہر کے ثبوت پر استدلال کرنا اور اس کو کار ثواب سمجھنا اور اپنے اس فعل کو فقہ حنفی کے موافق سمجھنا نرا مغالطہ اور عوام الناس کو دھوکہ دینا ہے اللہ تعالیٰ سعیدی صاحب اور ان کے حواریوں کو ان ٹھوس حوالوں سے ہدایت نصیب فرمائے مگر

در بہاراں کے شود سرسبز سنگ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

دوسری حدیث

مؤلف ذکر بالجہر نے حضرت ابن عباسؓ کی مذکور حدیث کے بعد لکھا ہے:۔ دوسری حدیث ملاحظہ فرمائیے (ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ صفدر) صحیح مسلم میں عبد اللہؓ ابن (اصول کتابت کے لحاظ سے اس مقام پر لفظ ابن الف کا لانا غلط ہے کما لا یخفیٰ۔ صفدر) زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ کا ذکر فرماتے تھے شیخ محقق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں (ہم نے ان کے ترجمہ پر اکتفاء کی ہے۔ صفدر) اور یہ حدیث ذکر بالجہر پر نص صریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر بالجہر کیا کرتے تھے (اشعۃ اللمعات ج۱ ص۴۱۹ ذکر بالجہر ص۲۸)

الجواب:۔ یہ روایت مشکوٰۃ ج۱ ص۸۸ میں مسلم کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اور مشکوٰۃ میں

بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود ہیں اور واقعی ان الفاظ کی موجودگی ذکر بالجہر پر نص صریح ہے لیکن مؤلف مذکور اور ان کی جماعت کو یہاں بھی سوائے گل ناکامی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا اولاً اس لئے کہ یہ روایت مسلم ج ۱ ص ۲۱۸ میں موجود ہے لیکن اس میں سرے سے بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ ہی موجود نہیں ہیں اور نزاع بھی صرف اس جملہ میں ہے نفس ذکر کا کوئی منکر نہیں ہے اس روایت کو امام بیہقیؒ نے سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۸۵ (طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن) میں مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن اس میں بھی بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں علامہ ابو البرکات مجد الدین عبد السلام ابن تیمیہ الحنبلی (المتوفی ۶۵۲ھ) اس روایت کو نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں رواہ مسلم و ابو داؤد والنسائی (منتقی الاخبار مع النیل ج ۲ ص ۳۱۶ طبع مصر) لیکن اس میں بھی بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں اسی طرح یہ روایت مسند احمد ج ۴ ص ۵ ابو داؤد ج ۱ ص ۲۱۱ اور نسائی ج ۱ ص ۱۵۰ میں موجود ہے لیکن کسی میں بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں اور یہ روایت امام نوویؒ نے کتاب الاذکار ص ۶۱ طبع مصر میں اور امام موفق الدین ابن قدامہؒ نے مغنی ج ۱ ص ۶۰۰ میں اور حافظ ابن القیمؒ نے زاد المعاد ج ۱ ص ۷۶ میں بھی نقل کی ہے مگر اس میں بھی بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ موجود نہیں ہیں جب یہ الفاظ ہی ثابت نہیں تو قرآن کریم کی نصوص قطعیہ صحیحہ احادیث اور حضرات مفسرین کرامؒ اور حضرات فقہاء ملت کی تصریحات کے مقابلہ میں اس سے استدلال کا کیا معنی؟ اور پھر اس استدلال کو سننا اور ماننا کون ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ صاحب مشکوٰۃ کا وہم ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ مشکوٰۃ میں فنی طور پر ان کے متعدد اوہام ہیں مثلاً ص ۷۵ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی ترک رفع یدین کی روایت کے بارے میں وہ لکھتے ہیں وقال ابو داؤد ولیس ھو بصحیح علی ھذا المعنیٰ انتہیٰ حالانکہ امام ابو داؤدؒ نے یہ الفاظ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے بارے میں نہیں فرمائے بلکہ یہ الفاظ انہوں نے حضرت براء بن عازبؓ کی حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں (ملاحظہ ہو ابو داؤد ج ۱ ص ۱۱ قال ابو داؤد ھذا الحدیث لیس بصحیح) ابو داؤد کے متعدد اور متداول مصری اور غیر مصری نسخوں اور متعدد شروح میں ایسا ہی ہے اور مثلاً مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۴۴ میں ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، استقبلہ داعی امرأتہ (اضافت کے ساتھ جس کی وجہ سے میت کے گھر سے ایام شرور میں

کھانا کھانے کی غیر ضروری بحث چل نکلی ہے تفصیل کے لئے راہ سنت ملاحظہ کریں) اور یہ روایت انہوں نے ابوداؤد وغیرہ کے حوالہ سے نقل کی ہے مگر ابوداؤد ج ۲ ص ۱۱۱ میں روایت یوں ہے، داعی امرأۃ (بغیر اضافت کے) الغرض مشکوٰۃ شریف میں صاحب مشکوٰۃ کے متعدد اوہام ہیں اہل علم ان کو بخوبی جانتے ہیں باقی جاہلوں کو سمجھانا اور ان کا سمجھنا اور پھر ضدیوں کا ماننا بہت مشکل ہے وثانیاً حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی اس روایت میں بصوتہ الاعلیٰ کے الفاظ حضرت امام شافعیؒ نے اپنی سند کے ساتھ کتاب الام ج ۱ ص ۱ طبع بولاق مصر) میں نقل کئے ہیں اور انہیں کے حوالہ سے امام ابن الحاج المالکیؒ (المدخل ج ۱ ص ۱ طبع مصر) میں اور علامہ الساعاتیؒ نے (بلوغ الامانی ج ۱ ص ۲ طبع مصر) میں نقل کئے ہیں اور اس کی سند یوں ہے اخبرنا الربیع قال اخبرنا الشافعیؒ قال اخبرنا ابراھیم بن محمد قال حدثنی موسیٰ بن عقبۃ عن ابی الزبیر انہ سمع عبداللہ بن الزبیر الخ اس کی سند میں ابراہیم بن محمد واقع ہے اور حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ وہ اگر کسی بلندی سے گر جاتے تو ان کے لئے زیادہ عزیز تھا بہ نسبت اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے اور فرمایا کہ وہ حدیث میں ثقہ تھے (تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۵۹) لیکن یہ حضرت امام شافعیؒ کی اجتہادی غلطی ہے کہ وہ ایسے راوی کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ وہ حدیث کے سلسلہ میں ثقہ ہے، کتب اسماء الرجال میں اس پر کڑی جرح موجود ہے، چنانچہ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطانؒ فرماتے ہیں میں نے امام مالکؒ سے دریافت کیا کہ کیا ابراہیم بن محمد ثقہ ہے؟ فرمایا حدیث میں تو کیا ثقہ ہوتا دین میں بھی ثقہ نہیں ہے۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ وہ قدری (منکر تقدیر) معتزلی اور جہمی تھا ہر عیب اس میں موجود تھا اور فرمایا کہ اس کی حدیث نہیں لکھی جاسکتی لوگوں نے اس کی حدیث بالکل ترک کر دی ہے، وہ ایسی منکر روایات بیان کیا کرتا تھا جن کی کوئی اصل نہیں بشرؒ بن المفضلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے فقہاء اہل مدینہ سے اس کے بارے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ وہ کذاب ہے امام علیؒ بن المدینیؒ فرماتے ہیں کہ امام یحییٰؒ بن سعیدؒ بھی ان کو کذاب کہتے تھے اور امام یحییٰؒ بن سعیدؒ سے یہ روایت بھی ہے کہ ہم اس کو متہم بالکذب سمجھتے ہیں امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ وہ جہمی تھا امام ابن المبارکؒ اور باقی لوگوں نے اس کو بالکل ترک کر دیا تھا اور امام ابن معینؒ فرماتے تھے کہ وہ ثقہ نہیں نیز فرمایا کہ وہ جو کچھ بیان کرتا ہے اس میں کذاب ہے اور نیز فرمایا کہ اس میں تین

خصلتیں تھیں وہ کذاب، قدری اور رافضی تھا۔ امام جوزجانیؒ فرماتے تھے کہ وہ نہ تو حجت ہے اور نہ اس کی روایت پر قناعت اور اعتبار کیا جاسکتا ہے اس میں طرح طرح کی بدعات تھیں امام نسائیؒ نے فرمایا کہ وہ متروک الحدیث ہے، ثقہ نہیں ہے اور اس کی حدیث نہیں لکھی جاسکتی اور امام علیؒ بن المدینیؒ نے فرمایا کہ وہ کذاب تھا امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ وہ متروک ہے اور حدیث میں جھوٹ بولتا تھا، امام ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الحدیث تھا لیکن لوگوں نے اس کی حدیث ترک کردی ہے اور اس سے حدیث نہیں لکھی جاسکتی امام ابو احمد الحاکمؒ فرماتے ہیں کہ وہ ساقط الحدیث تھا امام ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ وہ محض ہیچ ہے امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ قدری، معتزلی اور رافضی تھا اور ثقہ نہیں تھا۔ اسمٰعیلؒ بن موسیٰ العباسیؒ فرماتے ہیں کہ اس نے مجھ سے ایک مرتبہ کہا کہ تیرا غلام (حضرت) ابوبکرؓ اور (حضرت) عمرؓ سے بہتر ہے معاذ اللہ تعالیٰ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں کہ وہ رافضی گالیاں دینے والا اور رجابون تھا (عربی میں جابون کے معنی گانڈو کے بھی آتے ہیں اور جو شخص برائی میں منہمک اور متہم ہو اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے) امام بزارؒ فرماتے ہیں کہ وہ جعلی حدیثیں بنایا کرتا تھا اس کے سامنے جعلی مسائل پیش کئے جاتے تو وہ فوراً ان کی اسانید وضع کرلیتا تھا اور وہ قدری تھا اور وہ حضرت امام شافعیؒ کا استاد تھا مگر ان کا استاد ہونا ہمیں سخت ناگوار ہے (تہذیب التہذیب ج۱۰ ص۱۵۸ تا ص۱۶۱ ملخصاً) یہ ہے بصوتہ الاعلیٰ کی روایت کا راوی لاحول ولاقوۃ الا باللہ و ثالثاً اگر بالفرض اس روایت کو صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو اس کا وہی جواب کافی ہے جو حضرت امام شافعیؒ نے دیا ہے کہ برائے تعلیم تھوڑا عرصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے یہ پڑھنا یہ کہ اس پر مداومت فرمائی اور حضرت امام شافعیؒ کے حوالہ سے یہی جواب شراح حدیث اور حضرات فقہاء اسلامؒ نے نقل کیا ہے جیسا کہ آپ پہلے باحوالہ تفصیل کے ساتھ ملاحظہ کرچکے ہیں اور حضرت ملا علی القاریؒ بصوتہ الاعلیٰ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ تعلیماً لمن حضر معہ من الملأ (مرقات ج۲ ص۳۵۸) آپ نے یہ جہر حاضرین کی جماعت کی تعلیم کے لئے کیا تھا اور پہلے باحوالہ عرض ہوچکا ہے کہ تعلیم کے لئے جہر بقدر ضرورت جائز ہے، اس سے زائد نہیں۔ و رابعاً مؤلف مذکور نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی پوری عبارت نقل نہیں کی ورنہ کافی حد تک مغالطہ خود بخود رفع ہوجاتا پوری عبارت یہ ہے۔

وایں حدیث صریح است در جہر بندہ کہ
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بآواز بلند میخواند
اما بعض علماء گفتہ اند کہ بلند خواندن آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم برائے تعلیم اصحاب بود و نووی
در مہذب گفتہ کہ افضل اخفا است دریں
دعاؤ جز آں خواہ امام بود یا منفرد الا آنکہ حاجت
تعلیم بود و ہم بریں حمل کردہ شدہ است جہر
رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم بآں و بعد از انکہ محفوظ
گشت افضل اخفا است و حق آنست کہ
اوقات مختلف است گاہے ذوق حضور
در اخفاء است دہد و گاہے در جہر شوق و
گرمی مے افزائد و جہر بندہ کہ مشروع است
بلاشبہ انتہی (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۱۰
طبع مصطفائی و طبع لاہور ج ۱ ص ۴۱۸)

اور یہ حدیث ذکر بالجہر کے متعلق صریح ہے کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے پڑھا کرتے
تھے مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا بلند آواز سے پڑھنا حضرات صحابہ کرام
کی تعلیم کی خاطر تھا اور امام نووی نے مہذب میں
کہا ہے کہ اس دعا میں بھی اور دوسری دعاؤں
میں بھی افضل یہی ہے کہ امام ہو یا منفرد آہستہ
پڑھے مگر یہ کہ تعلیم کی ضرورت پڑے اور آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس جہر کو اسی پر حمل
کیا گیا ہے۔ اور جب دعائیں یاد ہو جائیں تو
اس وقت آہستہ پڑھنا ہی افضل ہے اور حق یہ
ہے کہ اوقات مختلف ہیں کبھی ذوق حضور اخفاء
میں ممد ہوتا ہے اور کبھی جہر میں شوق اور گرمی
بڑھتی ہے اور ذکر بالجہر بلاشبہ مشروع ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ صاحب کے نزدیک حالات مختلف ہیں کسی مقام پر جہر (وہی مقام جہاں شرعاً جہر ماثور و منقول ہے جیسا کہ لمعات کے حوالہ سے یہ بات پہلے گذر چکی ہے) اور کسی مقام پر اخفاء زیادہ افضل اور بہتر ہے ہاں تعلیم کا مسئلہ الگ ہے اور ایک مقام میں نمازوں کے بعد اذکار کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

و در حدیث مسلم آمدہ کہ ایں دعا را با علی الصوت
می گفت و بعضے علماء گفتہ اند کہ افضل در
جمیع انواع اخفاء است در ذکر و در دعاء
ہم امام را و ہم منفرد را و جہر آنحضرت صلی

مسلم کی روایت میں (جس کی مفصل بحث پہلے
گذر چکی ہے۔ صفحہ) آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے بلند آواز سے یہ دعا پڑھی اور
بعض علماء فرماتے ہیں کہ افضل تمام انواع میں

اللہ علیہ وآلہ وسلم برائے تعلیم بود و اگر در جائے دیگر امام را مصلحت در جہر و اعلان بود و بقصد تعلیم و اعلام کند درست است بلکہ مستحسن باشد اھ (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۲۳۸ طبع نولکشور)

اخفا رہے عام اس سے کہ ذکر ہو یا دعا امام ہو یا منفرد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جہر فرمانا تعلیم کی خاطر تھا اور کسی ایسی ہی جگہ میں اگر امام کو جہر اور اعلان کی مصلحت درپیش ہو اور تعلیم اور اظہار کا مقصد ہو تو اس موقع پر بلند آواز سے پڑھنا درست ہی نہیں بلکہ مستحسن بھی ہے۔

یہ عبارت بھی تعلیم کے موقع کو واضح کر رہی ہے، مؤلف ذکر بالجہر نے حضرت شیخ صاحبؒ کی ایک اور عبارت اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ الحدیث کی شرح میں نقل کی ہے ہم ان کے ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں، اس مضمون سے پتہ چلتا ہے کہ حضور کا منع فرمانا شفقت کی وجہ سے تھا نہ اس وجہ سے کہ جہر جائز نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر مقامات پر اذکار اور دعاؤں میں جہر کیا ہے جیسا کہ خندق کھودنے کے موقع پر مسجد کے لئے اینٹ اور پتھر اٹھاتے وقت اور اسلاف صحابہؓ و تابعینؒ سے بھی جہر منقول ہے اور یہ تمام امور جہر کے جواز اور ذکر کے لئے اجتماع کے ثبوت پر دلالت کرتے ہیں (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۱۷۸، ذکر بالجہر ص ۵۵)

الجواب، ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ ایسے مقامات میں جہاں اجتماعی کاموں میں ولولہ، گرمی اور جذبہ پیدا کرنے کی خاطر ذکر کے لئے آواز بلند کی جائے تو جہر درست ہے جیسے خندق کھودتے وقت یا مسجد تعمیر کرتے وقت حضرات صحابہؓ کرام نے کیا اور آج تک مسلمان ایسا کرتے چلے آرہے ہیں۔ لیکن ہر مقام میں ایسا نہیں ہوا اور نہ یہ درست ہے۔

تیسری حدیث۔ مؤلف مذکور نے ص ۲۸ و ص ۲۹ میں بخاری ج ۲ ص ۱۱۰۱ و مسلم ج ۲ ص ۳۴۵ اور مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۶ کی اس حدیث قدسی سے بھی ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے جس میں وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ الحدیث کے الفاظ آتے ہیں اور پھر اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے۔ جیسا کہ گذر چکا ہے (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۱۸۰ محصلہ)

الجواب :۔ اس حدیث کی بقدر ضرورت بحث پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ اس میں صراحتاً جہر کا کوئی لفظ موجود نہیں ہے اور اصل جھگڑا ہی اسی میں ہے اور اس کے مفہوم اور اقتضاء سے جو جہر ثابت ہو رہا ہے وہ مضر نہیں کیونکہ اس سے ایسے مقامات میں جہر مراد ہے جہاں شرعاً جہر ثابت ہے جیسا کہ خود حضرت شیخ صاحبؒ سے اس کی تشریح گذر چکی ہے اس سے ہر ہر جگہ اور ہر ہر موقع پر جہر ثابت کرنا علمی اور تحقیقی طور پر درست نہیں ہے اور پھر قرآن کریم معتبر کتب تفسیر حدیث شریف اور حضرات فقہاء کرامؒ کی سابق تصریحات کے مقابلہ میں اس ضمنی اور بالتبع عمومی ثبوت کو کون سنتا اور مانتا ہے؟ علاوہ ازیں مسلم ج ۲ ص ۳۴۵ کی ایک روایت میں ہے وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ یتلون کتاب اللہ ویتدارسون بینھم الحدیث جس سے پڑھنے پڑھانے اور تعلیم کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ صرف اجتماعی ذکر کا لہٰذا یہ حدیث اس کی تفسیر ہے۔

چوتھی حدیث

مؤلف مذکور نے ص ۲۹ و ۳۰ میں بحوالہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۲ نسائی شریف کی یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نماز سے سلام پھیرنے کے بعد تین بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ کا ورد کرتے اور تیسری مرتبہ آواز سے اس کو پڑھتے تھے اور اس کے بعد حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا حوالہ دیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے جواز پر دلیل ہے اور وہ بلاشبہ ثابت ہے (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۵۳۷) اور اس کے بعد حضرت ملا علی القاریؒ کی مرقات سے علامہ مظہرؒ کا حوالہ دیا ہے کہ یہ حدیث بلند آواز سے ذکر کرنے کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے۔ (مرقات ج ۳ ص ۱۷۲) محصلہ

الجواب :۔ یہ روایت نسائی ج ۱ ص ۱۹۶ میں متعدد اسانید کے ساتھ سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزٰی عن ابیہ الخ مروی ہے اس روایت کے حوالہ میں بھی صاحب مشکوٰۃ کا فنی طور پر ایک وہم ہے وہ لکھتے ہیں وفی روایۃ للنسائی عن عبدالرحمٰن بن ابزٰی عن ابیہ الخ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۲ حالانکہ نسائی میں یہ روایت عن سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزٰی عن ابیہ الخ ملاحظہ ہو ص ۱۹۶ ہاں البتہ ہشامؒ نے اس کو یوں مرسلاً نقل کیا ہے

عن سعید بن عبد الرحمٰن بن ابزی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث الغرض یہ روایت عبدالرحمٰنؓ بن ابزیٰ کا مسند ہے جو صحابی تھے (تہذیب ج۶ ص۱۳۳) نہ کہ ابزیٰ کا کیونکہ اس کا اسلام ہی ثابت نہیں ہے تو یہ اس کا مسند کیونکر ہوسکتا ہے؟) ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ بلند آواز سے یہ کلمات پڑھے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ تیسری مرتبہ آپ نے آواز مبارک بلند کی بے شبہ آپ نے بلند آواز کے ساتھ یہ کلمات پڑھے لیکن تعلیم کی خاطر اور پہلے یہ بات عرض ہوچکی ہے کہ تعلیم کی خاطر آواز بلند کرنا جائز ہے نہایت افسوس ہے کہ مؤلف مذکور نے علامہ مظہرؒ کی عبارت اس مقام پر لفظ الاستحباب تک نقل کی ہے اور آگے ضروری قید اور شرط ترک کردی ہے ہم پوری عبارت مشکوٰۃ شریف کے حاشیہ سے نقل کرتے ہیں بغور ملاحظہ فرمائیں:۔

قال المظهر هذا يدل على جواز الذكر برفع الصوت بل على الاستحباب اذا اجتنب الرياء اظهارًا للدين وتعليما للسامعين وايقاظًا لهم من رقدة الغفلة وايصالًا لبركة الذكر الى مقدار ما يبلغ الصوت اليه من الحيوان والشجر والحجر والمدر وطلبًا لاقتداء الغير بالخير وليشهد له كل رطب ويابس سمع صوته وبعض المشائخ يختار اخفاء الذكر لانه ابعد من الرياء وهذا متعلق بالنية ذكره مولانا على القاريؒ وقال الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي في الحديث دليل على شرعية الجهر

مظہرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث بلند آواز سے ذکر کرنے کے جواز بلکہ استحباب پر دلالت کرتی ہے بشرطیکہ ریاء سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس طرح دین کے اظہار اور سامعین کی تعلیم اور ان کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے اور جہاں تک ذکر کی آواز پہنچتی ہے عام اس سے حیوان اور درخت تک پہنچے یا پتھر اور ڈھیلے تک برکت پہنچانے کا موقع فراہم ہوتا ہے اور اس طرح بھلائی میں دوسروں کی اقتدار کی خواہش بھی ہے اور تاکہ ہر تر اور خشک چیز جس نے اس کی آواز سنی ہے اسکے لئے گواہی دے اور بعض مشائخ نے اس کو پسند کیا ہے کہ ذکر آہستہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ ریاء سے دور تر ہے اور یہ نیت سے

بالذکر وھو ثابت فی الشرع بلا شبھۃ لکن الخفی منہ افضل فی غیر ما ثبت فی المأثور انتھی۔
(حاشیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱۲)

متعلق ہے اس کا ذکر مولانا علی القاری نے کیا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ذکر بالجہر کے مشروع ہونے کی دلیل ہے اور بلاشبہ شریعت میں وہ ثابت ہے لیکن جہاں شرعاً جہر منقول نہیں وہاں افضل آہستہ ذکر ہی ہے۔

اس عبارت میں دیگر ضروری باتوں کے علاوہ تعلیماً للسامعین کا جملہ بھی نہایت ضروری تھا جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہر بالذکر کی یہ کاروائی تعلیم سامعین کی خاطر تھی لیکن مؤلف مذکور نے اس کا یہاں سرے سے تذکرہ ہی نہیں کیا اور پھر اس میں بعض مشائخ کے حوالہ سے آہستہ ذکر کے افضل ہونے کی تصریح بھی ہے اور آخر میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے حوالہ سے اس کی بھی تصریح کر دی گئی ہے کہ جن جن مقامات میں ذکر بالجہر وارد ہے ان کے علاوہ ذکر آہستہ ہی افضل و بہتر ہے۔ غرضیکہ اس روایت سے بھی مطلقاً ذکر بالجہر پر استدلال صحیح نہیں ہے بلکہ ان مقامات میں ذکر بالجہر درست ہے جہاں شریعت سے ثابت ہے اور جہاں جہر ثابت نہیں وہاں آہستہ ہی افضل ہے۔

پانچویں حدیث

مؤلف مذکور نے اس طویل حدیث سے بھی جہر پر استدلال کیا ہے جس میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو ذکر کی مجلسوں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے پس انہیں جہاں مجلس ذکر ملتی ہے وہ اس مجلس کو گھیر کر بیٹھ جاتے ہیں یہاں تک کہ مجلس ذکر سے لیکر آسمان دنیا تک تمام فرشتوں سے بھر جاتی ہے الحدیث (مسلم ج ۲ ص ۳۵۲ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۶) علامہ خیرالدین رملیؒ فرماتے ہیں کہ جماعت سے جو ذکر ہو وہ جہراً ہی ہوتا ہے (فتاویٰ خیریہ ص ۱۹۱) نیز فرشتوں کا سننا جہر پر قرینہ ہے علاوہ بریں اس میں یُسَبِّحُوْنَکَ وَیُکَبِّرُوْنَکَ جمع کے صیغے ہیں اور جب تک جہر کے ساتھ یہ کلمات ادا نہ کئے جائیں ان میں جماعتی رنگ پیدا نہیں ہوتا اور امام نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یعنی بعض فرشتے دوسرے فرشتوں

کو مجلس میں حاضر ہونے اور ذکر سننے پر برانگیختہ کرتے ہیں (شرح مسلم ج ۲ ص ۳۵۲) اور ملا علی القاری لکھتے ہیں کہ بعض فرشتے دوسرے فرشتوں کو بلاتے ہیں کہ وہ ذاکرین کی زیارت کریں اور ان کا ذکر سنیں (مرقات ج ۵ ص ۵۶) (محصلہ ذکر بالجہر ص ۳۰ تا ص ۳۲)

الجواب: - اس ساری روایت میں کہیں بھی جہر کا ذکر نہیں ہے مؤلف مذکور نے متعدد حوالے دے کر جہر کے اثبات کے لئے جو سیڑھیاں تیار کی ہیں وہ ان کو سود مند نہیں ہیں اولاً تو اس لئے کہ اس حدیث میں ذکر سے علی التعیین معہود ذکر مراد لینا ہی قطعی نہیں ہے اس میں وعظ و نصیحت اور قرآن و حدیث کے درس کا ذکر بھی مراد ہو سکتی ہے اور وعظ و مقرر سے کوئی اچھا جملہ سنکر بعض اوقات پورا مجمع سبحان اللہ یا اللہ اکبر وغیرہ کے الفاظ کہہ کر داد تحسین بھی دے سکتا ہے اور دیا کرتا ہے۔ وثانیاً کیا ضروری ہے کہ ذکر بالجہر ہو تب ہی فرشتے سنیں یا ایک دوسرے کو سننے پر آمادہ اور برانگیختہ کریں کیا آہستہ ذکر فرشتے نہیں سنتے؟ اور کیا آہستہ ذکر کو کراماً کاتبین نہیں لکھتے؟ مؤلف مذکور نے یہ کیسے اور کیونکر سمجھ لیا ہے کہ جہر ہو تب ہی فرشتے سنتے ہیں؟ امام محمد بن محمد الغزالی الشافعیؒ فرماتے ہیں کہ

کل ذکر یشعر به قلبك تسمعها الملائکة الحفظة الخ (احیاء العلوم ص ۴۹۲)

ہر وہ چیز جس کو تیرا دل شعور کرتا ہے اس کو نگرانی کرنے والے فرشتے سنتے ہیں۔

اور مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ۔ اور حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال کے ارادہ کو بھی لکھتے ہیں (بیان القرآن ج ۱۱ ص ۴۸) اور مولوی نعیم الدین صاحب مراد آبادی عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ فرشتے اور وہ انسان کا ہر عمل اور اس کی ہر بات لکھنے پر مامور ہیں (حاشیہ ص ۷۵۰) وثالثاً یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ مجلس ذکر وہ ہو جس میں تعلیم ذکر مقصود ہو (جب کہ جہر مفرط نہ ہو اور نمازیوں کو سونے والوں اور عام لوگوں کو تکلیف و تشویش نہ ہوتی ہو جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بحث گذر چکی ہے) اور ایسی مجلس محل نزاع سے خارج ہے اور آج بھی بعض بزرگانِ دین کا اس پر عمل ہے لیکن نہ تو ان کا جہر مفرط ہوتا ہے اور نہ لاؤڈ سپیکر پر ہوتا ہے اور نہ نمازیوں اور سونے والوں کو تکلیف ہوتی ہے ورابعاً جو شخص قصد اور ارادہ کے ساتھ مجلسِ ذکر میں بیٹھ کر ذکر سنتا ہو وہ ایک شخص ہو یا کئی اشخاص

ہوں شرعاً سب ذاکر متصور ہوتے اور سب ثواب کے مستحق ہیں حالانکہ ایک جملہ بھی وہ زبان سے نہیں بولتے کیا ضروری ہے کہ سب بولیں تب ہی وہ ذاکر ہوں چنانچہ خود مؤلف مذکور نے اسی حدیث کی شرح میں یہ بھی نقل کیا ہے۔

اور فِيهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ إِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ کے تحت (حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں :-

ای مَا ذَكَرَ اللّٰهَ قَصْدًا او اخلاصًا وَإِلَّا استماع الذكر ذكر (مرقات ج ۵ ص ۵۶ تا ۵۸ ذکر بالجہر ص ۳۲)	یعنی اس شخص نے اللہ کا ذکر قصداً یا اخلاصاً نہیں کیا ورنہ ذکر کو سننا بھی ذکر ہوتا ہے۔

یہ ترجمہ مؤلف مذکور کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ ذکر کا سننا بھی ذکر کے حکم میں ہے ایسے صاف اور صریح قرینہ کے ہوتے ہوئے کیا ضروری ہے کہ اس مجلس کا ہر آدمی ہی ذکر کرے تاکہ اس میں جماعتی رنگ اور جماعتی انداز پیدا ہو جو مؤلف مذکور کا مدعیٰ ہے اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایک ذکر کرے یعنی وعظ و نصیحت کرے اور باقی مجلس دلجمعی اور خاموشی کے ساتھ اس کا ذکر سننے ثواب میں سب شریک ہیں۔

چھٹی حدیث۔

اس کے بعد مؤلف مذکور نے مسلم ج ۲ ص ۳۵۵ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۹۸ کی اس روایت سے بھی استدلال کرنے کی ناتمام سعی کی ہے جس میں آتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی ایک جماعت پر تشریف لائے اور فرمایا تم یہاں کیوں بیٹھے ہو عرض کیا ہم اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور اس کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ اس نے ہم کو اسلام کی ہدایت دی الحدیث (محصلہ) اس کے بعد مؤلف مذکور موج میں آکر لکھتا ہے یہ الفاظ مسلم شریف کی روایت میں ہیں حدیث سابق کی طرح اس حدیث میں بھی جماعت اور حلقہ کے ساتھ ذکر کا بیان ہے اس سے پہلے واضح ہو چکا ہے کہ جماعت کے ساتھ ذکر سے ذکر بالجہر مراد ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ ذکر بالجہر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ ہے اھ (ص ۳۳ و ۳۴)

الجواب :- یہ حدیث بھی ذکر بالجہر کے مسئلہ سے غیر متعلق ہے اس سے تو صرف یہ

ثابت ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے آپس میں بیٹھ کر اس بات کا تذکرہ اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے ان کو اسلام جیسی نعمت عظمیٰ اور دولت بے پایاں نصیب فرمائی اس میں اس ذکر کا کس طرح اور کس جملہ سے ثبوت ملتا ہے جس کے اثبات پر مؤلف مذکور خواہ مخواہ ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہا ہے پہلے بالحوالہ یہ بات گذر چکی ہے کہ تعلیم کے علاوہ حضرات صحابہ کرامؓ نہ تو دعا بلند آواز سے کرتے تھے اور نہ ذکر اور اس پر حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع ہے حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفیؒ کے یہ الفاظ مجمعًا من الصحابۃؓ منہ میں گذر چکے ہیں حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ حضرات صحابہ کرامؓ کی سادہ اور سنت کے مطابق زندگی کا نقشہ بتائے ہوئے اَقَلُّهَا تَكَلُّفًا یہ حدیث مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۳۲ میں موجود ہے) کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

ولا یتخلقون للاذکار والصلوٰت برفع الصوت فی المساجد ولا فی بیوتهم (مرقات ج ۱ ص ۲۱۴)	وہ مسجدوں اور گھروں میں بلند آواز کے ساتھ ذکر اور درود شریف پڑھنے کے لئے کوئی حلقہ نہ قائم کرتے تھے۔

اس عبارت میں للاذکار کا لفظ خاص طور پر قابل توجہ ہے یعنی اذکار کی خاطر وہ حلقے نہ باندھتے تھے ان کے حلقے تعلیم دین اور تعلیم ذکر کے لئے تو ہوتے تھے لیکن مخض ذکر کی خاطر نہ تو گھروں میں وہ حلقے باندھتے تھے اور نہ مسجدوں میں اب غور کرنا مؤلف مذکور کا کام ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ ذکر بالجہر کے لئے حلقے باندھتے تھے؟ یا وہ اس کاروائی کے خلاف تھے؟ حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ تو ہرگز نہ تھا۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ

یکون فی آخر الزمان عبادٌ جهالٌ وقراءٌ فسقة (حل ک ایضاح الجامع الصغیر ج ۲ ص ۲۰۶)	آخر زمانہ میں ایسے عابد ہوں گے جو دین سے بالکل جاہل ہوں گے اور ایسے قاری ہوں گے جو فاسق ہوں گے۔

جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر ہم سب فدا اور قربان ہوں آپ نے جو کچھ فرمایا ہم نے مشاہدۃً دیکھ لیا عبادت اور ثواب کے شوق میں میلاد گیارھویں بلند

آواز سے ذکر درود وغیرہ کئی بدعات سامنے آچکی ہیں اور ڈاڑھی منڈھے اور قبضہ سے کم ڈاڑھی کٹوانے والے اور سر پہ انگریزی وضع کے بال رکھنے والے نمازوں میں سست اور طلب زر میں چست قاری بھی ہم نے دیکھ لئے ہیں اور معلوم نہیں آگے کیا کچھ ہوگا؟ ؎

سَتُبْدِیْ لَكَ الْاَیَّامُ مَا كُنْتَ جَاهِلًا وَیَاْتِیْكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَّمْ تُزَوِّدِ!

ساتویں حدیث

مؤلف مذکور نے ذکر بالجہر ص۲۰ و ۲۱ و ۲۲ میں اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے جو مشکوٰۃ ج۱ ص۱۰۷ میں ابوداؤد ج۱ ص۱۸۸ اور ترمذی ج۱ ص۵۹ سے نقل کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے وہ نماز (تہجد) میں قرأت آہستہ کر رہے تھے اور حضرت عمرؓ کے پاس سے گذرے تو دیکھا کہ وہ بلند آواز سے قرأت کرتے ہیں جب دونوں اکٹھے ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو قدرے بلند کرو اور حضرت عمرؓ سے فرمایا تم اپنی آواز قدرے پست کرو (محصلہ) مؤلف مذکور نے اس روایت سے مطلق ذکر کے جہر پر استدلال کیا ہے جب اس پر یہ اشکال پیش آیا کہ یہ تو نماز کے بارے میں ہے تو بزعم خویش اس کے چار جواب دیئے یہ کہ جب حکم کا منشاء خاص کی خصوصیت نہ ہو تو حکم عام کی طرف راجع ہوتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے ہمارا استدلال ارفع من صوتك کے عموم الفاظ سے ہے اور یہاں وہ نماز کے ساتھ مخصوص نہیں اور وہ اپنے عموم واطلاق پر ہے اعتبار عموم الفاظ کا ہوتا ہے خصوص مورد کا نہیں ہوتا، علامہ ابن حجر مکیؒ نے فتاوی حدیثیہ ص۶۵ میں اس حدیث سے ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے (محصلہ)

الجواب: لفظوں کے کرتب اور عبارت کی شعبدہ بازی سے کچھ نہیں بنتا یہاں ذکر بالجہر پر صریح دلیل درکار ہے، یہ حدیث صرف نماز سے متعلق ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرات شیخینؓ کو نماز میں متوسط اور معتدل جہر کی تلقین فرمائی ہے مطلق اور عمومی ذکر سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور نماز میں جہر اور سر کا مسئلہ ہی الگ ہے مؤلف مذکور کے دوسرے اور تیسرے جواب کا ماحصل ایک ہی ہے محض جوابات کی گنتی بڑھانے

کے لئے لفظوں کے ہیر پھیر سے کچھ نہیں بنتا اس مسئلہ میں جب قرآن وحدیث میں اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً الآیۃ اور اِرْبَعُوْا عَلٰی انفسکم الحدیث اور خیر الذکر الخفی وغیرہ سے الگ ضابطہ اور حکم موجود اور منطوق ہے تو اس کے ہوتے ہوئے یہاں عموم الفاظ اور خصوص مورد کے غیر متعلق مضمون کو چھیڑنا بالکل لاحاصل ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ روز عاشورا، شب برات ستائیسویں رجب اور ماہ رجب کی پہلے جمعہ کی رات (جس کو لیلۃ الرغائب بھی کہتے ہیں) کو اہتمام اور تداعی کے ساتھ نماز باجماعت کے مکروہ ہونے پر فقہی رنگ میں، خاصی بحث کرتے ہیں کہ امام کے علاوہ تین آدمی اگر نفلی نماز میں بدون تداعی و اہتمام کے مل جائیں تو صحیح ہے چار میں اختلاف ہے صحیح قول یہ ہے کہ مکروہ ہے (بحوالہ شمس الائمہ الحلوانی) مکتوبات مکتوب نمبر ۲۸۸ دفتر اول حصہ پنجم ص۷۹) اور مطلق روایات کو مقید پر حمل کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

واگر روایتے پیدا شود کہ از ذکر عدد ساکت باشد و مطلقاً مجوز باشد ادائے نفل بہ جماعت آنرا حمل باید کرد بر مقید کہ در روایات دیگر واقع شدہ است و از مطلق مقید مراد باید داشت و جواز مقصور بر اثنین یا ثلث باید نمود چہ علماء حنفیہ اگرچہ در اصول مطلق را بر اطلاق میگذارند و بر مقید حمل نمی کنند اما در روایات حمل مطلق بر مقید جائز داشتہ اند بلکہ لازم دانستہ و اگر بر طریق فرض محال حمل نہ کنیم و بر اطلاق بگذاریم ہر آئینہ ایں مطلق معارض خواہد بود مر آں مقید را اگر در قوت برابر باشد و مساوات در قوت ممنوع است

اگر کوئی روایت ایسی ظاہر ہو کہ عدد کے ذکر سے ساکت ہو اور مطلق طور پر وہ نفلی نماز کو باجماعت ادا کرنے کے جواز پر دلالت کرتی ہو تو اس کو مقید پر حمل کیا جائے گا اور اس قید کو ملحوظ رکھا جائے گا جو دوسری روایات میں واقع ہے اور مطلق سے مقید مراد لینی چاہیئے اور جواز کو دو یا تین پر بند سمجھنا چاہیئے کیونکہ علماء احناف اگرچہ اصول میں مطلق کو اپنے اطلاق پر چھوڑتے ہیں اور مقید پر حمل نہیں کرتے مگر روایات میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کو وہ جائز قرار دیتے بلکہ لازم سمجھتے ہیں اور اگر فرض محال کے طور پر ہم مطلق کو مقید پر حمل نہ کریں اور اطلاق پر چھوڑ دیں پھر تو بہر کیف

چہ روایات کراہت باوجود کثرت مختار
ومفتی بہا اند بخلاف روایت اباحت
وَلَوْسُلِّمَ مَسَاوَاتُھُمَا گوئیم کہ برتقدیر
تعارض اوّلہ کراہت واولہ اباحت ترجیح
جانب کراہت راست کہ رعایت احتیاط
در آن است چنانچہ مقرر اہل اصول فقہ
است پس جماعت کہ روز عاشورا وشب
برأت ولیلۃ الرغائب نماز بہ جماعت مے
گذارند دویست دو سی صد ۳۰۰
سی صد کس کم وبیش کہ در مسجد ہا جمع میشوند
وآن نماز را واجتماع وجماعت را مستحسن
می پندارند مرتکبان امر مکروہ اند باتفاق
فقہاء ومکروہ را مستحسن دانستن از اعظم
جنایات است چہ حرام را مباح دانستن
منجر بہ کفر است ومکروہ حسن پنداشتن
یک مرتبہ ازاں پایاں است شناعت
ایں فعل را نیک ملاحظہ باید نمود اھ
(مکتوبات دفتر اول حصہ پنجم مکتوب ۴۸ صفحہ ۸۰)

مطلق اس مقید کا معارض ہوگا اگر دونوں ایک
درجہ کے قوی ہوئے لیکن قوت میں مساوات
ممنوع ہے کیونکہ کراہت کی روایات باوجود کثرت
کے مختار اور مفتی بہا ہیں بخلاف اباحت کی
روایات کے (کہ وہ ایسی نہیں ہیں) اور اگر
ان کی آپس میں مساوات بھی تسلیم کرلی جائے
تو ہم کہتے ہیں کہ جب کراہت اور اباحت
کی دلیلیں آپس میں متعارض ہوں تو ترجیح کراہت
کو ہوگی کیونکہ احتیاط کا پہلو اسی میں ملحوظ رہ
سکتا ہے چنانچہ اصول فقہ والوں کے ہاں یہ مقرر
ہے۔ پس لوگوں کی وہ جماعت جو عاشوراء کے
دن اور شب برأت اور لیلۃ الرغائب (رجب کے
پہلے جمعہ کی رات) میں کم وبیش دو دو سو ۲۰۰ اور
تین سو ۳۰۰ آدمی جماعتی شکل میں مسجدوں میں جمع
ہوکر باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور اس اجتماع
اور جماعت کو مستحسن سمجھتے ہیں وہ حضرات فقہاء
کرامؒ کے اتفاق سے مکروہ امر کے مرتکب ہیں اور
مکروہ کو اچھا سمجھنا بڑے گناہوں میں سے ہے
کیونکہ حرام کو مباح سمجھنا کفر تک پہنچانے والا
ہے اور مکروہ کو اچھا سمجھنا اس سے ایک درجہ
نیچے ہے اس فعل کی برائی کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہئے۔

حضرت مجدد صاحبؒ کی اس عبارت سے مؤلف مذکور کا یہ مغالطہ بھی رفع ہوجاتا ہے کہ وہ مطلق کو اپنے اطلاق پر رکھ کر اپنی گاڑی چلانے پر مُصر ہے۔

اعتراض ہوسکتا ہے کہ کوئی صاحب یہ کہہ دیں کہ ذکر بالجہر کے بارے میں فقہاء کرامؒ کے اقوال بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں کیونکہ کوئی اس کو بدعت کہتے ہیں اور اور کوئی اس کو مکروہ کہتے ہیں لہٰذا وہ ایک حکم پر متفق نہیں ہیں۔

الجواب:۔ اس اعتراض میں کوئی وزن نہیں دونوں تعبیروں کا مفاد ایک ہی ہے چنانچہ حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلویؒ (المتوفی ۱۲۶۲ھ) تحریر فرماتے ہیں سوال پنجاہ و پنجم ادنیٰ بدعت سیئہ چہ است و اعلیٰ چہ جواب ادنیٰ بدعت مکروہ است و اعلیٰ بدعت کفر است (مأتہ مسائل ص۸۶ طبع مصطفائی دہلی) اس سے معلوم ہوا کہ بدعت کا ادنیٰ درجہ اور مکروہ ایک شے ہے اور اعمال و احکام کے درجہ میں بدعت سے مراد عموماً مکروہ ہوتی ہے عام اس سے کراہت تنزیہ ہو یا تحریمیہ ہاں عقائد کے مد کی بدعت بالعموم کفر ہوتی ہے۔ رہا امام ابن حجر مکی الشافعیؒ (المتوفی ۹۷۵ھ) کا ارشاد کہ یہ حدیث ذکر بالجہر پر دلالت کرتی ہے سود مند نہیں کیونکہ اگر قرآن کریم اور صحیح حدیث میں آہستہ ذکر کا حکم نہ بھی ہوتا صرف اجتہاد ہی سے اس مسئلہ پر روشنی پڑتی تب بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے پیروکار فقہاء احنافؒ کے مقابلہ میں امام ابن حجر مکی الشافعی الصوفیؒ کے اجتہاد اور استدلال کا کوئی مقام نہ تھا حالانکہ یہاں وزنی اور ٹھوس دلائل موجود ہیں جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا ہے لہٰذا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے حکم اور ارشاد کے مقابلہ میں جس کی بنیاد نص قطعی پر ہے۔ امام ابن حجر مکیؒ کے استدلال کو کون سنتا اور مانتا ہے؟ قارئین کرام غور فرمائیں کہ دوسروں کو وہابیت کا طعنہ دینے والے اور خود کو حنفی اور اہل السنت کہلانے والے ہی نہیں بلکہ حنفیت کے بلا شرکت غیرے واحد ٹھیکیدار کس طرح حضرت امام ابوحنیفہؒ کے صریح فتویٰ کو جو قرآن و حدیث پر مبنی ہے اور حضرات فقہاء احنافؒ میں ارباب فتاویٰ کے واضح فتووں کو چھوڑ کر کس طرح اپنی خواہش کی خاطر ایک شافعی المسلک اور صوفی المشرب بزرگ کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہیں اور غضب یہ ہے کہ بایں ہمہ انکی حنفیت میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا اور نہ حنفی اور سنی کہلانے میں وہ شرم ہی محسوس کرتے ہیں اور طعنہ دوسروں کو وہابیت کا دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کرے کہ ہماری یہ سوز کی آواز ان کے دل کے کانوں تک پہنچ جائے حسی کانوں کے ساتھ سننے کا چنداں فائدہ نہیں ؎

وہ اپنے کان سے سنتے ہیں میرے نالوں کو
وہ طرز نالہ ہو جو اس کو بے قرار کرے

باب دہم

آخری حربہ

مؤلف مذکور نے قرآن کریم، احادیث اور شراح حدیث وغیرہم حضرات سے ذکر بالجہر کے اثبات پر جو استدلال کیا ہے وہ آپ نے ملاحظہ کر ہی لیا ہے، اب ان کے ترکش کا آخری تیر بھی ملاحظہ کریں، مؤلف مذکور نے صـ۳۸ و صـ۳۹ میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی الحنفی رح کی ادھوری عبارت نقل کی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان کی پوری عبارت نقل کردیں۔

(مطلب سوم)

دیگر حقیقت ذکر جہر وحق آنست کہ انکار آں سفاہت واضح است در تلاوت قرآن جہر صریح است ما اذن اللہ لشئ ما اذن یعنی تغنی بالقرآن یجہر بہ و در تلبیہ حج آمدہ افضل الحج العج والثج ای رفع الصوت بالتلبیۃ واراقۃ الدم و قرآن را فضیلت معروف است وکذا نعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بالذکر وفضل الذکر الذی یسمعہ

(تیسرا مطلب)

اور وہ ذکر بالجہر کی حقیقت ہے اور اس میں حق یہ ہے کہ اس کا (کلیتہً) انکار کھلی بیوقوفی ہے قرآن کریم کی تلاوت کے جہر کے بارے (حدیث میں) صراحت آئی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اور کسی چیز کی ایسی اجازت نہیں دی جیسی جہر سے قرآن پڑھنے کی دی ہے۔ اور حج کے تلبیہ کے بارے میں آیا ہے کہ بہترین حج وہ ہے جس میں آواز بلند کی جائے اور قربانی کی جائے اور قرآن کی فضیلت معروف ہے اور یہ (حدیث) کہ ہم آنحضرت صلے اللہ

الحفظة علی الذی لا یسمعہ الحفظة
بسبعین ضعفاً وبناء طریقہ چشتیہ
واویسیہ وقادریہ کہ ہمہ پیران ما اند بر ذکر
جہر است حکم بآنکہ فعل حرام موجب قرب الٰہی
نمی شود باطل است بلکہ ذکر جہر موجب
جمعیتے است کہ بالاتر ازاں جمعیتے نیست
چوں خواجہ علاؤ الدین غجدوانیؒ بعد رفتن
حضرت خواجہ نقشبند علیہ الرحمۃ بہ حج ذکر جہر
استماع کردند وبعد مراجعت عذر آوردند
بآنکہ شمارا بسبب قوت باطن حاجت ایں نہ
بود مارا ازیں نفع بسیار شد حضرت خواجہ
نقشبندؒ انکار آں نکرد وچوں خود از روح
حضرت خواجہ عبد الباقی غجدوانیؒ ذکر خفیہ و
عمل بر عزیمت گرفتہ بودند خود نمی کردند
ومثل شمارا کہ در فقہیات تقدیم احادیث باجتہادیات
میکنید دریں معنی تردد بیجا است اگرچہ
مذہب حنفیاں باشد دراں روایت اگرچہ
مشہور است لیکن فقیر العینہ آں کتاب
یاد کردن محتاج تفحص است یک دفعہ خواجہ
سرائے عالم بفقہیات از طرف بادشاہ روم
امیر حج شدہ آمد در مدینہ بشیخ ابراہیم کردیؒ
ملاقات نمود گفت کہ دریں سفر بدعت عظیم
ازیں مردم دور کردم فرمودند کدام بدعت

علیہ وسلم کی نماز کا ختم ہونا ذکر کے ساتھ جانتے
تھے اور یہ (حدیث) کہ اس ذکر کی جس کو نگران
فرشتے سنتے ہیں اس ذکر پر جس کو نہیں سنتے
ستر گنا زیادہ فضیلت ہے اور حضرات
چشتیہؒ، اویسیہؒ اور قادریہؒ کے طریقہ کی
بنیاد ہی ذکر بالجہر پر ہے اور یہ سب ہمارے
پیر ہیں یہ فیصلہ کہ فعل حرام اللہ تعالیٰ کے
تقرب کا سبب نہیں ہوتا باطل ہے بلکہ ذکر
بالجہر وجمعی کا ذریعہ ہے کہ اس سے بڑھ کر وجمعی
نہیں ہوسکتی جب خواجہ علاؤ الدین غجدوانیؒ
نے حضرت خواجہ نقشبندؒ کے حج پر جانے
کے بعد ذکر بالجہر سنا تو ان کی مراجعت کے بعد
یہ عذر کیا کہ آپ کو باطنی قوت کی وجہ سے اس کی
حاجت نہیں ہمیں تو اس سے بہت فائدہ ہوا
حضرت خواجہ نقشبندؒ نے اس کا انکار نہ فرمایا اور
جب خود انہوں نے حضرت خواجہ عبد الباقی
غجدوانیؒ کی روح اور فیض سے آہستہ ذکر
اور عزیمت پر عمل حاصل کیا تھا تو خود حضرت
خواجہ نقشبندؒ ذکر بالجہر نہیں کیا کرتے تھے
اور آپ جیسے لوگوں کا جو مسائل فقہیہ میں حدیث
کو اجتہادی مسائل پر مقدم کرتے ہیں اگرچہ وہ
حنفیوں کا مذہب ہی کیوں نہ ہو اس معنی
میں تردد بیجا ہے اس بارے میں اگرچہ روایت

گفت ذکر جہر از مسجد و شہر بیت المقدس موقوف کنانیدم ایشاں ایں آیت خواندند وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰہِ اَنْ یُّذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ وَسَعٰی فِیْ خَرَابِھَا چند روایت کہ از فتاوی نوشتہ بود پیش نمود فرمودند اگر کار بتقلید است شما مقلد دیگر و من مقلد دیگر و روایات شما بر من حجت نیست و اگر کار بر تحقیق است اینک گوئے و میدان بعد ازیں چند رسالہ در اثبات ذکر جہر نوشتہ اند بعض ازیں رسائل پیش فقیر ہم موجود است بالجملہ الحق احق بالاتباع والسلام۔

(فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۱ طبع مجتبائی دہلی)

مشہور ہے لیکن فقیر کو بعینہ کتاب یاد کرنے اور تفتیش کی ضرورت ہے ایک دفعہ خواجہ سراعالم فقہیات بادشاہ روم کی طرف سے امیر حج بن کر مدینہ طیبہ پہنچے اور شیخ ابراہیم کردی سے ملاقات کی اور فرمایا کہ اس سفر میں لوگوں کی ایک بہت بڑی بدعت میں نے دور کی ہے فرمایا کونسی بدعت؟ انہوں نے فرمایا کہ ذکر بالجہر مسجد اور بیت المقدس سے میں نے موقوف کردیا ہے انہوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور اس شخص سے کون زیادہ ظالم ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کے ذکر سے روکا اور ان کے خراب کرنے کی کوشش کی انہوں نے چند فتاوی کی روایات جو لکھی ہوئی تھیں پیش کیں شیخ ابراہیم کردی نے فرمایا کہ اگر بات تقلید کی ہو رہی ہے تو آپ دوسرے کے مقلد ہیں اور میں دوسرے کا مقلد ہوں تمہاری روایات مجھ پر حجت نہیں ہیں اور اگر معاملہ تحقیق کا ہے تو یہ گیند اور میدان موجود ہے اس کے بعد انہوں نے کئی رسالے ذکر بالجہر پر لکھے ہیں ان میں سے بعض رسالے اس فقیر کے سامنے بھی ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ حق کی اتباع زیادہ مناسب ہے فقط والسلام۔

اس عبارت میں چند اُمور نہایت ہی قابل غور ہیں پوری توجہ کے ساتھ ان پر نگاہ ڈالیں۔

۱۔ قرآن کریم کی قرأت کے جہر کے ساتھ پڑھنے پر جو حوالہ دیا گیا ہے وہ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۵۱ و مسلم ج ۱ ص ۲۶۸ میں یوں ہے:۔ واللفظ للبخاری

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لم یأذن اللہ لنبی ما اذن لنبی صلی اللہ علیہ وسلم یتغنّی بالقرآن وقال صاحب لہ یرید یجھر بہ۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے نہیں اذن اور اجازت دی اپنے نبی کو جیسے اُس نے جہر کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کی اجازت دی ہے (یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالےٰ نے نہیں سُنا نبی کی کسی اور بات کو جیسا کہ اُس نے قرآن سُنا یعنی آپ کی طرف توجہ کی اور درجہ دیا)

اور ایک روایت میں یوں آتا ہے کہ

عن النبی صلے اللہ علیہ وسلم ما اذن اللہ لشئی ما اذن للنبی ان یتغنّی بالقرآن قال سفیان تفسیرہ یستغنی بہ۔

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ نے توجہ نہیں فرمائی (یا اجازت نہیں دی) اپنے نبی کے لئے جیسی قرآن کے بارے میں توجہ فرمائی۔ امام سفیانؒ نے فرمایا یعنی آپ اس کی بدولت مستغنی ہوئے۔

پہلی روایت میں یتغنّی کا معنی جہر کے ساتھ قرآن کریم پڑھنے کے کیا ہے اور دوسری میں یہ معنی بیان ہوا ہے کہ آپ کو قرآن کریم جیسی انمول دولت حاصل ہوئی تھی اس لئے آپ اپنے آپ کو اس کی وجہ سے غنی اور مستغنی سمجھتے تھے، اور اس کے حاشیہ میں اور بھی کئی معانی بیان کئے گئے ہیں۔

قولہ یرید ان یجھر یہ ای یحسن بہ صوتہٗ وھو احد الاقوال فی تفسیر یتغنّی وقیل المراد بہ التحزن و قیل التشاغل من تغنی بالمکان اقام بہ وقیل التلذذ والاستدلال

ان کا یہ قول کہ وہ یہ مراد لے رہے ہیں کہ بلند آواز سے وہ اس کو پڑھیں یعنی اچھی آواز سے پڑھیں اور یتغنّی کی تفسیر میں کئی اقوال میں سے ایک یہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد غم کا اظہار کرنا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا

کما یستلذ اھل الطرب بالغناء وقیل ھجیراہ کما یجعل المسافر والفارغ ھجیراہ الغناء فیکون معنی الحدیث الحث علی ملازمۃ القرآن ۱۲
(توشیح بر حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۷۵۱)

مطلب مشغول رہنا ہے تغنی بالمکان کا مطلب یہ ہے کہ وہاں مصروف اور مقیم ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ لذت حاصل کرنا اور حلال سمجھنا ہے جیسے سُر والے گانے سے لذت حاصل کرتے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دل لگی کی عادت بنا لینا جیسا کہ مسافر اور فارغ آدمی گانے کو دل لگی کا ذریعہ بنا لیتا ہے سو اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے پر مداومت پر آمادہ کرنا ہے۔

حضرت امام نوویؒ نے بھی اس حدیث کے متعدد معانی نقل کئے ہیں اور امام ابوجعفر طبریؒ کے حوالہ سے امام سفیانؒ کی تفسیر کو لُغت اور معنی کے لحاظ سے خطا قرار دیا ہے اور آخر میں لکھتے ہیں کہ

والصحیح انہ من تحسین الصوت ویؤیدہ الروایۃ الاخری یتغنی بالقرآن یجھر بہ انتھی۔
(شرح مسلم ج ۱ ص ۲۶۸)

اور صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد اچھی آواز سے قرآن کریم پڑھنا ہے اور اس کی دوسری روایت بھی تائید کرتی ہے جس میں یتغنی بالقرآن کے معنی یجہر بہ (یعنی بلند آواز کے ساتھ پڑھے) آئے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک عظیم مقصد لوگوں کو قرآن کریم پڑھ کر سنانا اور اس کی تعلیم دینا بھی تھا یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیَاتِہٖ اور یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ الآیۃ اس کی واضح دلیل ہے اور ظاہر بات ہے کہ تعلیم قرآن بغیر جہر کے کیسے ہو سکتی ہے؟ قرآن کریم کی تعلیم اور تدریس اور اس کے ذریعہ سے تبلیغ دین محل نزاع سے بالکل خارج ہے اور اس کا کوئی بھی منکر نہیں اور پہلے یہ بات باحوالہ گذر چکی ہے کہ جب جہر کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت سے نمازیوں وغیرہم کو تکلیف ہوتی ہو تو پھر جہر درست نہیں۔

۱۲ حضرت شاہ صاحبؒ نے تلبیہ میں رفع الصوت سے ذکر بالجہر پر استدلال کیا ہے اور

حدیث سے اس پر دلیل بھی انہوں نے پیش کی ہے اور یہ ایک ایسا مقام ہے جہاں شرعاً جہر مطلوب و مقصود ہے اس حوالہ سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ بھی ان مقامات میں ذکر بالجہر کے قائل ہیں جہاں شریعت میں جہر مطلوب ہے جیسا کہ اس حوالہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

۳ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو یہ حدیث نقل کی ہے وکنا نعرف انقضاء صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالذکر کسی صحیح روایت میں بالذکر کے الفاظ نہیں مل سکے بخاری ج ۱ ص ۱۱۶ و مسلم ج ۱ ص ۲۱۷ و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۳ وغیرہ میں بالتکبیر کے الفاظ ہیں، ہاں البتہ حضرت ابن عباسؓ کی ایک دوسری روایت یوں ہے ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبۃ کان علیٰ عہد النبی صلے اللہ علیہ وسلم الخ جلد بخاری ص ۱۱۶ و مسلم ج ۱ ص ۲۱۷ و ابوداؤد ج ۱ ص ۱۴۲ وغیرہ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ روایت بالمعنیٰ کے قاعدہ کے مطابق دونوں روایتوں کی ملا کر دونوں کا خلاصہ بیان فرما دیا ہے اور اس حدیث کی مفصل بحث پہلے گذر چکی ہے کہ پہلے ایسا ہوتا تھا پھر یہ ترک ہو گیا بلکہ یہ منسوخ ہو گیا اور اس پر اجماع بھی نقل کیا گیا ہے۔

۴ حضرت شاہ صاحبؒ نے ان الفاظ سے جو یہ حدیث نقل فرمائی ہے وفضل الذکر الذی یسمعہ الحفظۃ علی الذی لا یسمعہ الحفظۃ بسبعین ضعفا یہ ان کا وہم یا کتابت کی غلطی ہے اصل روایت اس طرح ہے وفضل الذکر الذی لا یسمعہ الحفظۃ علی الذی یسمعہ الحفظۃ بسبعین ضعفاً پہلے تفسیر مظہری کے حوالہ سے بتخریج ابو یعلیٰ حضرت عائشہ سے مرفوعاً یہ روایت یوں گذر چکی ہے تفضل الذکر الخفی الذی لا یسمعہ الحفظۃ الحدیث اور حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں۔ حواشی حصن حصین میں بحوالہ مرقات بتخریج ابو یعلیٰ بروایت حضرت عائشہؓ بدور سافرہ سیوطیؒ سے حدیث مرفوع نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ذکر خفی جس کو حفظہ بھی نہیں سنتے ستر درجے فضیلت میں زیادہ ہے الیٰ آخر الحدیث (بیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۰) اور یہ روایت مرقات ج ۲ ص ۶۵ میں اسی طرح ہے اور پہلے متعدد تفسیروں کے حوالہ سے یہ روایت گذر چکی ہے دعوۃ السر تعدل سبعین الخ یعنی آہستہ دعا ستر گنا کے برابر ہے۔ آگے حضرت شاہ صاحبؒ نے صوفیائے چشتیہؒ اور اویسیہؒ

اور قادریہؒ کی جو عبارتیں نقل فرمائی ہیں اور خصوصیت سے آخر میں حضرت شیخ ابراہیم کردی کی ان کے بارے میں ہم تین باتیں عرض کرتے ہیں جو غور سے دیکھنے کے قابل ہیں۔

پہلی بات: حضرت امام مالک حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ سینکڑوں مسائل میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں حتیٰ کہ حلال وحرام اور جائز ناجائز تک کے احکام میں اختلاف ہے ایک امام ایک چیز کو جائز اور حلال کہتے ہیں اور دوسرے اس کو ناجائز و حرام قرار دیتے ہیں علماء کرام کا تو کہنا ہی کیا ہے کتب فقہ کے ساتھ تعلق رکھنے والے کسی بھی طالب علم سے یہ بات مخفی نہیں ہمارے دلوں میں تمام ائمہ کرامؒ کی قدر و عظمت ہے اور ہمارے قلوب ان کی تعظیم و تکریم سے بحمداللہ تعالیٰ بھرپور ہیں لیکن جب دلائل اور براہین کی قوت اور فقاہت کی گہرائیوں کا سوال اور تقابل سامنے آتا ہے تو ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے دلائل کی قوت اور ان کی خداداد فقاہت کا ساتھ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اسی طرح ہمارے دلوں میں تمام سلاسل کے اکابر کی بے پناہ محبت و عقیدت ہے وہ نقشبندی ہوں یا چشتی قادری ہوں یا سہروردی یا کسی اور سلسلہ سے وابستہ ہوں تمام ہمارے لئے قابل ہزار احترام ہیں اور ہمارا پختہ یقین ہے کہ ان حضرات کی محبت نجات کا بہترین ذریعہ ہے اور ان میں سے اہل اجتہاد حضرات نے اپنے اجتہاد سے جو کارنامے سر انجام دیئے ہیں گو وہ فی نفسہٖ غلط بھی ہوں مگر ان میں نہ صرف یہ کہ وہ معذور ہوں گے بلکہ بفضلہ تعالیٰ ماجور بھی ہوں گے لیکن جب کسی بزرگ کا کوئی فتویٰ یا عمل حضرت امام ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور عمل سے متصادم ہوگا تو اس میں ہم حضرت ابو حنیفہؒ کے فتویٰ اور عمل ہی کو ترجیح دیں گے کیونکہ ان کا نرا اجتہاد بھی بڑی وزنی دلیل ہے اور پھر ان کا استدلال نص قطعی سے ہے کما مر اور حضرات صوفیاء کرامؒ کی ایسی باتیں خود قابل تاویل ہوں گی مثلاً اس جہر سے ادنیٰ جہر مراد لی جائے یا تعلیم کی خاطر ہو اور اگر تاویل نہ ہو سکی تو ان کو معذور سمجھتے ہوئے ان کا قول ترک کر دیا جائے گا نہ یہ کہ ان پر مذہب کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے مذہب کی بنیاد تو قرآن کریم و حدیث شریف اور حضرات ائمہ قضاء اور خصوصاً حضرت امام ابو حنیفہؒ کی بات اور فقہ حنفی کی

ے حُبِّ درویشاں کلید جنت است دشمن ایشاں سزائے لعنت است

مستند ترین کتابوں پر ہی رکھی جا سکتی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ذکر بالجہر کے بارے میں شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) کی چند عبارتیں بھی نقل کر دیں تاکہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور ذکر بالجہر کرنے والے حضرات صوفیائے کرامؒ کے استدلال کا معیار بھی معلوم ہو جائے۔

(۱) و در میان طرق صوفیہ اختیار کردن طریقۂ علیۂ نقشبندیہ اولیٰ و انسب است چہ ایں بزرگواراں التزام متابعت سنت نمودہ اند و اجتناب از بدعت فرمودہ لہذا اگر دولت متابعت دارند و از احوال ہیچ ندارند خرسند و اگر باوجود احوال در متابعت فتور دانند آں احوال را نمے پسندند ازیں جا است کہ سماع و رقص را تجویز نہ کردہ اند و احوالے کہ بر آں مترتب شود اعتبار نمودہ بلکہ ذکر جہر را بدعت دانستہ منع آں فرمودہ اند و ثمراتیکہ بر آں مترتب شود التفات بآں ننمودہ روزے بہ مجلس طعام در ملازمت حضرت ایشاں حاضر بودیم شیخ کمال کہ یکے از مخلصانِ حضرت خواجہ ما بود در وقت افتتاح طعام در حضور ایشاں اسم اللہ را بلند گفت ایشاں را ناخوش آمد بحدے کہ زجر بلیغ فرمودند و فرمودند کہ او را منع کنند کہ در مجلس طعام حاضر نہ شود و از حضرت ایشاں شنیدہ ام کہ حضرت خواجہ نقشبندؒ علماء بخارا را جمع کردہ بخانقاہ حضرت میر کلالؒ بردہ بودند تا ایشاں را از

حضرات صوفیاء کرامؒ کے طریقوں میں سے اونچے طریقہ نقشبندیہ کو اختیار کرنا زیادہ بہتر اور مناسب تر ہے کیونکہ ان بزرگوں نے سنت کی متابعت کا التزام کیا ہے اور بدعت سے اجتناب کیا ہے اسی لئے اگر اتباع سنت کی دولت رکھتے ہوں اور احوال حضرات صوفیہؒ سے کچھ بھی نہ رکھتے ہوں تو وہ خوش ہیں اور اگر احوال کے باوجود اتباع سنت میں فتور دیکھتے ہیں تو ان احوال کو وہ پسند نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سماع اور رقص کو تجویز نہیں کیا اور جو احوال سماع و رقص پر مرتب ہوتے ہیں ان کو وہ معتبر نہیں سمجھتے بلکہ ذکر بالجہر کو بدعت سمجھتے ہیں اور اس سے منع کرتے ہیں اور ان ثمرات کی طرف وہ توجہ ہی نہیں کرتے جو اس پر مرتب ہوتے ہیں ایک دن ہم حضرت خواجہ باقی باللہ صاحبؒ کے دولت کدہ میں دعوت طعام پر حاضر تھے آپ کے مخلص مریدوں میں سے ایک شخص شیخ کمالؒ نے کھانا شروع ہونے کے وقت آپ کے سامنے بسم اللہ بلند آواز سے کہہ دی۔ آپ کو یہ ناگوار گزرا حتیٰ کہ اس

ذکر جہر منع فرمایند علماء بحضرت امیر گفتند کہ ذکر جہر بدعت است نہ کنند ایشاں در جواب فرمودند کہ نہ کنیم اکابر ایں طریق ہرگاہ منع ذکر جہر ایں ہمہ مبالغہ نمایند از سماع و رقص و وجد و تواجد چہ گویند احوال و مواجید کہ بر اسباب نامشروعہ مترتب شوند نزد ایں فقیر از قبیل استدراجات است الخ (مکتوب ۲۶۶ حصہ چہارم دفتر اول صـ ۱۶۷ و صـ ۱۶۸ طبع نور کمپنی انارکلی لاہور)

کو سخت جھڑکا اور فرمایا کہ اسے منع کر دیں کہ ہمارے کھانے کی مجلس میں حاضر نہ ہو اور آپ سے میں نے سنا کہ حضرت خواجہ نقشبند بخارا کے علماء کو جمع کر کے حضرت امیر کلال کے دربار میں لے گئے تاکہ ان کو ذکر بالجہر سے روکیں علماء نے حضرت امیر کلال سے کہا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے نہ کریں انہوں نے جواب میں فرمایا (بہت اچھا) ہم نہیں کرینگے جب اس طریقہ کے اکابر ذکر بالجہر سے منع کرنے میں اتنا مبالغہ کرتے ہیں تو سماع اور رقص وجد اور تواجد کا کیا ذکر؟ حال و وجد جو ناجائز اسباب پر مرتب ہوں وہ اس فقیر کے نزدیک استدراج کی قسم سے ہے۔

ملاحظہ کریں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ جنکی شخصیت علم و عمل اور تقویٰ و ورع میں کسی اہل علم سے مخفی نہیں ہے کن زور دار الفاظ میں ذکر بالجہر کو بدعت قرار دیتے ہیں اور کس پیارے انداز سے عمل بالسنت کی تلقین و ترغیب فرماتے ہیں۔

(۲) واکابر ایں طریقہ علیہ احوال و مواجید را تابع احکام شرعیہ ساختہ اند و اذواق و معارف را خادم علوم دینیہ داشتہ جواہر نفیس شرعیہ را در رنگ طفلاں بجوز و مویز وجد و حال عوض نہ میکنند و بہ ترہات صوفیہ مغرور و مفتون نہ میگردند احوال کہ بارتکاب محظورات شرعیہ و خلاف سنت سنیہ حاصل شود قبول نہ دارند و نخواہند ازیں جا است کہ سماع و رقص را تجویز نمے نمایند و بذکر جہر

اس طریقۂ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگوں نے حال و وجد کے طریقوں کو احکام شرعیہ کے تابع بنایا ہے اور ذوق و معرفت کو علوم دینیہ کا خادم سمجھ کر علوم شرعیہ کے تابع بنایا ہے اور ذوق و معرفت کو علوم دینیہ کا خادم سمجھ کر علوم شرعیہ کے جواہرات نفیسہ کو بچوں کی طرح حال و وجد کے اخروٹ اور منقی کے عوض ضائع نہیں کرتے اور حضرات صوفیاءؒ کے سکریہ کلمات کے گرویدہ نہیں ہوتے اور ان احوال کو جو شرعی ممنوعات پر عمل کرنے سے حاصل ہیں اور بلند

اقبال نہ میفرمایند حال ایشاں بردوام است الخ
(مکتوب ۲۲۱ دفتر اول حصہ چہارم ص۸)

تر سنت کے خلاف ہوتے ہیں ان کو قبول نہیں کرتے اور نہ ان کو چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ سماع اور رقص کو جائز نہیں سمجھتے اور ذکر بالجہر کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے ان کا حال ہمیشہ ایک طرز پر رہتا ہے۔

اس عبارت میں بھی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اُن حضرات صوفیاء کرامؒ کی بے حد تعریف کی ہے جو سُنّت اور علوم شرعیہ کو اپنی وجدانی کیفیات اور اذواق پر مقدم سمجھتے ہیں اور سُنّت کے خلاف کسی بات کو قبول نہیں کرتے اور رقص و سماع کو در خور اعتناء نہیں سمجھتے اور ذکر بالجہر کی طرف سرے سے توجہ اور التفات ہی نہیں کرتے۔

(۳) و پرسیدہ بود کہ منع از ذکر جہر میکنند کہ بدعت است و حال آنکہ ذوق و شوق مے بخشد چرا از چیزہائے دیگر کہ در زمان آں سرور نبودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام منع نہ می نمایند مثل لباس فرجی و شال و سراویل۔

اور نیز آپ نے پوچھا ہے کہ یہ حضرات ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں جو بدعت ہے حالانکہ ذکر بالجہر ذوق و شوق بخشتا ہے اور یہ حضرات دوسری چیزوں سے جو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں کیوں منع نہیں کرتے جیسے کوٹ، شال اور شلوار وغیرہ۔

اس کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

و ایضاً پرسیدہ بودند کہ منع از ذکر جہر میکنند کہ بدعت است با آنکہ ذوق و شوق می بخشد چرا از چیزہائے دیگر کہ در زمان آں سرور نبودہ علیہ علیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات منع نہ میکنند مثل لباس فرجی و شال و سراویل مخدوما عمل آں سرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوات و التسلیمات بر دو نوع است بر سبیل عبادت

اور نیز آپ نے پوچھا ہے کہ یہ حضرات ذکر بالجہر سے کیوں منع کرتے ہیں کہ بدعت ہے باوجودیکہ یہ ذوق و شوق بخشتا ہے اور کیوں دوسری چیزوں سے جو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں ان سے منع نہیں کرتے مثلاً کوٹ، شال اور شلوار وغیرہ اے میرے مخدوم! آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل دو طرح پر ہے

است یا بر طریق عرف و عادت عملے کہ بر سبیل عبادت بودہ خلاف آنرا از بدعتہائے منکر میدانیم و در منع آں مبالغہ مینمائیم کہ احداث در دین است و آں مردود است و عملے کہ بنا بر عرف و عادت است خلاف آں را بدعت و منکر نمیدانیم و در منع آں مبالغہ نمی نمائیم کہ بہ دین تعلق ندارد وجود و عدم آں مبنی بر عرف و عادت است نہ بر دین چہ عرف بعضے بلاد خلاف عرف بعضے از بلاد دیگر است و ہمچنیں در یک بلدہ باعتبار تفاوت ازمنہ تفاوت عرف واقع است مع ذلک رعایت سنت عادی نیز مثمر نتائج است و منتج سعادات اھ (مکتوب ۲۳۱ دفتر اول حصہ چہارم صہ ۲۴ و صہ ۲۵)

ایک عبادت کے طور پر اور دوسرا عرف و عادت کے طور پر آپ کا وہ کام جو عبادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کام کو ہم بدترین بدعات میں سے شمار کرتے ہیں اور ہم اس کے روکنے میں مبالغہ کرتے ہیں کیونکہ یہ دین میں بدعت پیدا کرنا ہے اور ایسا کام مردود ہے اور آپ کا وہ عمل جو عرف و عادت کے طور پر تھا اس کی مخالفت کو ہم بدعت نہیں سمجھتے اور اس کے روکنے میں مبالغہ نہیں کرتے کیونکہ اس کا تعلق دین سے نہیں اور اس کا ہونا یا نہ ہونا عرف و عادت پر مبنی ہے نہ کہ دین پر اور ظاہر ہے کہ بعض شہروں کا عرف و رسم بعض دوسرے شہروں کے عرف کے خلاف ہے اور اسی طرح ایک ہی شہر میں زمانوں کے بدلنے سے عرف بھی متفاوت ہو جاتا ہے اس بات کے باوجود بھی اگر اس سنتِ عادی کی پابندی کی جائے تو یہ بھی سعادتوں اور عمدہ نتیجوں کا پھل لانے والی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس عبارت میں سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کا اصولی فرق بھی آشکارا کیا ہے اور احداث فی الدین اور بدعت کی قباحت بھی خوب نمایاں کی ہے اور ذکر بالجہر سے منع کرنے کی شرعی وجہ بھی ظاہر فرما دی ہے۔

(۴) پس در ہر طریقے کہ مخالفت نفس در آں بیشتر است اقرب طرق است و نزدیک

پس ہر وہ طریقہ کہ نفس کی مخالفت اس میں زیادہ ہو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں وہ سب

نیست کہ رعایت مخالفت نفس از سائر
طرق در طریقۂ علیۂ نقشبندیہ بیشتر چہ ایں
بزرگواراں عمل بہ عزیمت اختیار کردہ
اند واز رخصت اجتناب نمودہ ومعلوم است
کہ در عزیمت ہر دو جزو اجتناب محرم وفضول
مرعی است بخلاف در رخصت کہ اجتناب
از محرم است وبس اگر گفتہ شود کہ تواند
بود کہ سائر طرق نیز عزیمت اختیار کردہ
باشند گوئیم کہ در اکثر طرق سماع ورقص
است کہ بعد از تحمل بسیار کار بر رخصت
میرسد عزیمت را دراں چہ مجال ہمچنیں ذکر
جہر کہ بیش از رخصت دراں متصور نیست
وایضاً مشائخ سلاسل دیگر در طرق خود بواسطۂ
بعضے نیات حقانیہ امور محدثہ پیدا کردہ اند کہ
نہایت تصحیح دراں حکم بر رخصت است بخلاف
اکابر ایں سلسلۂ علیہ کہ سر موئے مخالفت سنت
تجویز نہ کردہ اند وابداع واحداث وانداشتہ
پس مخالفت نفس دریں طریق اتم باشد پس
اقرب طرق باشد پس طالب را اختیار ایں
طرق اولیٰ وانسب باشد چہ راہ بغایت
اقرب است ومطلب در کمال رفعت و
جماعۂ از متاخرین خلفائے ایشاں ترک
اوضاع ایں بزرگواراں گرفتہ بعضے امور دریں

راستوں سے قریب تر ہے اور شک نہیں کہ
طریقۂ عالیہ نقشبندیہ میں باقی سب طریقوں
سے نفس کی مخالفت زیادہ ہے کیونکہ ان بزرگوں
نے عزیمت پر عمل کرنا اپنا شیوہ بنالیا ہے اور
رخصت سے اجتناب کیا ہے اور ظاہر ہے کہ
عزیمت میں حرام اور فالتو کاموں سے پرہیز
کے دونوں اجزا کی رعایت رکھی گئی ہے
بخلاف رخصت کے کہ اس میں صرف حرام ہی
سے پرہیز کا لحاظ ہے اگر کہا جائے کہ ممکن ہے
کہ باقی سب طریقوں میں بھی عزیمت ہی اختیار
کی گئی ہو تو میں کہوں گا کہ باقی اکثر طریقوں میں
سماع اور رقص بے شمار حیلوں سے رخصت
تک پہنچتا ہے عزیمت کا وہاں کیا ٹھکانہ اور
اسی طرح ذکر بالجہر کا حال ہے کہ رخصت سے
زیادہ اس میں کسی چیز کا خیال نہیں کیا جاسکتا
اور نیز دوسرے سلسلوں کے مشائخ نے اپنے
طریقوں میں اپنی کچھ نیک نیتی کے باعث نئے
کام پیدا کر لئے ہیں نہایت تصحیح کے ساتھ ان
میں حکم صرف رخصت تک ہی لگایا جاسکتا
ہے بخلاف اس سلسلۂ عالیہ کے بزرگوں کے
کہ انہوں نے ایک بال برابر بھی سنت کی
مخالفت کو تجویز نہیں کیا اور بدعات کے گھڑنے
اور ان پر عمل کرنے کو روا نہیں رکھا تو اس سلسلہ

طریق احداث نمودہ اند سماع و رقص وجہر اختیار کردہ منشاء آں عدم وصول است بحقیقت نیات اکابر ایں خانوادہ بزرگ خیال کردند اند کہ بایں محدثات و مبدعات تکمیل و تتمیم ایں طریقہ مے نمایند انستہ اند کہ در تخریب و اضاعت آں می کوشند واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل (مکتوب ۲۸۶ دفتر اول حصہ چہارم ص ۵۸۷)

میں نفس کی مخالفت پورے طریقہ پر پائی جاتی ہے پس یہ طریقہ باقی سب طریقوں سے قریب تر ہے سو طالب کے لئے اس طریقہ کا اختیار کرنا زیادہ اولےٰ اور مناسب ہے کیونکہ یہ راستہ نہایت قریب ہے اور مقصد نہایت بلند ہے ان بزرگوں کے طور و طریقہ کو چھوڑ کر بعض کام اس طریقہ میں گھڑ لئے ہیں اور سماع و رقص اور ذکر بالجہر اختیار کر لیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس بزرگ خاندان کی نیتوں کی حقیقت کو ہی نہیں پہنچے اور اس گھرانے کے ان خلفاء نے یہ خیال کر لیا ہے کہ وہ ان بدعات اور محدثات کے ذریعہ اس طریقہ کی تکمیل و تتمیم کر رہے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ اس طریقہ کے بگاڑنے اور ضائع کرنے میں پوری کوشش کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ حق کہتا ہے اور وہی (صحیح) راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔

ان تمام صریح عبارات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے زور دار الفاظ میں ذکر جہر سے منع کیا بلکہ اس کو بدعت کہا ہے اور کیوں بدعت نہ فرماتے جب کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اس کو بدعت فرمایا ہے اور ان کا فتویٰ قرآن و حدیث اور سنت کے عین موافق ہے چنانچہ حضرت مجدد صاحبؒ ہی ایک مقام میں تحریر فرماتے ہیں کہ

ونیز معلوم شد کمالات ولایت را موافقت بفقہ شافعی است و کمالات نبوت را مناسبت بفقہ حنفی اگر فرضاً دریں امت پیغمبرے

اور نیز معلوم ہوا کہ ولایت کے کمالات کو فقہ شافعی سے موافقت ہے اور نبوت کے کمالات کو فقہ حنفی سے مطابقت ہے اگر بالفرض اس

مبعوث می شد موافق فقہ حنفی عمل مے کرد۔ ودریں وقت حقیقت سخن حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہ معلوم شد کہ در فصول ستہ نقل کردہ اند کہ حضرت عیسٰی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول بہ مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمل خواہد کرد الخ (مکتوب ۲۸۲ دفتر اول حصہ پنجم ص۴۰)

امت میں کوئی نبی مبعوث ہو تو وہ فقہ حنفی کے موافق عمل کریگا اور اس موقع پر حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ کی اس بات کی حقیقت معلوم ہوئی جو انہوں نے اپنی کتاب فصول ستہ میں نقل کی ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام نازل ہونے کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کریں گے۔

یعنی چونکہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فقہ کمالات نبوت میں سے ہے اور عین سنت کے مطابق ہے اس لئے جب حضرت عیسٰی علیہ السلام نازل ہوں گے تو فقہ حنفی کے مطابق عمل کریں گے یعنی غیر منصوص احکام میں حضرت امام ابو حنیفہؒ نے اپنے اجتہاد سے جو احکام سنت سے مستنبط کئے تھے اسی طرح حضرت عیسٰی علیہ السلام براہ راست سنت سے استنباط کریں گے۔ گویا دونوں بزرگوں کے اجتہاد میں توارد ہوگا فرق یہ ہوگا کہ ایک اجتہاد معصوم کا ہوگا اور ایک غیر معصوم کا مگر دونوں کی کڑی سنت سے جا ملے گی۔ بقول شخصے ؎

آخر کو ہم دونوں درِ جاناں پہ جا ملے

حضرت مجدد صاحبؒ نے بدعت کی نہایت سختی سے تردید فرمائی ہے چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:-

گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است حسنہ وسیئہ حسنہ آن عمل نیک را گویند کہ بعد از زمان آں سرور وخلفاء راشدین علیہ وعلیہم من الصلوٰۃ اتمہا ومن التحیات اکملہا پیدا شدہ باشد ورفع سنت ننماید وسیئہ آنکہ رافع سنت باشد ایں فقیر در ہیچ بدعتے ازیں بدعتہا حسن ونورانیت مشاہدہ نمی کند وجز بظلمت وکدورت احساس نمی

کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک حسنہ دوسری سیئہ بدعت حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدینؓ کے زمانہ کے بعد پیدا ہوا ہو اور سنت کو ضائع نہ کرے اور بدعت سیئہ وہ ہے کہ جو سنت کو ضائع کردے مگر یہ فقیر ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن اور نورانیت کا مشاہدہ نہیں کر رہا اور

نماید اگر فرضاً عمل مبتدع را امروز بواسطۂ ضعف بصارت بطراوت وفضارت بینند فرداکہ حدید البصر گردند دانند کہ جز خسارت وندامت نتیجہ نداشت ۔ بیت

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور

(مکتوب ۱۸۶ دفتر اوّل حصہ سوم ص ۸۳ و ۸۴)

ان میں بغیر تاریکی اور کدورت کے کچھ بھی محسوس نہیں کرتا اگر بالفرض کوئی بدعتی اپنے ضعف بصارت کی وجہ سے اپنے عمل میں تونزوتاتگی دیکھتا ہے تو کل قیامت کو جب آنکھیں کھلیں گی تو معلوم ہوگا کہ بغیر نقصان اور شرمندگی کے اور کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا ۔ شعر

صبح کے وقت تجھے روز روشن کی طرح معلوم ہو جائے گا کہ شب تاریک میں تو نے عشق کس سے جوڑا ہے ۔

تقابل فقہاء کرامؒ وصوفیاء عظامؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ ان دونوں طبقوں کے بارے میں واشگاف الفاظ میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں چنانچہ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ ۔

وعمل صوفیہ در حل وحرمت سند نیست ہمیں بس نیست کہ ما ایشاں را معذور داریم وملامت نہ کنیم ومر ایشاں را بحق سبحانہٗ وتعالیٰ مفوض داریم این جا قول امام ابی حنیفہؒ وامام ابی یوسفؒ وامام محمدؒ معتبر است نہ عمل ابی بکر شبلیؒ وابی حسن نوریؒ صوفیان خام این وقت عمل پیران خود را بہانہ ساختہ سرود ورقص را دین وملت خود گرفتہ اند و طاعت وعبادت ساختہ اولئک الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا واز روایت سابق معلوم شدہ است کسے کہ فعل حرام را مستحسن

حضرات صوفیاء کا عمل حلال وحرام ہونے میں سند نہیں ہے کیا یہی کافی نہیں ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سپرد کر دیں اس جگہ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا قول معتبر ہے نہ کہ حضرت ابو بکر شبلیؒ اور حضرت ابوالحسن نوریؒ کا عمل اس وقت کے کچے صوفی اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص وسرود کو اپنا دین وملت بنائے بیٹھے ہیں اور اس طریقہ کو انہوں نے اطاعت وعبادت بنا رکھا ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنالیا

و انداز مرہ اہل اسلام مے برآید و مرتد میگردد پس خیال باید کرد کہ تعلیم مجلس سماع و رقص نمودن بلکہ آنرا اطاعت و عبادت دانستن چہ شناعت دارد۔ (مکتوب ۲۶۶ دفتر اول حصہ چہارم ص)

ہے اور پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص حرام فعل کو اچھا سمجھے وہ اہل اسلام کے زمرہ سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے پس خیال کرنا چاہیئے کہ سماع اور رقص کی مجلس کی تعلیم دینا اور اس کو عبادت سمجھنا کس قدر برائی کا حامل ہے۔

اور ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

زنہار بہ ترہات صوفیہ مفتون نہ گردی و غیر حق را جل سلطانہ حق ندانی ایں جماعت بواسطہ غلبہ سکر اگر معذور اند و در رنگ مجتہد مخطی از مؤاخذہ مرفوع اما با مقلدان ایشاں تا چہ معاملہ کنند کاش در رنگ مقلدان مخطی باشند و اگر چنیں نہ کنند کار مشکل است قیاس و اجتہاد اصلی است از اصول شرعیہ کہ ما بتقلید آں مامور یم بخلاف کشف و الہام کہ ما را بہ تقلید بآں امر نفرمودند الہام بر غیر حجت نیست و اجتہاد بر مقلد حجت است پس تقلید علماء مجتہدین باید کرد و اصول دین را موافق آرائے ایشاں باید جست و صوفیہ آنچہ بگویند و بکنند مخالف آرائے علماء مجتہدین آں را تقلید نباید کرد و بحسن ظن از طعن ایشاں لب باید بست و از شطحیات ایشاں باید شمرد و از ظاہر مصروف باید ساخت الخ (مکتوب ۲۷۲ دفتر اول حصہ پنجم ص)

خبردار حضرات صوفیاء کی باتوں پر مفتون نہ ہونا اور غیر حق تعالیٰ کو حق تعالیٰ نہ سمجھنا یہ جماعت بواسطہ غلبۂ سکر کے اگر معذور ہیں اور بصورت مجتہد ہونے کے خطاوار تو مؤاخذہ کی گرفت سے بچ گئے بہرحال ان کے مقلدین سے کیا معاملہ کریں گے کاش بصورت مقلدین مجتہدین یہ بھی مخطی ہوں (تو مؤاخذہ سے بچ گئے) اور اگر ایسا نہ کریں تو معاملہ مشکل ہے قیاس اور اجتہاد اصول شرعیہ میں سے ایک اصل ہے ہم اس کی تقلید کے مامور ہیں بخلاف کشف اور الہام کے کہ ہمیں اس کی تقلید کا حکم نہیں فرمایا گیا الہام غیر پر حجت نہیں ہے اور اجتہاد مقلد پر حجت ہے پس تقلید تو علماء مجتہدین کی کرنی چاہیئے اور اصول دین کو ان اکابر کی آراء کے مطابق ڈھونڈھنا چاہیئے اور حضرات علماء مجتہدین کی آراء کے خلاف حضرات صوفیاء جو کچھ کہتے

اور کرتے ہیں ان کی تقلید نہیں کرنی چاہیے اور حسن ظنی کرتے ہوئے اپنی زبان کو ان پر طعن کرنے سے روکنا چاہیئے اور ان کی شطحیات (یعنی حضرات صوفیاء کرامؒ کی ایسی باتیں جو غلبہ سکر میں ان سے سرزد ہوتی ہیں) سے بچنا چاہیئے اور ظاہر سے اس کو پھیرنا چاہیئے۔

لہٰذا ہم تو بحمد اللہ تعالیٰ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اس بہترین اور سنہری مشورے اور نصیحت پر عمل کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور حضرات صوفیاء کرامؒ پر طعن سے بچتے ہوئے عدم ذکر بالجہر میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے فتویٰ اور ارشاد کو حق اور صحیح سمجھتے ہیں یار لوگ اپنے لئے جس رائے کو بہتر سمجھتے ہیں اختیار کر لیں ع

وللناس فیما یعشقون مذاھب

دوسری بات

ہو سکتا ہے کہ حضرات چشتیہ وغیرہم قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے ذکر جہر ابتدائی مراحل اور مبادی تعلیم میں صرف سلوک کی منزلیں طے کرنے والے مبتدیوں کے لئے جائز رکھا ہو تاکہ اس طریقہ سے وساوس شیطانیہ سے ان کو نجات مل سکے اور غفلت نفسانی دور ہو اور ان کے دلوں میں ریاضت کی حرارت اور جذبۂ سلوک پیدا ہو اور بعد کے حضرات نے ہو سکتا ہے کہ افراط و تفریط کا شکار ہو کر اس نکتہ کو ملحوظ نہ رکھا ہو جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی بعض ایسے ہی خلفاء کی شکایت کی ہے کما مر) لیکن اس سلسلہ کے اکابر کا اس میں کیا قصور ہے؟ اور پہلے گذر چکا ہے کہ جن مقامات میں شریعت نے ذکر جہر کی اجازت دی ہے ان میں ایک مقام تعلیم بھی ہے اور فتاویٰ بزازیہ کے حوالہ سے یہ بات عرض کی جا چکی ہے کہ تعلیم حاصل ہو چکنے کے بعد جہر بدعت ہے اور آجکل ذکر جہر کرنے والے ثواب سمجھ کر کرتے ہیں اور ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اگر ہماری اس تاویل اور توجیہ پر کسی کو یقین نہیں آتا تو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی الحنفیؒ سے سن لیں وہ فرماتے ہیں کہ۔

ولعل الصوفیۃ الچشتیۃ قدس اللہ اسرارھم — شاید حضرات صوفیاء چشتیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے مبتدی کے لئے جہر کو اس لئے اختیار کیا ہے کہ

اختاروا الجهر للمبتدی لاقتضاء حکمة وهی طرد الشیطان ودفع الغفلة والنسیان وحرارة القلب واشتعال نائرة الحب بالریاضة ومع ذالك یشترط لذلك الاحتراز عن الریاء والسمعة الخ (تفسیر مظہری ج ۳ ص ۴۰۹)

تقاضائے حکمت ہی یہی ہے اور یہ حکمت شیطان کو بھگانا اور غفلت و نسیان اور ریاضت کی وجہ سے دل کی گرمی کو اور آتش محبت کے شعلوں کو تیز کرنا ہے لیکن اس کے ساتھ شرط یہ ہے کہ ریا اور شہرت سے احتراز کیا جائے۔

اس عبارت سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ حضرات چشتیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذکر بالجہر کی اجازت رسیدہ بزرگوں کو نہیں دی بلکہ مبتدیوں کو دی ہے اور یہی مانتے ہیں کہ مبتدیوں کے لئے یہ اجازت بجز تعلیم کے اور کیا معنیٰ رکھتی ہے؟ حضرت خواجہ نصیر الدین صاحب چراغ دہلویؒ حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الحق والدین قدس اللہ تعالیٰ سرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ میں نے ان کی زبان مبارک سے سنا ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں ایک خفی دوسری جلی لیکن سالک کو پہلے جلی شروع کرنا چاہیئے پھر خفی ذکر جلی زبان سے تعلق رکھتا ہے زبان سے ذکر جلی کی کثرت کرنی چاہیئے تاکہ اس کثرت سے خفی حاصل ہو الخ (مفتاح العاشقین اردو ترجمہ ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ ص ۸ طبع لاہور) اس سے معلوم ہوا کہ سالک کی تعلیم کی منزل یہیں سے شروع ہوتی ہے، ہر طبقہ اور ہر سلسلہ میں آگے چل کر کچھ لوگوں نے غلو سے کام لیا مگر یہ ان کا اپنا فعل ہے اکابر کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور اگر اس سے بہتر باحوالہ کوئی اور توجیہ کوئی صاحب ہمت پیش کردیں تو ہمیں اس کے ماننے میں بھی انشاء اللہ تعالیٰ کوئی تامل نہ ہوگا لیکن قرآن کریم وحدیث شریف اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کا دامن چھوڑ کر ہم کہاں جائیں؟ اور کہاں جاسکتے ہیں؟ اور کیسے جاسکتے ہیں۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم — چوں غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

تیسری بات

جن حضرات کی عبارتوں میں ذکر بالجہر کی اجازت آتی ہے (گو ان میں اکثریت حضرات شوافعؒ اور حضرات صوفیاءؒ کی ہے مگر) انہوں نے بھی ذکر جہر کو مطلق نہیں چھوڑا بلکہ اس کے ساتھ متعدد قیود اور شرائط لگائی ہیں اور سعیدی صاحب اور ان کی جماعت ان شرائط میں بیشتر کو نظر انداز

کردیتی ہے ان اکابر کی عبارات میں سے مفید مطلب جملہ ذکر بالجہر کی اجازت کا تو وہ لے لیتے ہیں مگر دیگر شرائط اور قیود سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیتے ہیں حالانکہ وہ ان کی عبارتوں میں صاف طور پر موجود ہوتی ہیں سابق مفصل اور باحوالہ بحث کے بعد مثالوں کی ضرورت نہیں مگر ہم ایک مثال عرض کئے دیتے ہیں:

(۱) امام ابن حجر مکی الشافعی حضرات صوفیاء کرام کے اذکار و اوراد کے اثبات پر پہلے چند احادیث نقل کر کے آگے فرماتے ہیں:۔

واذا ثبت ان لما یعتادہ الصوفیۃ من اجتماعہم علی الاذکار والاوراد بعد الصبح وغیرہ اصلاً صحیحا من السنۃ وھو ما ذکرنا فلا اعتراض علیہم فی ذلک ثم ان کان ھناک من یتاذی بجھرھم کمصل او نائم ندب لھم الاسرار والا رجعوا الما یامرھم بہ استاذھم الجامع بین الشریعۃ والحقیقۃ لما مر انہ کالطبیب فلا یامر الا بما یری فیہ شفاءً لعلۃ المریض ولذلک تجد بعضھم یختار الجھر لدفع الوساوس الردیۃ والکیفیاتِ النفسانیۃ وایقاظ القلوب الغافلۃ واظہار الاعمال الکاملۃ وبعضھم یختار الاسرار مجاھدۃ النفس وتعلیمھا طرق الاخلاق و ایثار الخمول۔

(فتاوی حدیثیہ ص۶۵ طبع مصر)

اور جب یہ ثابت ہوا کہ حضرات صوفیاء جس بات کے معتاد ہیں یعنی ان کا اذکار و اوراد پر صبح وغیرہ کے بعد جمع ہونا اس کی سنت سے صحیح اصل موجود ہے اور وہ وہی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے سو اس سلسلہ میں ان پر کوئی اعتراض نہیں ہے پھر اگر اس مقام پر ایسے لوگ ہوں جن کو ان کے جہر سے اذیت ہوتی ہے مثلاً نمازی یا سونے والا تو پھر ان کے لئے مستحب یہی ہے کہ وہ آہستہ ذکر کریں ورنہ اس حکم کی طرف رجوع کریں جو ان کو ان کا شریعت اور حقیقت کا جامع استاد دیتا ہے کیونکہ یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ وہ حکیم کی مانند ہے سو وہ اسی چیز کا حکم دے گا جس میں وہ یہ دیکھے گا کہ اس میں بیمار کی علت کی شفاء ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تو دیکھے گا کہ ان میں سے بعض ردی قسم کے وساوس اور کیفیات نفسانیہ کے دفع کرنے اور غافل دلوں کو بیدار کرنے اور کامل اعمال کے اظہار کے لئے جہر کو پسند کرتے ہیں اور ان میں سے بعض نفس کے ساتھ مجاہدہ اور اس کو

اخلاق کے طریقوں کی تعلیم اور گمنامی کی زندگی
کو ترجیح دینے کے لئے آہستہ ذکر اختیار کرتے ہیں۔

اس عبارت میں ذکر بالجہر کے سلسلہ میں نمازیوں اور سونے والوں کی نیند اور آرام کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اس کو نظر انداز نہیں کیا گیا اور یہ دو چیزیں صرف بطور مثال کے بیان کی گئی ہیں جہاں بھی کسی کو ذکر بالجہر سے اذیت پہنچے اس کا یہی حکم ہے۔

(۲) علامہ خیر الدین رملی الحنفیؒ کا حوالہ ص۱۷۵ میں گذر چکا ہے جس میں ذکر بالجہر کی بعض شرائط اور قیود کا تذکرہ موجود ہے۔

(۳) علامہ شامیؒ (۴) علامہ سید احمد طحطاویؒ اور (۵) حضرت تھانویؒ کے مفصل حوالے پہلے گذر چکے ہیں جن میں ذکر بالجہر میں لوگوں کی عدم اذیت کو برابر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ افسوس ہے کہ آج کل ذکر بالجہر کرنے والے حضرات نے اس کی دیگر قیود و شرائط کو نظر انداز کرنے کے علاوہ ایذاء المسلمین کو بھی اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور حیرت یہ ہے کہ اس پر ثواب کے طالب اور امیدوار ہیں حالانکہ ایذاء المسلمین حرام ہے ہم صرف اس مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے ایک حدیث اور دو فقہی حوالوں پر اکتفاء کرتے ہیں۔

(۶) حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:۔

صعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم المنبر فنادی بصوت رفیع وقال یا معشر من اسلم بلسانہ ولم یدخل الایمان فی قلبہ لاتؤذوا المسلمین ولا تعیروھم ولا تطلبوا عثراتھم فانہ من یطلب عورۃ المسلم یطلب اللہ عورتہ ومن یطلب اللہ عورتہ یفضحہ ولو فی جوف بیتہ و نظر ابن عمرؓ یوما الی البیت فقال ما اعظمک و

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور بلند آواز سے فرمایا کہ اے لوگو جو زبان سے تو اسلام کا اظہار کرتے ہو لیکن دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا تم مسلمانوں کو اذیت مت دو اور نہ ان کو عار دلاؤ اور نہ ان کی کوتاہیاں تلاش کرو اس لئے کہ جو شخص مسلمان کی کوتاہی تلاش کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہی طلب کریگا اور جس کی کوتاہی کو اللہ تعالیٰ تلاش کرے اس کو وہ اس کے گھر کے اندر ہی رسوا کر دے گا اور

اعظم حرمتك والمؤمن اعظم عند الله حرمة منك۔
(مرارالظمآن ص۳۵۹ طبع مصر)

حضرت عبداللہ رضؓ بن عمرؓ نے ایک دن بیت اللہ کی طرف دیکھا پس فرمایا کہ تو کیا ہی عظمت والا ہے اور تیری کیسی بڑی عظمت ہے مگر مومن کی عظمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تجھ سے بھی بڑی ہے۔

اس روایت سے متعدد مسائل اور فوائد حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ منبر پر وعظ و نصیحت کے موقع پر آواز بلند کرنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور دوسری یہ بات ثابت ہوئی کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسلمان کو اذیت پہنچانے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے اور تیسری یہ کہ حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ مومن کی عزت کعبۃ اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔

۲ حج اور عمرہ میں حجر اسود کو بوسہ دینا سنت ہے لیکن اگر اس کو بوسہ دینے کی وجہ سے کسی مسلمان کو اذیت پہنچتی ہو تو پھر اس کا ترک واجب ہے چنانچہ امام سرخسیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ولان استلام الحجر سنة والتحرز عن اذی المسلم واجب فلا ینبغی له ان یؤذی مسلمًا لاقامة السنة۔
(مبسوط ج ۴ ص۹ طبع مصر)

اور اس لئے بھی کہ حجر اسود کا چومنا سنت ہے اور مسلم کی اذیت سے بچنا واجب ہے سو اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ سنت قائم کرنے کے لئے کسی مسلمان کو اذیت دے۔

اور صاحب ہدایہ نقلی دلیل ذکر کرنے کے بعد عقلی دلیل یہ لکھتے ہیں:۔

ولان الاستلام سنة والتحرز عن اذی المسلم واجب انتهی (ھدایہ ج ۱ ص۲۲۱)

اور اس لئے بھی کہ حجر اسود کا چومنا سنت ہے اور مسلمان کو اذیت پہنچانے سے بچنا واجب ہے۔

مطلب واضح ہے کہ سنت کی ادائیگی کے لئے واجب کو ترک نہیں کیا جائیگا اور ذکر بالجہر تو بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ زیادہ سے زیادہ رخصت ثابت کیا جا سکتا ہے اور بعض دیگر حضرات کی تحقیق سے مباح یا مستحب یا صرف جائز ثابت ہوتا ہے اندریں حالات ایک رخصت یا مباح یا زیادہ سے زیادہ مستحب اور جائز کو ادا کرنے کے لئے واجب کو نظر انداز کر دینا فقہ

طور پر کس طرح درست ہوگا؟ مگر افسوس ہے کہ شور وغل مچانے والے دین اور فقہ کی ان باریکیوں کو کیا جانیں؟ ان کو تو صرف اپنے گروہ کی برتری اور شور وغل کے ذریعہ اپنی بقا اور شہرت و نمود کی ضرورت ہے۔

طواف کے وقت ذکر اور قرأۃ قرآن اور دعا آہستہ ہونی چاہیئے۔

علامہ الشیخ رحمۃ اللہ السندی الحنفیؒ (المتوفی سنہ) نے مناسک حج کے سلسلہ میں ایک مختصر اور بہترین کتاب لکھی ہے جس کا نام لباب المناسک ہے اس کی شرح حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ نے لکھی ہے جس کا نام المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط ہے ان کتابوں کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

(۱) طواف کعبہ کے وقت مستحبات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

والاسرار بالکسر ای الاخفاء بالذکر والادعیۃ وفیہ بحث لانہ یجب الاخفاء اذا کان الجہر مشوشا للطائفین والمصلین فقد صرح ابن الضیاء ان رفع الصوت فی المسجد حرام ولو بالذکر ولعلہ اراد بالاسرار المبالغۃ فی الاخفاء تبعیداً عن السمعۃ والریاء (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط ص۱۱۱ طبع مصر)

اسرار کسرہ کے ساتھ ہے جس کے معنی اخفاء کے ہیں یعنی آہستہ ذکر اور دعائیں کرنی چاہئیں لیکن اس میں کلام ہے وہ یہ کہ جب جہر سے طواف کرنے والوں اور نمازیوں کو تشویش ہوتی ہو تو ذکر اور دعا کا آہستہ پڑھنا واجب ہے کیونکہ ابن الضیاءؒ نے تصریح کی ہے کہ مسجد میں آواز بلند کرنا حرام ہے اگرچہ ذکر ہی کی آواز کیوں نہ ہو اور شاید کہ ان کی مراد آہستہ پڑھنے سے اخفاء میں مبالغہ ہو تاکہ شہرت اور ریاء سے اس فعل کو دور رکھا جائے۔

اس سے بھی بصراحت یہ معلوم ہوا کہ جب ذکر یا جہر سے طواف کرنے والوں اور نمازیوں کو ذہنی پریشانی ہوتی ہو (اور لازماً ہوتی ہے) تو آہستہ ذکر کرنا واجب ہے اور واجب کی خلاف ورزی حرام ہے بلکہ مسجد میں آواز بلند کرنا گو ذکر ہی کیوں نہ ہو

حرام ہے۔

(۲) اور طواف کے وقت مباح کلام کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

وقراءۃ القرآن ای فی نفسہ لما قالوا فی غیر موضع یکرہ ان یرفع صوتہ بالقرآن عند الطواف ولا بأس بقرأتہ فی نفسہ فھذا ھو الاظھر وعن ابی حنیفۃؒ لا ینبغی للرجل ان یقراء القرآن رافعا صوتہ فی الطواف ولا فی نفسہ قال وھو الاصح انتھی وھو مختار بعض الشافعیۃ کالحلیمی والاذرعی وفی المنتقی وعن ابی حنیفۃؒ لا ینبغی للرجل ان یقرأ فی طوافہ ولا بأس بذکر اللہ تعالیٰ انتھی وھو قابل ان یحمل علی رفع الصوت واما قولہ ولا بأس بذکر اللہ فمعناہ ان السکوت ھو السنۃ ولیس کذلک ولا یتصور ان یقید برفع الصوت فی الذکر فانہ ممنوع ولعلہ اراد بانہ لا بأس بالاذکار المصنوعۃ المسطورۃ من غیر الاذکار والادعیۃ المأثورۃ۔

(المسلک المتقسط ص۱۱۱ و ص۱۱۲)

اور قرآن کریم کا پڑھنا یعنی اپنے دل میں کیونکہ حضرات فقہاء کرامؒ نے متعدد مقامات میں کہا ہے کہ طواف کے وقت قرآن پڑھتے ہوئے اپنی آواز کو بلند کرنا مکروہ ہے اور اپنے دل میں پڑھنے کا کوئی حرج نہیں اور یہی ظاہر تر بات ہے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ طواف کرتے وقت آدمی کو مناسب نہیں کہ وہ بلند آواز سے اور اسی طرح آہستہ دل میں قرآن کریم پڑھے فرمایا کہ یہی صحیح بات ہے ان کا کلام ختم ہوا اور بعض شوافع حضرات مثلاً حلیمیؒ اور اذرعیؒ کا یہی مختار ہے منتقی میں ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ آدمی کو مناسب نہیں کہ طواف کرتے وقت قرآن کریم پڑھے ہاں اللہ تعالیٰ کے ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے ان کی بات ختم ہوئی اور یہ روایت اس قابل ہے کہ اس کو بلند آواز کے ساتھ پڑھنے پر حمل کیا جائے باقی رہا ان کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اس سے یہ وہم پڑتا ہے کہ خاموش رہنا ہی سنت ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اور یہاں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اس کو بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے مقید کر دیا جائے

کیونکہ بلند آواز سے ذکر کرنا خود ممنوع ہے اور شاید کہ ان کی مراد یہ ہو کہ وہ اذکار جو اذکار اور ادعیہ ماثورہ کے علاوہ بنائے اور لکھے گئے ہیں' ان کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

آج کل مناسک حج کی اکثر کتابوں اور رسالوں میں ایسی دعائیں اور اذکار بھی ملتے ہیں جن کا صحیح احادیث و آثار سے کوئی ثبوت نہیں ہے لیکن چونکہ توحید و سنت کے کسی ضابطہ سے وہ متصادم نہیں ہیں اس لیے ہر مکتب فکر کے علماء کرام ان سے چشم پوشی کرتے ہیں اور پڑھنے والوں کو منع نہیں کرتے۔

(۳) طواف کے وقت جو جو چیزیں مکروہ ہیں' ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

ورفع الصوت ولو بالقرآن والذکر والدعاء ای بحیث یشوش علی الطائفین والمصلین (المسلک المتقسط ص ۱۱۲)

اور آواز بلند کرنا اگرچہ قرآن اور ذکر اور دعا پڑھتے ہوئے ہو یعنی بایں طور کہ طواف کرنے والوں اور نمازیوں کو اس جہر سے تکلیف ہوتی ہے (اگر اس قدر جہر ہو کہ خود سنتا ہو تو کوئی حرج نہیں)

اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کی موجودگی میں قرآن کریم کے آہستہ پڑھنے کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد موجود ہے' چنانچہ حضرت ابو سعید بن الخدریؓ فرماتے ہیں کہ

اعکتف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المسجد فسمعھم یجھرون بالقرأۃ فکشف الستر وقال الا ان کلکم مناج ربہ فلا یوذین بعضکم بعضا ولا یرفع بعضکم علی بعض فی القرأۃ او قال فی الصلوۃ (رواہ ابو داؤد باسناد صحیح' المجموع شرح المہذب ج ۳' ص ۳۹۲ طبع مصر)

آنحضرت ﷺ مسجد میں اعتکاف بیٹھے تھے کہ آپ نے لوگوں کو سنا کہ وہ بلند آواز سے تلاوت کر رہے ہیں' آپ نے پردہ ہٹایا اور فرمایا کہ خبردار تم سبھی اللہ تعالیٰ سے سرگوشی کر رہے ہو پس تم میں ہرگز بعض بعض کو اذیت نہ دیں اور نہ قراءۃ میں یا نماز میں ایک دوسرے پر آواز بلند کریں

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں لوگوں کا خارج از نماز قرآن پڑھتے یا نماز میں قراءت کرتے وقت اس قدر جہر کرنا کہ دوسروں کو اذیت ہو' ممنوع ہے۔ حدیث شریف اور فقہ کے کچھ حوالے اس سلسلہ میں پہلے بھی بیان ہو چکے ہیں۔

درس و تقریر پر اعتراض اور اس کا جواب:

مولف ذکر بالجہر ص ۱۷

میں لکھتے ہیں' علاوہ ازیں گزارش ہے کہ آپ لاؤڈ سپیکر پر درس دیتے ہیں' تقریریں کرتے ہیں۔ اس وقت بھی آخر نمازی نماز پڑھتے ہیں۔ کیا اب نماز میں خلل نہیں پڑتا؟ اگر واقعی آپ لوگوں کی نمازوں کے ایسے ہی ہمدرد ہیں تو آپ یا درس اور تقریریں بھی ختم کیجئے یا پھر یہ کام مکروہ وقت میں کیا کریں جب سجدہ جائز نہ ہو لیکن آپ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ یہ آپ کی روزی کا معاملہ ہے الخ

الجواب: بجائے اس کے کہ ہم اپنی طرف سے اس کا جواب دیں' مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انہی کی جماعت کے مفتی اعظم احمد یار خان صاحب کا جواب عرض کر دیں۔ وہ ایک مقام پر لکھتے ہیں' فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے' اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجہر کر رہا ہو' یہ منع ہے۔ نہ یہ کہ نماز بھی ہو چکی ہو' لوگ فارغ ہو کر اب ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے اب کوئی شخص تارک الجماعت بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرتا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہٰذا اے نمازیو' اے قرآن یاد کرنے والو' واعظو' تم سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرع ہیں۔ مکہ معظمہ میں صرف جماعت اولیٰ کے لیے طواف بند ہوتا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا اور طواف میں دعاؤں کا اس قدر شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کہئے وہاں اس ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازوں میں خلل کی وجہ سے طواف بند کراؤ گے۔ افتی (جاء الحق ص ۳۴۱) چونکہ عموماً" درس اور تقریریں نماز کے بعد ہوتی ہیں لہٰذا بقول مفتی احمد یار خان صاحب کسی تارک الجماعت کو حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی نماز کے حیلہ سے وعظ و درس بند کرتا پھرے۔ امید ہے کہ اتنا ہی جواب کافی ہو گا۔ باقی مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ طواف کے وقت شور وغل ہوتا ہے' اس وقت ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ تو اس کا حکم حضرت ملا علی ن القاری حنفیؒ کی مرقات اور المسلک المتقسط وغیرہ کی عبارات میں دیکھ لیں جو عرض کر دی گئی ہیں۔ البتہ حضرات فقہاء کرام کی عبارات کا یہ مطلب بیان کر کے مفتی صاحب نے سخت غلطی کی ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو' لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجہر کر رہا ہو الخ۔ اس لیے کہ حضرات فقہاء کرام نے جماعت کی کوئی قید نہیں لگائی۔ انہوں نے مسجد میں مطلقاً ذکر بالجہر کو حرام اور مکروہ قرار دیا ہے جب کہ کوئی نماز میں مصروف ہو یا نیند میں محو ہو' ہاں اگر کسی کی نماز اور نیند وغیرہ میں کوئی خلل نہ پڑتا ہو تو اس کا معاملہ جدا ہے جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ رہا مولف ذکر بالجہر کا یہ طعنہ کہ یہ تمہاری روزی کا معاملہ ہے تو یہ ایک احمقانہ خیال ہے کیونکہ علماء حق کا وہ طبقہ جو لاؤڈ سپیکر کی ایجاد سے پہلے گزر چکا ہے کیا وہ روزی نہیں کھاتا تھا؟ اور کیا آج بھی علماء حق کا

ہر فرد لاؤڈ سپیکر استعمال کرتا ہے اور درس ہی دیتا ہے تب ہی اس کو روزی نصیب ہوتی ہے؟ کیا وہ حضرات جو نہ تو درس دیتے ہیں اور نہ آلہ مکبر الصوت استعمال کرتے ہیں وہ روزی نہیں کھاتے؟ بجائے اس کے کیا یہ قرین قیاس نہیں کہ صحیح اور ٹھوس دینی خدمت سے تو آپ لوگ ویسے محروم ہیں جس کو ہر عقل مند اور منصف مزاج آدمی تسلیم کرے گا اور لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے اور اپنی کارگزاری بتلانے کے لیے روزی کمانے کا یہ ڈھنگ آپ لوگوں نے اختیار کر لیا ہے کہ چلا چلا کر ذکر کرتے اور درود شریف اور فلمی طرز کی نعتیں پڑھتے ہیں تا کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ مسجد میں کچھ ہو رہا ہے اور گیارھویں اور عرس وغیرہ میں لوگوں کو ترغیب دے دے کر اس کارروائی کو اپنی روزی اور حلوے مانڈے کا ذریعہ بنا رکھا ہے اور طعنہ اہل حق کو دیا جا رہا ہے کہ یہ تمہاری روزی کا معاملہ ہے۔ سچ ہے کہ چھانی نے لوٹے کو یہ طعنہ دیا کہ تیرے اندر دو سوراخ ہیں اور اپنی خیر سے خبر ہی نہیں کہ اس میں کتنے سوراخ ہیں۔ کیا خوب کہا گیا ہے کہ ۔

میری نگاہ شوق پہ اتنی ہیں سختیاں
اپنی نگاہ شوق کی کچھ بھی خبر نہیں

علاوہ ازیں مولف ذکر بالجہر کا یہ کہنا کہ یا پھر کام مکروہ وقت میں کیا کریں الخ کیا وعظ و تقریر کے لیے بھی شرعاً کوئی وقت مکروہ ہے۔ جس طرح نمازوں کے لیے مثلاً طلوع آفتاب، استواء اور غروب آفتاب وغیرہ کے اوقات مکروہ ہیں؟ پھر سجدہ کے مکروہ ہونے اور درس و وعظ کا آپس میں کیا تعلق اور جوڑ ہے کہ اس کا پیوند اس کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور یوں لب کشائی کی ہے کہ یا پھر یہ کام مکروہ وقت میں کیا کریں اھ

اصل بات یہ ہے کہ اہل بدعت دین کی صحیح بصیرت سے تو ویسے ہی محروم ہیں۔ اگر کسی میں کوئی معمولی جھلک ہے بھی تو وہ شرک و بدعت کے دبیز پردوں کے نیچے دب گئی ہے اور حلوئی، کھیر اور مرغن غذاؤں کی اس پر ہر طرف سے خوب لپائی ہو چکی ہے، لہٰذا ان سے صحیح بات کی قبولیت کی سرے سے کوئی توقع ہی نہیں الا من شاء اللہ تعالیٰ۔ اس لیے عامۃ المسلمین کو خود اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے طفیل سے سب کو اس کی توفیق مرحمت فرمائے، آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ خاتم النبیین محمد وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز خطیب
جامع مسجد گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم
گوجرانوالہ

۴ رجب ۱۳۹۴ھ
۲۵ جولائی ۱۹۷۴ء

مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ کی مطبوعات

خزائن السنن
تقریر ترمذی طبع سوم

احسن الکلام
مسئلہ فاتحہ خلف الامام کی مدلل بحث طبع ششم

تسکین الصدور
مسئلہ حیات النبی ﷺ پر مدلل بحث طبع ہفتم

الکلام المفید
مسئلہ تقلید پر مدلل بحث

ازالۃ الریب
مسئلہ علم غیب پر مدلل بحث طبع ششم

راہ سنت
رد بدعات پر لاجواب کتاب

آنکھوں کی ٹھنڈک
مسئلہ حاضر و ناظر پر مدلل بحث

احسان الباری
بخاری شریف کی ابتدائی ابحاث

طائفہ منصورہ
نجات پانیوالے گروہ کی علامت

ارشاد الشیعہ
شیعہ نظریات کا مدلل جواب

درود شریف
پڑھنے کا شرعی طریقہ

عبارات اکابر
اکابر علماء دیوبند کی عبارات پر اعتراضات کے جوابات

تبلیغ اسلام
ضروریات دین پر مختصر بحث

گلدستہ توحید
مسئلہ توحید کی وضاحت

دل کا سرور
مسئلہ مختار کل کی مدلل بحث

راہ ہدایت
کرامات و معجزات کے بارہ میں صحیح عقیدہ کی وضاحت

بانی دار العلوم دیوبند
مولانا محمد قاسم دیوبندیؒ کے حالات زندگی اور ان پر اعتراضات کے جوابات

ینابیع
غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول کے رسالہ تراویح کا اردو ترجمہ

چراغ کی روشنی
معراج النبی ﷺ کے بارہ میں قادیانی وغیرہ کے اعتراضات کے جوابات

مسئلہ قربانی
قربانی کی فضیلت اور ایام قربانی پر مدلل بحث

عیسائیت کا پس منظر
عیسائیوں کے عقائد کا رد

مقالہ ختم نبوت
قرآن و سنت کی روشنی میں

المسلک المنصور

اتمام البرہان
رد توضیح البیان

حلیۃ المسلمین
داڑھی کا مسئلہ

توضیح المرام
فی نزول مسیح علیہ السلام

آئینہ محمدی
سیرت پر مختصر رسالہ

شوق حدیث
حجیت حدیث پر مدلل بحث

ملا علی قاری
اور مسئلہ علم غیب و حاضر و ناظر

تنقید متین
بر تفسیر نعیم الدین

باب جنت
بجواب راہ جنت

الکلام الحادی
سادات کیلئے زکوٰۃ وغیرہ لینے کی مدلل بحث

مودودی صاحب کا غلط فتوی

تفریح الخواطر
بجواب تنویر الخواطر

چہل مسئلہ
حضرات بریلویہ

عمدۃ الاثاث
تین طلاقوں کا مسئلہ

الشہاب المبین
بجواب الشہاب الثاقب

اظہار العیب
بجواب اثبات علم الغیب

سماع موتیٰ

چالیس دعائیں

مقام ابی حنیفہؒ

صرف ایک اسلام

حکم الذکر بالجہر

شوق جہاد

اطیب الکلام
ملخص احسن الکلام

انکار حدیث کے نتائج
منکرین حدیث کا رد

مرزائی کا جنازہ اور مسلمان

مولانا ارشاد الحق اثری کا مجذوبانہ واویلا

اخفاء الذکر
ذکر آہستہ کرنا چاہیئے

مطبوعات عمر اکادمی

بخاری شریف
غیر مقلدین کی نظر میں

خزائن السنن
جلد دوم کتاب البیوع

جنت کے نظارے
علامہ ابن القیم کی کتاب حادی الارواح کا اردو ترجمہ

حمیدیہ
فن مناظرہ کی کتاب رشیدیہ کا اردو ترجمہ

علامہ کوثری کی تانیب الخطیب کا اردو ترجمہ
امام ابو حنیفہؒ کا عادلانہ دفاع

غیر مقلدین کے متضاد فتوے

احناف کا رسول اللہ ﷺ سے اختلاف یا غیر مقلدین کی بددیانتیوں اور جہالتوں بھری داستان
انکشاف حقیقت

راہ سنت پر اعتراضات کا مدلل جواب
ایضاح سنت
بجواب
مصباح سنت

شیعہ کی جانب سے اہل سنت کے وضو پر اعتراضات کے جوابات
وضوء کا مسنون طریقہ

تین طلاقوں کے مسئلہ پر مقالہ کا
جواب مقالہ

الدروس الواضحہ فی شرح الکافیہ

مروجہ قضائے عمری
بدعت ہے